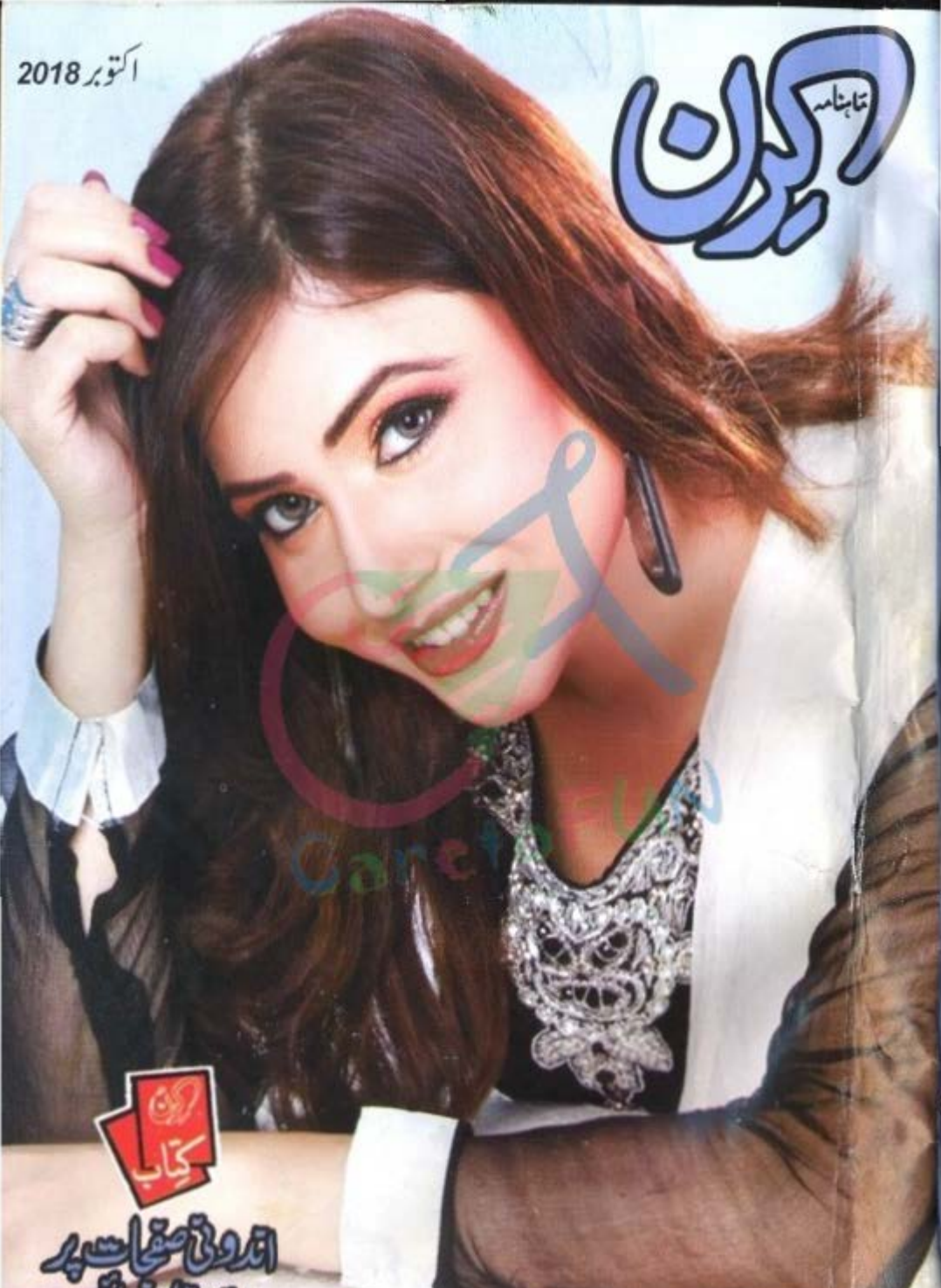

اکتوبر 2018
ماہنامہ
کرن
کرن
کتاب
اندرونی صفحات پر

حمد، تنویر پھول 9
نعت، عبدالکریم شمر 9

بیاد محمود بابر فیصل

یادیں نہیں جائیں گی، فرح علی 10

انٹرویو

نعمان اعجاز سے ملاقات، شاہین رشید 13
آواز کی دنیا سے، اشعر آغا 22
میری بھی سنیے، حسیبہ عزیز 17
مقابل ہے آئینہ، الفت زہرہ سراج 26

ناول

شبنم کی سحر، رخ چوہدری 28
ہوائیں رخ بدل گئیں، نگہت عبداللہ 190

مکمل ناول

زندگی تم ہی ہو، نفیسہ سعید 52
مورا پیا، بشریٰ ماہا 134
لذت غم عشق، صائمہ قریشی 205

ناولٹ

غم ہے یا خوشی ہے تو، تنزیلہ ریاض 92
پھلجھڑیاں، منشا محسن علی 173

افسانے

قفل ٹوٹ گیا، میمونہ صدف 88
پہلا خواب، قرۃ العین خرم ہاشمی 45
انتظار، کاشف بلوچ 169
اپنائیت کے رنگ، سدرہ حیات 123

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ---- 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---- 7000 روپے
subscriptions@khawateendigest.com

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو، شعاع عمیر 229
یادوں کے دریچے سے، بشریٰ محمود 232
مجھے یہ شعر پسند ہے، شگفتہ سلیمان 234
موتی چنے ہیں، ادارہ 235
مسکراتی کرنیں، روبینہ شریف 236
نہلے پہ دہلا، ذوالقرنین 238
نامے میرے نام، مدیرہ کرن 239

کرن کتاب

کچن اور آپ، فوزیہ ثمر بٹ 3
اس ماہ کا پھل، ادارہ 6
اس ماہ کا مہمان، شاہین رشید 8
بیوٹی باکس، ادارہ 11
کرن کا دسترخوان، ادارہ 14

اکتوبر 2018
جلد 41 شمارہ 7
قیمت 70 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار، کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔
پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

آوازِ دوست

اکتوبر کا مہینہ موسم خزاں میں گرتے پتے دلوں میں اُداسی بھر دیتے ہیں۔ ایسے میں محمود بابر فیصل کی یادیں اس اُداسی میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ ایسے ہی موسموں میں وہ ہم سے بچھڑ گئے تھے۔ اسی اکتوبر میں اُن کی پچیسویں برسی ہے۔ آج تک دل ماننے سے انکاری ہے کہ وہ زندہ دل، شگفتہ بیان شخص ہمارے درمیان سے خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا۔ ان کو ہم سے بچھڑے پچیس سال یعنی کہ چوتھائی صدی... ایک طویل عرصہ لیکن سوچو تو کل کی بات لگتی ہے۔

انکساری اور شگفتہ مزاجی ان کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ رونقِ محفل ہی نہیں خود اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ شاعر، افسانہ نگار، مزاح نگار اور ناول نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے انسان بھی تھے۔ دوستوں کے دوست، سب کا خیال رکھنے والے اور ہر وقت ہنسنے ہنسانے والا شخص سب کو رُلا کر چلا گیا۔

اور جانے سے پہلے یہ کہہ گیا۔

نہ جانے کس کس شفیق دل پہ یہ شاق گزرے گا میرا مرنا
مرا مرض لا دوا نہیں تھا مگر یہ کس کو خیال ہوگا

قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں انہیں بھی یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

اس شمارے میں،

- بیادِ محمود بابر فیصل "یادیں نہیں جائیں گی" فرح علی کے قلم سے،
- اداکار "نعمان اعجاز" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "صبا عزیز" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "اشعر آغا"،
- اس ماہ "العنقا زہرہ سراج" کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "شبِ غم کی سحر" رُخ چوہدری کا سلسلے وار ناول،
- نگہت عبداللہ کا سلسلے وار ناول "ہوائیں رُخ بدل گئیں"،
- "زندگی تم ہی ہو" نفیسہ سعید کا مکمل ناول،
- بشریٰ ماہا کا مکمل ناول "مورا پیا"،
- "لذتِ عشق" صائمہ قریشی کے مکمل ناول کی آخری قسط،
- تنزیلہ ریاض کے ناولٹ "عشق ہے یا خوشی ہے تو" کی آخری قسط،
- منشا محسن علی کا ناولٹ "پھلجھڑیاں"،
- میمونہ صدف، قرۃ العین خرم ہاشمی، سدرہ حیات اور کشف بلوچ کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- کرن کتاب "کرن کا دسترخوان" اب ایک نئے انداز میں۔

حمد باری تعالیٰ

اے مرے مولا! ہے تُو ہی ذوالجلال
تُو ہے بے شک بے نظیر و بے مثال

ہر طرف قدرت ہے تیری آشکار
تُو نے ہیں پیدا کیے لیل و نہار

تُو نے تاروں سے سجایا آسماں
نکہتِ گل سے ہے مہکا آسماں

رزق تُو دیتا ہے، تُو رازق ہے
خلق عالم کو کیا، خلاق ہے

تیری رحمت بے کراں ہے اے رحیم
حکمتیں بے مثل ہیں تیری حکیم

ہم ضعیف و ناتواں ہیں، بخش دے
نام لیوا ہیں رسولِ پاک کے

پھول پر رحم و کرم تو کر سدا
گلشنِ عالم کے خالق اے خدا

تنویر پھول

نعت رسول مقبول

خورشیدِ فلک آپ ہیں، مہتابِ یقیں آپ
تابندہ نظر آپ ہیں، فرخندہ جبیں آپ

ملت کے نگہدار ہیں، اُمت کے امیں آپ
سر تا بقدم رحمت و اخلاص و یقیں آپ

ہر نقشِ قدم آپ کا ہے شمعِ ہدایت
تاریکی و ظلمت میں ہیں نورِ جبیں آپ

معیار ہے دُنیا کے لیے اسوۂ حسنہ
ہر نامۂ توحید کے ہیں نقشِ قدم آپ

طائف کا سفر ہو کہ مدینہ کی ہو ہجرت
منہاجِ عمل آپ ہیں معراجِ یقیں آپ

اللہ کی نصرت رہی ہر وقت جلو میں
میدانِ تگ و تاز میں ہیں فتح مبیں آپ

عبدالکریم ثمر

بیاد محمود بابر فیصل

یادیں نہیں جائیں گی

فرح علی

یہ 1985ء کے وسط کی بات ہے۔ میں ایم۔ اے جرنلزم (جسے اب ماس کمیونیکیشن کہا جاتا ہے) کر کے فارغ ہوئی تھی اور جاب کی تلاش میں تھی کہ اخبار میں ایک اشتہار نظر سے گزرا کہ ایک رسالے کو خاتون ایڈیٹر کی ضرورت ہے۔

میں نے صحافت کا شعبہ اپنی پسند سے منتخب کیا تھا اور کسی روزنامہ میں کام کرنے کا شوق بھی بہت تھا۔ مگر امی کی مرضی نہ تھی کہ بقول ان کے اخبارات میں کام رات کو ہوتا ہے، سو یہ شوق تو پورا نہیں ہو سکتا تھا مگر ایک رسالے میں تو کام کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا میں اشتہار میں دیے گئے ایڈریس پر انٹرویو کے لیے پہنچ گئی۔

ایک بڑی سی میز کے پیچھے سنجیدہ سے صاحب بیٹھے ہوئے اور ہاتھ میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔ پہلا انٹرویو تھا کسی جاب کے لیے، کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ تھی بابر صاحب سے پہلی ملاقات۔

انٹرویو کے دوسرے یا تیسرے دن فون آیا کہ آکر آفس جوائن کر لیں۔ یہاں سے بابر صاحب اور ہمارا ساتھ شروع ہوا جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ ابتدا میں تو بابر صاحب سے خاصی ڈری رہتی تھی وہ بھی سنجیدہ رہتے تھے۔ اسی اثناء میں غزالہ رشید نے کرن جوائن کر لیا تھا۔

پھر بابر صاحب کی شخصیت سے جب سنجیدگی کا خول اترا تو پتا چلا کہ یہ تو خاصی باغ و بہار قسم کی شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے ہمیں کبھی مالک اور ملازم کا فرق پتا ہی نہیں چلا۔ دوپہر میں ہم لوگ کھانا کھا رہے ہوتے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور بلا تکلف ہمارے ساتھ کھانے میں شامل ہو گئے۔

میں کھانے پینے کی خاصی شوقین واقع ہوئی ہوں اور مچھلی تو میری مرغوب ترین غذا ہے۔ ہمارے آفس کے قریب برنس روڈ پر فنگر فش بہت اچھی ملا کرتی تھی (اب پتا نہیں ملتی ہے کہ نہیں) اکثر پرچا پریس میں جانا ہوتا تو ہمیں دیر تک رکنا پڑتا اور ہم لوگ گھر جانے کے لیے بے چین، تو بابر صاحب فنگر فش کی رشوت دے کر روکا کرتے تھے اور میں لالچی، فوراً تیار ہو جاتی۔ خود ان کو یوسف کی دال بہت پسند تھی (یوسف کی دال بھی یہاں ریڈیو پاکستان والی گلی میں ملا کرتی تھی۔)

میری دانست میں سگریٹ اور چائے ان کی زندگی کا حصہ تھے۔ گرمی سے گرمی کو مارو کا فلسفہ بھی میں نے ان ہی سے سنا۔ اب سڑی سے سڑی گرمی پڑ رہی ہے مگر چائے پیو۔ میں مارے لحاظ کے پورا کپ ختم کر جاتی اور ان کی چائے ویسی ہی پڑی ٹھنڈی ہو جاتی۔

بابر صاحب کی شخصیت ایسی تھی کہ کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ ہم پرچے کے مالک کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ انہیں لفظ ''باس'' سے شدید چڑ تھی اور ہم جب کسی معاملے پر اختلاف ہوتا تو کھٹ سے جملہ دیتے کہ آپ تو ''باس'' ہیں۔ پھر ڈانٹ بھی کھاتے۔

اس زمانے کے قارئین کو اگر یاد ہو تو ''کرن شام'' کا انعقاد ہوا کرتا تھا اور ہماری تمام مصنفین کو اس کا بے چینی سے انتظار بھی رہتا تھا۔ بابر صاحب اس کی تیاریوں میں بڑے جوش و خروش سے ہمارا ساتھ دیتے اور جہاں تک مجھے یاد ہے تمام مصنفین کو خود ہی کال کر کے مدعو کرتے اور بابر صاحب بلائیں اور کوئی نہ آئے یہ کیسے ممکن تھا لہٰذا ہماری ''کرن شام''

خوب دھوم دھام سے منعقد ہوتی۔

مصنفین کے ساتھ بھی بابر صاحب کا رویہ نہایت احترام والا ہوتا۔ ہر مصنفہ سے عزت و تکریم سے گفتگو کرنا۔ کسی کو اگر کوئی پرابلم ہے تو اس کو سننا اور حل کرنے کی کوشش کرنا۔

ہم لوگ کا خیال تو وہ رکھتے ہی تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے گھر والوں کی بھی ویسی ہی عزت کرتے۔ ایک دفعہ میں کسی بات پر ناراض ہوگئی اور نوکری چھوڑ کر گھر بیٹھ گئی، پہلی نوکری اور بابر صاحب جیسا خیال رکھنے والا بندہ، بھی جاب کے نرم گرم سہے ہی نہیں تھے۔ (وہ تو بعد میں جب دوسری جگہوں پر نوکری کرنے کا اتفاق ہوا تو پتا چلا کہ یہ آسان کام نہیں ہے) تو بابر صاحب نے فون کر کے ڈانٹا اور کہا۔

"سیدھی طرح آفس آجاؤ ورنہ کان پکڑ کر لے آؤں گا تمہیں۔ بہن کہا ہی نہیں سمجھا بھی ہے"۔ میری امی بھی ان کی خاصی معترف، ایک دفعہ ایک مشہور پاپ سنگر ان سے ملنے آیا (میں اس کے گانے بہت شوق سے سنتی تھی) میں اس وقت ان کے کمرے میں کسی کام سے گئی تھی انہوں نے فوراً مجھے کمرے سے باہر بھیج کر اس کو اندر بلایا۔

میں نے گھر جا کر امی سے شکایتاً یہ واقعہ سنایا۔ یہ سارا واقعہ سن کر امی نے میرا دکھ بانٹنے کے بجائے بابر صاحب کی تعریفیں شروع کر دیں کہ وہ ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں کہ ایک گویا (بقول امی) آیا تو انہوں نے مجھے کمرے سے ہٹا دیا اور بعد میں بھی کافی عرصے تک وہ بابر صاحب کی خوبی کے طور پر اس قصے کو یاد کرتی تھیں۔

اگست 1992ء میں میری شادی ہوگئی اور میں کینیڈا چلی گئی۔ جانے سے پہلے میں اپنے شوہر کے ساتھ بابر صاحب سے ملنے گئی، کافی دیر گپ شپ کے بعد جب ہم چلنے لگے تو بابر صاحب ہمیں چھوڑنے باہر تک آئے۔ میری نظروں میں ابھی تک ان کی وہ شکل گھومتی ہے، نیم تاریکی میں وہ درخت کے نیچے کھڑے ہم لوگوں کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ یہ میری ان سے آخری ملاقات ہوگی اور بہنوں کی طرح میرا خیال رکھنے والے یوں چلے جائیں گے۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح کمیونیکیشن کے اتنے ذرائع نہ تھے۔ انٹرنیٹ موجود نہ تھا، بلکہ فون کرنا بھی خاصا مہنگا پڑتا تھا۔ اس لیے میرا "کرن" سے ایک طرح سے رابطہ منقطع ہوگیا۔

یہ اوائل اکتوبر 1993ء کا ذکر ہے کہ خزاں کا موسم اپنے عروج پر تھا۔ فضا میں موسم خزاں کی مخصوص اداسی چھائی تھی۔ پاکستان سے بہن کا خط آیا۔ جس میں بابر صاحب کی طبیعت کی ناسازی کا بھی ذکر تھا۔ میں نے سوچا چلو پاکستان فون کر کے خیر، خیریت لیتی ہوں کہ اتنے میں میرے کزن کا امریکا سے فون آیا کہ اس نے آج پاکستان فون کیا تھا تو پتا چلا کہ بابر صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اور میں اپنی جگہ پر سن سی بیٹھی رہ گئی۔

اگرچہ میرے گھر والوں کی ماسوا امی کے کسی کی بھی بابر صاحب سے براہ راست ملاقات نہ تھی مگر میری زبانی ان کا ذکر سن سن کر سب ہی ان کو اچھی طرح سے جاننے لگ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے ساتھ، ساتھ ان لوگوں کو بھی ان کے انتقال پر شدید رنج ہوا۔

اب "کرن" میں واپسی پر وہ سب پرانی یادیں، باتیں ذہن میں گھومتی ہیں اور عجیب سے دکھ میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ یادیں تو بہت ساری ہیں مگر کس، کس کو یاد کروں کہ بہرحال سب کو اپنے اپنے وقت پر جانا ہے۔ یہی سوچ کر دل کو صبر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا ہے اور اللہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)

☆☆

نعمان اعجاز سے ملاقات

شاہین رشید

اگر کسی کو ڈیفینیشن معلوم کرنی ہو ورسٹائل کی تو وہ نعمان اعجاز کے دو چار ڈرامے دیکھ لے، اسے معلوم ہو جائے گا کہ ورسٹائل کسے کہتے ہیں۔ نعمان اعجاز کے کام کرنے کا انداز ہی سب سے مختلف ہے۔ ان کی اداکاری دل کو "موہ" لیتی ہے۔ بندہ ان کے ڈرامے یکسوئی کے ساتھ دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ نعمان اعجاز بہت مصروف رہتے ہیں۔ باقاعدہ اہتمام کے ساتھ انٹرویو کرنا مشکل ہے، اس لیے تھوڑا تھوڑا جو کچھ حاصل ہو سکا، آپ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

☆ "کیسے مزاج ہیں؟"

◆◆ "الحمدللہ۔ آپ کیسی ہیں؟"

☆ "جی..... اللہ کا شکر ہے۔ میں دیکھتی ہوں آپ کے ڈرامے، ماشاء اللہ آپ کی پرفارمنس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ فین تو بہت ہوں گے آپ کے؟"

◆◆ "جی..... الحمدللہ۔ لوگوں کی محبت ہے اور یہ ان کی پسندیدگی ہی ہے کہ میں اس فیلڈ میں ہوں ورنہ بندے کی کیا اوقات ہے۔"

☆ "یہ عاجزی و انکساری ہی تو ہے کہ جو آپ کو آگے سے آگے لے جا رہی ہے، مگر پھر بھی لوگ آپ کو مغرور کہتے ہیں؟"

◆◆ "اصل میں، میں بہت سوشل نہیں ہوں۔ لوگوں میں بہت جلدی گھلتا ملتا نہیں ہوں۔ سچ بولتا ہوں، لگی لپٹی آتی نہیں مجھے، بس اس لیے لوگ ایسا کہتے ہوں گے۔ ویسے ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو مجھے مغرور کہتے ہیں۔"

☆ "ہماری فلم انڈسٹری تیزی سے گر و کر رہی ہے۔ بہت لوگ بہت کام کر رہے ہیں، آپ کہاں ہیں؟ اسکرین سے دور؟"

◆◆ "جی۔ بڑی اچھی بات ہے کہ ہماری فلم انڈسٹری بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ لوگوں نے سینما ہاؤسز کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے اور فلمیں بھی اچھی بن رہی ہیں۔ میں اس سے دور کیوں ہوں؟ تو اس کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ بس جیسے ہی مجھے میرے مزاج کا کردار ملے گا میں آپ کو بڑی اسکرین پر نظر آؤں گا۔"

☆ "آفرز تو بہت ہوں گی؟"

◆◆ "ظاہر ہے۔ یہ تو پوچھنے والا سوال ہی نہیں لیکن ظاہر ہے کہ چھوٹی اسکرین پر مجھے لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی عام سے کردار میں نظر آؤں۔ سو اس لیے میں انتظار میں ہوں کہ کوئی اچھا رول ملے اور میں اپنے ناظرین کو نظر آؤں۔"

☆ "جو ڈرامے آج کل پیش کیے جا رہے ہیں اور جو ڈرامے ہم نے آپ کے دیکھے ہیں، کیا

یہاں بھی آپ اچھے رول کی تلاش میں رہتے ہیں؟"

◄◄ "فلم ہو یا ڈرامہ...... دونوں میں کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ فلم کے لیے میری سوچ کچھ اور ہے تو ڈراموں کے لیے کچھ اور...... ڈراموں میں بھی میں وہی کردار لیتا ہوں جس کے لیے میرا آئیڈیا ہوتا ہے کہ یہ کلک کرے گا اور جو میرے لیے چیلنجنگ ہوتا ہے۔ ہر وقت اسکرین پر، ہر طرح کے رول کے ساتھ آ کے میں اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

☆ "جو کردار آپ کو پسند آتا ہے اور جو آپ کرنا بھی چاہتے ہیں۔ کیا اس میں کچھ چینج کرواتے ہیں یا جو ملتا ہے وہ کر لیتے ہیں؟"

◄◄ "اپنے کردار کے بارے میں اپنی رائے دینا یا تھوڑی بہت تبدیلی کروانا سب فنکاروں کا حق ہے اور میں بھی یہ حق استعمال کرتا ہوں چنانچہ جہاں مجھے تبدیل کروانا ہوتا ہے یا جہاں کہیں کردار میں تھوڑا جھول نظر آتا ہے، میں بول دیتا ہوں تو سینئر ہونے کی وجہ سے میری شنوائی بھی ہو جاتی ہے۔"

☆ "ڈراموں کے موضوعات سے مطمئن ہیں؟"

◄◄ "یہ اچھی بات ہے کہ آج کل ہر موضوع پر ڈرامے بن رہے ہیں مگر پھر بھی موضوع کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے کہ آیا یہ بہتر رہے گا یا نہیں اور میں نے دیکھا کہ اگر کسی ایک موضوع پر ڈرامہ ہٹ ہو گیا ہے تو پھر موضوعات کو دہرایا بھی جاتا ہے۔ پھر ہوتا کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک ہی ٹاپک پر ڈرامے ہو رہے ہیں اور پھر شہرت بھی اسی کی برقرار رہتی ہے جو پہلی بار کسی نئے موضوع کو لے کر آتا ہے۔"

☆ "کسی بھی ڈرامہ سیریل کے لیے بڑے نام اہمیت رکھتے ہیں یا اسٹوری؟"

◄◄ "دونوں...... اسٹوری اچھی ہو اور کاسٹ بھی تو پھر سیریل بہترین بنتا ہے۔ اس لیے ڈائریکٹر دونوں باتوں کا خیال رکھتا ہے۔"

☆ "کیا بڑے نام سے ڈرامہ بکتا ہے؟"

◄◄ "کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن ڈرامے میں اچھی کاسٹ کا ہونا اور اچھی اسٹوری کا ہونا بہت ضروری ہے۔"

☆ "اچھا ڈرامہ کیا ہوتا ہے؟"

◄◄ "اچھا ڈرامہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے مزاج میں مثبت تبدیلی لائے اور ان کے دماغ میں اچھی سوچ و فکر کا اضافہ ہو اور کہانی ناظرین کو متاثر کرے۔"

☆ "ماشاء اللہ سے آپ ہر طرح کے کردار بہت خوب صورتی سے کرتے ہیں۔ مزاحیہ رول کرنا کیسا لگتا ہے؟"

◄◄ "اچھی اور سلجھی ہوئی کامیڈی کرنا مجھے پسند ہے۔ ہم نے کچھ عرصہ قبل ملک سے باہر "سوری بھائی" کے نام سے ایک تھیٹر کیا تھا۔ وہ اتنا زیادہ پسند کیا گیا کہ عنقریب ہم اس ٹیم کے ساتھ ایک مرتبہ پھر ملک سے باہر جائیں گے۔"

☆ "آپ نے ہوسٹنگ بھی کی ہے۔ پروگرام "مذاق رات" بہت پاپولر ہوا تھا۔ اس طرح رمضان المبارک میں ایک چینل سے آپ نے میزبانی کے فرائض انجام دیے تھے۔ آپ نے مذاق رات بھی چھوڑ دیا اور رمضان المبارک نشریات میں بھی نظر نہیں آئے...... کیوں؟"

◄◄ "مذاق رات" میں نے دو سال کیا اور بڑا اچھا اس کا فیڈ بیک تھا۔ مگر اپنی مصروفیات کی وجہ سے میں نے پروگرام چھوڑ دیا اور رمضان المبارک کا

پروگرام ایک "رمضان" ہی کیا دوسری بار آفر ہوئی تو منع کر دیا کیونکہ کہا گیا کہ تحفے تحائف بانٹیے، دوڑیئے، بھاگیے، مذاق کیجیے...... یعنی کھل ڈل کے پروگرام کریں تو میں نے انکار کر دیا کیونکہ یہ میرا مزاج نہیں اور پھر رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا یہ تقاضا بھی نہیں کہ ہم اس کا احترام نہ کریں اور کھیل تماشا کریں۔ بے شک کوئز شو ہوں، کوئز مقابلے ہوں، نعت خوانی کے مقابلے ہوں۔ سنجیدہ گفتگو ہو۔ تو ایسے پروگرام کرنے کو دل بھی چاہتا ہے۔"

☆ "ہم ڈراموں کے موضوع کی بات کر رہے تھے تو آج کل مختلف بیماریوں کے موضوعات پر بھی ڈرامے بن رہے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

◄◄ "ہاں...... میں سمجھتا ہوں کہ مختلف بیماریوں اور نفسیاتی بیماریوں پر ڈرامے بنانا اور ان سے بچاؤ کا سینس دینا ایک اچھی کاوش ہے۔ ایسے ڈرامے ضرور ہونے چاہئیں، مگر خیال رہے کہ ایسے ڈرامے بہت احتیاط اور خیال کے ساتھ پیش کرنے چاہئیں کیونکہ ڈرامہ ایک ہی نشست میں پوری فیملی دیکھتی ہے تو ولگر ڈرامے نہیں ہونے چاہئیں۔ فلم اور ڈرامے میں فرق ہونا چاہیے۔"

☆ "اپنے مشہور ڈراموں کے بارے میں کچھ بتائیے؟"

◄◄ "بی بی...... میں تو 1988ء سے اس فیلڈ میں ہوں۔ تو آپ میرے کتنے ڈراموں کے نام لکھیں گی۔ ایک لمبی فہرست ہے اور اب تو مجھے خود بھی یاد نہیں کہ میں نے کتنے ڈراموں میں کام کیا۔"

گزشتہ دو چار سالوں میں نعمان اعجاز صاحب کے جو ڈرامے بہت زیادہ پاپولر ہوئے ان میں "احساس، امام ضامن، دم پخت، میرا سائیں، جو چلے تو جہاں سے گزر چلے" اور "رہائی" خاص طور پر قابل ذکر ہے اور انہیں اپنے کردار سے پیار ہے۔

☆ ''سوشل ہیں آپ؟ تقریبات میں جانا پسند کرتے ہیں؟''

◄◄ ''بہت زیادہ نہیں۔ تقریبات میں جاتا ہوں مگر سلیکٹو قسم کی۔''

☆ ''ایوارڈز کی تقریبات میں بہت کم نظر آتے ہیں؟ وجہ.....؟''

◄◄ ''میں ہمیشہ ان ایوارڈز کی تقریبات میں نہیں جاتا، جہاں اسپانسر اور دیگر لوگوں کی پسند ناپسند پر ایوارڈ دیے جاتے ہیں۔ ایوارڈ کوئی معمولی چیز نہیں ہوتے کہ جس کو دل چاہا اٹھا کے دے دیے۔ ایوارڈز کی تقسیم ایک سنجیدہ مسئلہ ہے، مگر ہمارے ہاں اس کو سنجیدہ نہیں لیا جاتا اور پسند ناپسند پر دے دیا جاتا ہے۔''

☆ ''ویسے میرا خیال تو یہ ہے کہ سینئرز کی کیٹیگری الگ ہونی چاہیے اور نیو اور جونیئرز کی الگ۔

ہوں..... میں ایوارڈز کی تقریب میں اکثر دیکھتا ہوں کہ سینئرز کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے جیسے ان کی کوئی ویلیو ہی نہ ہو اور اب ایوارڈز کی تقریب میں ہلا گلا زیادہ ہوتا ہے۔ رقص و موسیقی بھی بہت زیادہ ہونے لگی ہے اور کامیڈی بھی ایسی کہ بس.....''

نعمان اعجاز 14 فروری 1965ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ڈگری یافتہ ایل ایل بی ہیں، مگر اداکاری میں آنے کی وجہ سے پریکٹس نہ کر سکے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے انہوں نے یہ ڈگری حاصل کی۔ نعمان اعجاز کے تین بچے ہیں، زاویار، شامیر اور ریان۔

☆☆

ہر کردار انہیں پسند ہے مگر ''رہائی'' ڈرامہ سیریل کے کردار کے لیے یہ مہرین جبار کے مشکور ہیں کہ انہوں نے رہائی کے کردار کے لیے ان کا انتخاب کیا۔

☆ ''ایک اچھے فنکار کو کیا ہر وقت اسکرین پر رہنا چاہیے، آپ کے خیال میں؟''

◄◄ ''مجھے دوسروں کے بارے میں تو نہیں پتا، مگر میرا خیال ہے کہ زیادہ کم کی بات نہیں ہے بلکہ فنکار کو ہمیشہ اچھے رولز میں آنا چاہیے۔ جو رول آپ کے دل و دماغ کو بھائے وہ کریں۔ یہ کوئی زبردستی کا سودا تو ہے نہیں کہ کرنا ہے تو ضرور کرنا ہے۔ تو کبھی کبھی ایک ساتھ ہی بہت اچھے کردار آفر ہو جاتے ہیں تو وہ کر لیتا ہوں اور جب نہیں اچھا کردار آفر ہوتا تو نہیں کرتا۔ تو کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سال میں ایک سیریل کرتا ہوں اور کبھی کبھی اچھے رولز کی وجہ سے تین چار سیریلز بھی کر لیتا ہوں۔''

کچن اور آپ

اس ماہ فوزیہ ثمر بٹ کو ''کچن اور آپ میں'' انعام کا حق دار قرار دیا ہے۔ ادارے کی جانب سے فوزیہ ثمر بٹ کو تین ماہ کے لیے ''ماہنامہ کرن'' مفت دیا جا رہا ہے۔

میری بھی سنیئے

حبہ عزیز

شاہین رشید

(1) ''میرا نام؟''

''حبہ عزیز۔''

(2) ''پکاری جاتی ہوں؟''

''حبہ کے نام سے ہی، کوئی پیار ویار کا نام نہیں ہے..... میں نے اپنے نام کو بگڑنے نہیں دیا۔''

(3) ''دنیا میں آئی؟''

''7 فروری 1991ء..... اور بڑی ہو کر پانچ فٹ۔ چار انچ قد پایا۔''

(4) ''گھر میں کون سی زبان بولی جاتی ہے؟''

''اردو ہماری مادری زبان ہے۔ اس کے علاوہ جس کو جو زبان آتی ہے وہ بول لیتا ہے۔''

(5) ''میرا کنبہ؟''

''امی ایک بڑی بہن، پھر میں اور تین چھوٹے بھائی ہیں..... اللہ کا شکر ہے۔ بہت خوب صورت زندگی گزر رہی ہے۔ والد کا انتقال ہو چکا ہے..... مگر اس کے باوجود میں سب کو یہی کہتی ہوں کہ ہم سات افراد ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے درمیان ہر وقت موجود رہتے ہیں۔''

(6) ''ڈگری؟''

''اے سی سی اے (ACCA)۔''

(7) ''شہرت ملی؟''

''تمہاری مریم، ادھورا ملن۔''

(8) ''پریشان ہو جاتی ہوں؟''

''کسی کو تکلیف میں دیکھ کر کیونکر ہم کسی کی تکلیف کو دور نہیں کر سکتے، تکلیف سے مراد بیماری ہے۔''

(9) ''آپ کی چھپی صلاحیت؟''

''بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں بہت اچھی ''مصورہ'' بھی ہوں۔''

(10) ''مجھے نفرت ہے؟''

''بیگیٹوٹی سے۔ انہی باتوں پہ غصہ آتا ہے مگر پھر کنٹرول کر لیتی ہوں۔''

(11) ''غصے میں میری ایکشن؟''

''میں زیادہ تر خاموش رہتی ہوں۔ کیونکہ خاموشی میں ہی نجات ہے۔''

(12) ''میرا خواب تھا کہ.....؟''

''کہ میں پروفیشنل پائلٹ بنوں یا پھر بہترین مصورہ بنوں۔ مگر ایسا کچھ نہ ہو سکا اور اداکارہ بن

گئی۔

(13) ''پچھتاوا ہے......؟''

''ہرگز نہیں...... میری قسمت میں یہی فیلڈ تھی اس لیے ادھر آ گئی...... انسان سوچتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے۔''

(14) ''نیند کی دھنی ہوں؟''

''ہوں تو صحیح مگر اپنے کام ذمہ داری کے ساتھ بھی کرتی ہوں...... جب شوٹ ہو یا ضروری کام تو جلدی اٹھ جاتی ہوں۔''

(15) ''سگھڑ ہوں؟''

''ہرگز نہیں...... مگر سر پر پڑے تو کام کر بھی لیتی ہوں۔''

(16) ''کھانا پسند ہے یا پکانا؟''

''کھانا بھلا کسے پسند نہیں ہوگا۔ مجھے بھی ہے۔ البتہ کھانا پکانے کی ماہر نہیں ہوں۔ شملہ مرچ قیمہ اچھا پکا لیتی ہوں اور اچار گوشت بھی بہت اچھا پکا لیتی ہوں۔''

(17) ''کھانا کھانے کے بعد دل چاہتا ہے کہ......؟''

''چہل قدمی کروں یا پھر قیلولہ۔''

(18) ''رونا کب آتا ہے؟''

''جب بہت زیادہ خوش ہوتی ہوں یا بہت زیادہ اداس اور جب ابو یاد آتے ہیں تو بہت روتی ہوں۔''

(19) ''میری بری عادت؟''

ہنستے ہوئے۔ ''خواہ مخواہ دوسروں کے کان پکڑ لیتی ہوں۔''

(20) ''کیا دوسروں کو منانا آسان ہے؟''

''ارے نہیں...... بہت مشکل ہے...... خاص طور پر گھر والوں کو منانا اور ان کی ناراضی کو دور کرنا بہت مشکل ہے۔''

(21) ''اپنی کمائی سے خریدنا چاہتی ہوں؟''

''ایک اچھا سا اپارٹمنٹ...... پھر اس کو خوب سجانا چاہتی ہوں۔''

(22) ''ایک ملک جو گھومنا چاہتی ہوں؟''

''پیرا گوئے۔''

(23) ''پیسہ کمانا آسان ہے؟''

''ارے نہیں جی...... بہت مشکل ہے۔ قسمت اچھی ہو تو بیٹھے بٹھائے بھی پیسہ مل جاتا ہے...... لیکن مجھے تو محنت سے ہی پیسہ کمانا اچھا لگتا ہے۔''

(24) ''مجھے خیال رہتا ہے کہ......؟''

''میرا چہرہ خراب نہ ہو۔ اس پہ دانے نہ نکلیں اور اسکن فریش رہے۔''

(25) ''کون سے الفاظ خوشی کا باعث بنتے ہیں؟''

''کہ تم بہت اچھی بچی ہو۔ ہمیشہ ایسی ہی رہنا۔''

(26) ''شادی کے لیے کوئی آئیڈیل؟''

''ابھی شادی ہی نہیں کرنی...... ابھی بہت نام کمانا ہے۔ اپنے پیسے سے اپنی ماں کے لیے کچھ کرنا ہے۔ ابھی کوئی ارادہ نہیں۔''

(27) ''شوبز میں کون ہاتھ پکڑ کر لایا؟''

''کوئی نہیں...... ہمارے بہت سے جاننے والے کیمرے کے پیچھے رہ کر کام کرتے ہیں، میں کیمرے کے سامنے آنا چاہتی تھی اور آ گئی سب کچھ اتفاقاً ہوا۔''

(28) ''فضول خرچ ہوں؟''

''زیادہ نہیں...... تھوڑی تھوڑی اور زیادہ خرچ مجھے اپنے ڈریسز پہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ ہمیں شوٹ کے وقت ڈریسز کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔''

(29) ''گھر کی تزئین و آرائش کا شوق ہے؟''

''بہت شوق ہے اور اکثر اپنی کمائی سے گھر کی سجاوٹ کی چیزیں لاتی رہتی ہوں۔''

(30) ''غصہ تیز ہے؟''

''گھر میں...... کسی کا نہیں...... صرف میرا ہی غصہ تیز ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اپنے ہی غصے سے خوف آتا ہے۔''

(31) ''سائنس کا کارنامہ؟''

''کمیونیکیشن سسٹم۔''

(32) ''بھوک کم ہو جاتی ہے؟''

''جب میں چائے پی لوں۔ جب بہت بھوک لگی ہو تو چائے پی کر بھوک کو کم کرتی ہوں۔''

(33) ''تہوار جوش و شوق سے مناتی ہوں؟''

''میں سارے ہی تہوار شوق سے مناتی ہوں۔ کیونکہ ہر تہوار کا اپنا رنگ اپنی کشش ہوتی ہے۔''

(34) ''محبت کیا ہے؟''

''ابھی کسی سے ہوئی نہیں...... جب ہو گی تب بتاؤں گی کہ یہ کیا ہے۔''

(35) ''محبت کی پرکھ کیا ہے؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ محبت خود بولتی ہے اس کے لیے کسی قسم کے اظہار کی ضرورت نہیں۔''

(36) ''شادی میں اس لیے جاتی ہوں کہ......؟''

''کہ مجھے ڈھولکی اور دودھ پلائی کی رسمیں دیکھنا ہوتی ہیں۔ مطلب ڈھولکی انجوائے کرتی ہوں۔''

(37) ''بیگ میں کیا کیا رکھتی ہوں؟''

''کیا کیا چیزیں...... کیا نہیں رکھتی۔ ہر چیز جس کی آپ کو ضرورت ہو میرے بیگ سے مل جائے گی۔''

(38) ''اپنے بیڈ کو کب ٹائم دیتی ہوں؟''

''ذرا دیر سے ہی لفٹ کراتی ہوں۔ مجھے نہیں اچھا لگتا کہ گھر آتے ہی دھڑام سے بیڈ پہ جاؤں۔ نہا دھو کر کھانا کھا کر بیڈ پہ جاتی ہوں۔ فریش ہو کر ہی سکون ملتا ہے۔''

(39) ''اپنے میں کیا چینج لانا چاہتی ہوں؟''

''غصہ کم کردے اے اللہ میاں...... اور تھوڑی بولڈ ہونا چاہتی ہوں۔''

(40) ''شوبز میں کس طرح منوایا جا سکتا ہے آپ اپنے کو؟''

سرورق کی شخصیت

ماڈل ...... نازیہ علی

میک اپ ...... روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی ...... موسیٰ رضا

نہیں رہتا۔ زندگی میں عروج و زوال آتے رہتے ہیں۔ بس اللہ سب کو برے وقت سے بچائے۔"

(45) "منہ پہ بات کرتی ہوں یا؟"

"منہ پہ بات کرتی ہوں۔ رکھتی نہیں دل میں۔ کہہ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ نہ کہنے سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔"

(46) "سیکھنے کے لیے خود تجربے سے گزرنا ضروری ہے یا.....؟"

"خود تجربے سے بھی گزرنا چاہیے اور دوسروں کے تجربے سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

(47) "ایک کام جو میں کرنا چاہتی ہوں؟"

"اس ملک کے غریب بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ خاص طور پر ان کے لیے تعلیم کی سہولتیں فراہم کرنا چاہتی ہوں۔"

(48) "مجھے ہنسی آتی ہے؟"

"جب لوگ ملتے ہیں تو بے ساختہ کہتے ہیں کہ یار ڈرامے کا اینڈ بتا دو..... مگر میں لوگوں کی یہ فرمائش پوری نہیں کرتی۔"

(49) "لوگوں کی کیا بات بری لگتی ہے؟"

"طنزیہ جملے..... برداشت ہی نہیں کر سکتی۔"

(50) "میری فیوچر پلاننگ؟"

"کچھ نہیں..... بس وقت کے دھارے پہ اپنے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ جہاں دل چاہے بہا کر لے جائے۔"

☆☆

"محنت کر کے، اپنے کام پہ فوکس رہ کر..... بے فضول کی باتیں نہ کر کے اور گوسپ نہ کر کے اپنے آپ کو منوایا جا سکتا ہے۔"

(41) "سیل فون کی اہمیت میری نظر میں؟"

"جب نہیں تھا تو سکون تھا زندگی میں۔ اب نہیں ہوگا تو پھر سکون ہو جائے گا۔"

(42) "کس ملک میں ہمیشہ رہنا چاہتی ہوں؟"

"صرف اور صرف اپنے ملک پاکستان میں..... اس سے اچھا ملک کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ آئی لو پاکستان۔"

(43) "ملک کو کس طرح سدھارا جا سکتا ہے؟"

"اس کی مٹی کے ساتھ مخلص ہو جائیں۔ ملک سدھر جائے گا۔ اس ملک میں سب کچھ ہے سوائے مخلص اور وفادار لوگوں کے۔"

(44) "زوال سے ڈرتی ہوں؟"

"ہاں..... بہت..... کیونکہ وقت ایک جیسا

آواز کی دنیا سے

اشعر آغا

شاہین رشید

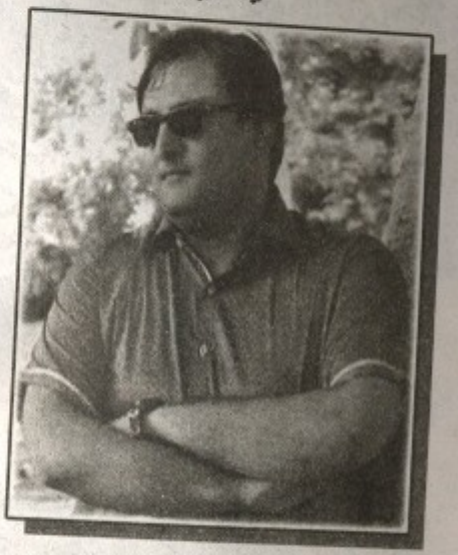

اشعر آغا آواز کی دنیا کا ایک معتبر نام۔ آواز بھی خوب صورت اور کام بھی خوب صورت..... اور ریڈیو پر جو بھی کام کرتا ہے خاص طور پر آواز کی دنیا کے لوگ، وہ اس لیے کام نہیں کرتے کہ انہیں اس کمائی سے اپنے گھر کا چولہا جلانا ہوتا ہے۔ بس یہ تو ان کا جنون ہوتا ہے، شوق ہوتا ہے اور کچھ کرنے کا جذبہ ہوتا ہے..... تو آج آپ آواز کی دنیا سے ملاقات کریں اشعر آغا سے..... ان کا تعلق سیلز اینڈ مارکیٹنگ سے بھی رہا ہے اور فارماسیوٹیکل میں کام کرنے کا بھی ... تجربہ ہے اور آج کل یہ ایف ایم سی جی سے وابستہ ہیں۔ یہ تو ان کا پروفیشن ہے اور اس کے علاوہ یہ ایک اچھے شاعر ہیں اور کمپوزر بھی اور ریڈیو سے وابستہ ہو کر یہ بچوں کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں۔

☆ ''کیا حال ہیں اشعر آغا.....؟''

♥ ''جی اللہ کا شکر ہے۔''

☆ ''آپ بچوں ں کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں، تو کچھ بتائیں گے اس بارے میں؟''

♥ ''فنونِ لطیفہ سے میرا تعلق بہت پرانا ہے۔ اسٹیج کے حوالے سے گلوکاری کے حوالے سے میں گاہے بہ گاہے کام کرتا رہا ہوں اور ریڈیو پاکستان میں بھی میں نے ''بچوں کی دنیا'' اور بزمِ طلبہ سے شروعات کی تھیں..... اور اس کام میں کچھ گیپ آیا مگر اب دوبارہ سے میں بچوں کے حوالے سے کام کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ کافی عرصہ ہوگیا بچوں کے لیے کوئی کام نہیں ہوا۔ سہیل رانا صاحب جب سے ملک سے باہر گئے ہیں۔ جاوید میر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ امجد بوبی صاحب، خلیل احمد صاحب اور عدنان سمیع، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے دور میں بچوں کے لیے بہت کام کیا لیکن آج کے دور میں کوئی بھی بچوں کے لیے کوئی کام نہیں کر رہا۔ اس احساس کے ساتھ پھر میں نے دوبارہ ریڈیو جوائن کیا اور اب میں بچوں کے حوالے سے شاعری بھی کر رہا ہوں اور نغمے بنا کر کمپوز کر کے بچوں سے سنگنگ بھی کرواتا ہوں اور یہ نغمے نہ صرف ریڈیو پاکستان میں بلکہ دیگر چینلز کے سامعین نے بھی پسند کیے ہیں اور میری خواہش ہے کہ میں سہیل رانا اور جاوید میر جس طرح چھوٹی چھوٹی لائن گوا کے پیغام دیا کرتے تھے جو۔ ان کی تربیت میں معاون ثابت ہوتے تھے تو میں ان ہی چیزوں کو دوبارہ شروع کرنا چاہتا ہوں..... تو جاب کے ساتھ ساتھ اس مشن کی لگن نے میری مصروفیات میں کافی اضافہ کر دیا ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ میرے والد صاحب کو بھی بہت شوق تھا فنونِ لطیفہ کا، اللہ انہیں لمبی زندگی عطا کرے۔ اگرچہ ان کا اپنا بزنس تھا

مگر اس کے باوجود انہیں بھی فنونِ لطیفہ سے بہت لگاؤ تھا اور خاص طور پر میوزک سے۔ اور میں اپنے آپ کو اس لحاظ سے خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنے لیجنڈز جن میں مجیب عالم، احمد رشدی صاحب، اخلاق احمد صاحب' جاوید میر صاحب، قاضی واجد صاحب، مظفر نرالا صاحب، منور سعید صاحب' معین اختر صاحب اور جتنے بھی اس دور کے لیجنڈ اسٹارز ہیں ان سب کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا بہت رہا اور ان ہی کی صحبت کا اثر ہے کہ مجھ میں فنونِ لطیفہ کے جراثیم یا ذرات موجود ہیں۔''

☆ ''آپ کے بچوں کو بھی شوق ہے؟ اور ماشاء اللہ سے کتنے سال ہوگئے آپ کی شادی کو؟''

♥ ''جی..... میری شادی کو تقریباً سولہ سال ہوگئے ہیں اور میرے دو بچے ہیں۔ بیٹی بڑی جو کلاس 7th میں ہے اور ''مریم'' نام ہے اور ایک بیٹا ہے جس کا نام محمد احمد ہے اور وہ 4th میں ہے اور میرے دونوں ہی بچے میرے ساتھ ریڈیو پاکستان جاتے ہیں اور پروگرام کرتے ہیں۔''

☆ ''ریڈیو تک رسائی کیسے ہوئی؟''

♥ ''یہ بڑا مزے دار واقعہ ہے..... مجھے ریڈیو میں آنے کا بہت شوق تھا مگر کوئی موقعہ نہیں مل رہا تھا کہ کیسے جاؤں..... تو ہوا یہ کہ ہم لوگ پکنک پر ایک ساتھ تھے جن میں قاضی واجد صاحب کی فیملی بھی تھی اور جاوید میر کی بھی اور دیگر لوگ بھی تھے تو میں نے قاضی واجد صاحب سے کہا کہ مجھے ریڈیو پر پروگرام کرنے کا شوق ہے تو انہوں نے کہا کہ تم ریڈیو پاکستان آجاؤ اور بچوں کے پروگرام سے ابتدا کرو۔ خیر میں گیا اور وہاں مجھے جاوید میر کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت میں ''کی بورڈ'' بجایا کرتا تھا تو جاوید میر صاحب کے ساتھ مل کر ''کی بورڈ'' بجایا اور دیگر دھنوں کے بارے میں پوچھا اور سیکھا بھی اور یہ بات ہے 1996ء سے 1999ء کے درمیان کی..... کہ میں نے ان کے ساتھ کام کیا تو مجھے اس فیلڈ میں قاضی واجد اور جاوید میر صاحب لے کر آئے ہیں۔''

☆ ''آواز کی دنیا'' میں کیا خاصیت ہے یا کیا اہمیت ہے؟''

♥ ''ریڈیو یا آواز کی دنیا کی سب سے بڑی خوبی یا اہمیت ہے وہ یہ کہ بنیادی طور پر ریڈیو اور تھیٹر ''آرٹ'' کی ماں ہے۔ جس سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں..... پھر سب سے بڑی بات یہ کہ جو لوازمات دوسرے میڈیم میں ہوتے ہیں وہ اس میں نہیں، مثلاً یہاں پر ملبوسات کا دکھاوا نہیں ہے۔ یہاں پر چہرہ نظر نہیں آتا، کوئی نمود و نمائش نہیں ہے۔ صرف آواز کے ذریعے بہت اچھی باتیں سامعین تک پہنچانا کمال ہے اور جس کو بولنے پر دسترس حاصل ہوجائے۔ وہ میرے خیال میں کسی بھی فیلڈ میں بآسانی ایڈجسٹ ہوسکتا ہے اور اسے ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا..... اور ریڈیو پاکستان نے جو نام دیے ہیں ان کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے اور ان لوگوں نے، جن میں ظہور احمد صاحب' عشرت ہاشمی، عرش منیر، جمشید انصاری اور دیگر بہت سے لیجنڈز ہیں، ریڈیو سے ہی اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔''

☆ ''کیا ٹی وی پر آنے کا شوق نہیں؟ اور کیا آپ ٹی وی پر بچوں کے لیے کوئی پروگرام کرنے کے خواہش مند نہیں؟''

♥ ''شوق بالکل ہے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اپنی پروفیشنل لائف سے وقت نکالنا آسان کام نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ میں نے ٹی وی پر بالکل کام نہیں ہے بلکہ میں نے کئی چینلز کے ساتھ مل کر کام کیا ہے اور دوبارہ اسٹارٹ کیا ہے اور میری بڑی خواہش ہے کہ میں بچوں کے پروگراموں کو پروموٹ کروں، تو کوئی ایسا چینل جو بچوں کے گیت، بچوں کے ڈرامے، بچوں سے متعلق کوئی پروگرام کرنا چاہیں تو مجھ سے ضرور رابطہ کریں۔''

☆ ''یہ تو ہوئی رابطے کی بات، از خود کچھ کوشش کی آپ نے؟''

♥ ''بالکل کی ہے اور میں نے سوشل میڈیا پر ایک گروپ ''دی ہاؤس آف آرٹ اینڈ کلچرل'' کے نام سے بنایا ہے اور اسے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا مگر ہمیں اس کا بہت اچھا رسپانس مل رہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آج کل کے دور کے چھوٹے بچے جن میں بہت ٹیلنٹ ہے ان کی حوصلہ افزائی کریں اور انہیں میڈیا ہاؤسز تک پہنچائیں..... اور سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کچھ میڈیا ہاؤسز نے بھی مجھ سے رابطہ کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ اچھا کام کر رہے ہیں اور اسے جاری رکھیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اب وہ ہمارے والا دور نہیں رہا کہ جب اپنا آپ منوانے کے لیے زیادہ جدوجہد کرنا پڑتی تھی۔ اب ہم نے بچوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے، وہ آئیں اور اپنا ٹیلنٹ ہمیں دکھائیں، ہم انہیں آگے تک لے جائیں گے۔''

☆ ''آج کل ریڈیو پاکستان سے کون سا پروگرام کر رہے ہیں آپ؟''

♥ ''اپنی پروفیشنل لائف کی مصروفیات کی وجہ سے میں فی الحال ایک ہی پروگرام کر پا رہا ہوں جو کہ اتوار کے دن ایف ایم 93 ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتا ہے ''بچوں کی دنیا'' کے نام سے اور اس پروگرام میں، میں بچوں کے لیے گیت بھی لکھ رہا ہوں اور کمپوز بھی کر رہا ہوں۔''

☆ ''وہی ''بچوں کی دنیا'' جو ہمارے بھی بچپن سے چلے آ رہا ہے؟''

♥ ''جی..... یہ وہی پروگرام ہے جس نے ہمیں قاضی واجد دیے، جس سے ہمیں بہت اچھے صدا کار گلوکار ملے جو ''منی باجی'' کی پہچان بنا اور میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے اپنی نوعمری میں بھی یہ پروگرام کیا، قاضی واجد اور جاوید میر صاحب کے ساتھ اور میں ایک بار پھر اس پروگرام سے منسلک ہوں اور اپنا تجربہ اور جو کچھ سیکھا وہ بچوں میں منتقل کر رہا ہوں اور آپ کو بتاؤں کہ بچوں کی دنیا لائیو پروگرام ہوتا ہے اور میرا کام اس میں شاعر اور کمپوزر کا ہے، بظاہر مائیک سے تعلق نہیں ہے، لیکن بچوں کے معاملے میں بہت الرٹ رہنا پڑتا ہے کہ سُر خراب نہ ہو، تلفظ خراب نہ ہو۔''

☆ ''کمرشلز کے پیچھے آپ کی آواز ہوتی ہے؟''

♥ ''چند کمرشلز میں نے ضرور کیے تھے، البتہ جو اسٹریٹ تھیٹر ہوتا ہے اس میں کئی بار میوزک بھی ڈالا جاتا ہے، اس میں میری آواز کئی بار جا چکی ہے۔ ہاں ڈبنگ بہت زیادہ نہیں کی ہے۔''

☆ ''ڈائریکشن کی طرف بھی تو آپ کا رجحان تھا، تو کچھ کام کیا آپ نے؟''

♥ ''ایک زمانے میں ڈائریکشن کی طرف میرا رجحان ہوا تھا اور اگر آپ کو یاد ہو تو جیو نے ڈراموں کا مقابلہ اناؤنس کیا تھا اور بہترین ڈراموں کو ایوارڈز بھی دیے گئے تھے تو ایک ڈرامہ تھا ''شاہانہ'' اس میں، میں نے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کا کام کیا تھا۔ اس طرح ''ناپا'' کے تحت جو ڈاکومنٹریز بنی تھیں اس میں، میں نے بختیار احمد کو بہ حیثیت اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے اسسٹ کیا تھا۔ اس طرح بختیار احمد صاحب کی ایک فلم جو کسی وجہ سے ریلیز نہیں ہو سکی تھی اس میں، میں نے ایک چھوٹا سا کردار ادا کیا تھا فلم کا نام ''لکی'' تھا۔''

☆ ''آپ کیمرے اور مائیک کے پیچھے رہ کر زیادہ کام کرتے ہیں۔ دل نہیں چاہتا کہ میں بھی جانا پہچانا جاؤں؟''

♥ ''میڈیا میں جو بھی آتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا مستند نام ہو اور میری بھی خواہش ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں جن لوگوں کو فالو کر رہا ہوں وہ سہیل رانا اور جاوید میر صاحب ہیں۔ جنہوں نے خود تو گلوکاری نہیں کی مگر بہت سے گلوکاروں کو متعارف کرایا۔ جیسے افشاں احمد، فاطمہ جعفری، مونا سسٹرز، سلیمان علوی صاحب اور دیگر کئی..... اور اسی وجہ سے آج ان کا جو مقام ہے وہ کسی اور کا نہیں۔''

☆ ''باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی، میں چاہوں گی کہ آپ پہلے اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں؟''

♥ ''جی..... میرے اباؤ اجداد کا تعلق دہلی سے تھا اور 1947ء قیام پاکستان کے وقت وہ ہجرت کر کے آئے تھے اور یہاں کراچی میں ہی سکونت اختیار کی۔ اس لحاظ سے میری مادری زبان اردو ہے۔ والدین ماشاء اللہ حیات ہیں اور ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم دو ہی بھائی ہیں، میں بڑا ہوں اور مجھ سے چھوٹا ایک بھائی ہے۔ میں نے چار ستمبر 1976ء میں کراچی میں جنم لیا۔ ساری تعلیم و تربیت کراچی میں ہی ہوئی اور میں نے ایم بی اے کیا ہے مارکیٹنگ میں اور جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ شادی شدہ ہوں اور دو بچے ہیں میرے۔''

☆ ''مزاجاً کیسے ہیں؟''

♥ ''مزاج کے بارے میں کیا بتاؤں کہ میری کیفیات ایک دم سے چینج ہو جاتی ہیں مگر پھر نارمل بھی ہو جاتا ہوں۔ غصہ بہت تیز آتا ہے اور پانچ منٹ کے بعد ختم بھی ہو جاتا ہے۔''

☆ ''گھر میں بیٹی نہ ہو تو گھر کے، کام بیٹوں کو بھی کرنے پڑ جاتے ہیں، آپ نے بھی کیے؟''

♥ ''نہیں جی..... کیونکہ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے نہایت سگھڑ، سلیقہ شعار بیوی عطا کی ہے اور وہی گھر کو سنبھالتی ہے..... تو میں جتنا اچھا گا لیتا ہوں، میرا نہیں خیال کہ میں اتنا ہی اچھا پکا بھی لوں گا اور یہی خوف مجھے کچن میں جانے سے روکتا ہے اور تجربات سے پرہیز کرتا ہوں۔''

☆ ''سیاست سے لگاؤ ہے؟''

♥ ''بالکل ہے اور مجھے عمران خان پسند ہیں اور اس لیے پسند ہیں کہ انہوں نے جو کام کرنا چاہا اس میں اللہ نے ان کو کامیابی دی کہ وہ محنت اور خلوص کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ چاہے وہ ورلڈ کپ ہو، شوکت خانم اسپتال یا نمل یونیورسٹی..... اب وہ ملک کے وزیراعظم ہیں تو یقیناً ملک کے لیے بھی بہت اچھے ثابت ہوں گے۔ یہ آخری امید ہیں کہ اب کوئی بھی نہیں کہ جس پر بھروسا کیا جا سکے۔''

☆ ''کھیلوں سے لگاؤ ہے؟ فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟''

♥ ''فارغ اوقات میں ہی میں اپنے شوق پورے کرتا ہوں، جیسے موسیقی کا شوق یا شاعری کا شوق ہے۔ بچوں کے لیے جو کام کر رہا ہوں وہ فارغ اوقات میں ہی کر رہا ہوں اور نوجوانی میں کرکٹ بھی کھیلی ہے اور سائیکلنگ کا شوق تھا تو سائیکلنگ بھی کی ہے مگر کسی مقابلے میں حصہ نہیں لیا ہے۔''

☆ ''کھانے پینے سے کتنا لگاؤ ہے؟ گھومنے پھرنے، سیاحت وغیرہ سے؟''

♥ ''کافی لگاؤ ہے اور اپنے پاکستانی کھانے بہت پسند ہیں۔ گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے اور ملک کے اندر اور باہر بہت سے مقامات اور ممالک میں گیا اور اپنے پروفیشن کی وجہ سے میرے یہ شوق پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔''

☆ ''زندگی کو کس انداز میں لیتے ہیں؟ زندگی سے کوئی شکوے، شکایت؟ یا بہت اچھی لائف گزر رہی ہے؟''

♥ ''جو چیز فانی ہے اس کے بارے میں کیا نگیٹو سوچ رکھنی۔ زندگی نے ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ زندگی ایک امتحان ہے اور امتحان میں وہی کامیاب ہوتے ہیں جو صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ میں نے قرآن کو تین چار بار ترجمے سے پڑھا ہے اور زندگی کے فلسفے کو اچھی طرح جان گیا ہوں اور میں زندگی کو ایک امتحان سمجھ کر ہی گزار رہا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ اپنے اطراف کے لوگوں کو خوش رکھوں، خود بھی خوش رہوں اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کروں۔ زندگی میں اونچ نیچ آتی رہتی ہے اور ایسے موقع پر ''نماز'' سے بہت سکون ملتا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی ہم نے اشعر آغا سے اجازت چاہی۔

مقابل ہے آئینہ

الفت زہرہ مہراج

آداب

(1) ”آپ کا پورا اور اصلی نام گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟“

”الفت زہرہ ہی پورا اور اصلی نام ہے۔ ابو اور چاچو پیار سے مس الفت کہتے ہیں۔ چھوٹے بہن بھائی آپی جان۔“

(2) ”کبھی آئینے سے یا آئینہ نے آپ سے کچھ کہا؟“

”آئینہ دیکھ کر اللہ پاک کا شکر ادا کرتی ہوں۔ کہ اللہ پاک نے ایک مکمل انسان بنایا۔ کوئی کمی نہیں دی۔“

(3) ”حسین صورتیں دیکھ کر دل میں کیا خیال آتا ہے؟“

”واہ! اللہ پاک نے خاص وقت میں بنائی یہ حسین صورت۔ یہی دل میں خیال آتا ہے۔“

(4) ”اگر آپ کے پرس کی تلاشی لی جائے تو......؟“

”کوئی اسلحہ بارود تو نکلنے سے رہا۔ بس میک اپ پیسے چاکلیٹ ٹافیاں نکلیں گی۔ بس اور کچھ نہیں۔“

(5) ”بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟“

”آہو، بہت ڈرتی ہوں۔ بھوتوں کا سوچ کر ہی روح بے سکون ہو جاتی ہے۔“

(6) ”مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟“

”مہمان تو خدا کی رحمت ہیں۔ سو ہر طرح کے ہی اچھے لگتے ہیں۔ مہمانوں میں لڑکیاں ہوں تو پھر تو کیا ہی بات ہے۔“

(7) ”کھانے میں کیا پسند ہے؟“

”رزق حلال، نخرے باز نہیں ہوں۔ جو مل جائے کھا لیتی ہوں۔“

(8) ”پسندیدہ شاعر؟“

”ویسے تو علامہ اقبال پسندیدہ شاعر ہیں۔ لیکن باقی شعرا کے محبت بھرے اشعار پڑھ کر دل ناچ اٹھتا ہے۔“

(9) ”مزاجاً لڑاکا ہیں؟“

”واہ، سوال تو ہے ناں یہ پھر۔ ویسے تو جناب ہم بہت صلح جو مزاج کی مالک ہیں۔ لیکن کوئی پنگا لے تب اس کی خیر نہیں۔ پارہ آسمان کو چھونے لگتا ہے جب تک سو بات نہ سنا لوں روح بے سکون رہتی ہے۔ شریف لوگوں کا زمانہ نہیں اب۔“

(10) ”کس مزاج کے لوگ پسند ہیں؟“

”اپنے جیسے باتونی اور مزاحیہ لوگ پسند ہیں۔“

(11) ”اگر لوڈ شیڈنگ نہ ہوتی؟“

”تب پھر پاکستانی عوام امن کی بانسری بجاتی راوی چین ہی چین لکھتا۔ مزے ہی مزے ہوتے۔“

(12) ”اللہ کو یاد کرنے کا بہترین وقت؟“

”اللہ پاک کو ہر پل، ہر لمحہ یاد رکھنا چاہیے۔ ہر وقت اللہ پاک کو یاد کرنا ہی بندگی کا تقاضا ہے۔“

(13) ”آپ کفایت شعار ہیں؟ فضول خرچ؟“

”کفایت شعار ہوں۔“

(14) ”ستاروں پر یقین رکھتی ہیں؟“

”ذرا بھی یقین نہیں رکھتی۔“

(15) ”کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟“

”جی بالکل ہوتا ہے۔ میں زندہ مثال ہوں (ہاہاہا)۔“

(16) ”اگر آپ کسی سنسان راستے سے گزر رہی ہوں اور کتا پیچھے لگ جائے؟“

”وہ دوڑ لگے گی کہ کتا بھی یاد رکھے گا کہ کس سے پالا پڑا۔“

(17) ”آپ کن لوگوں کی احسان مند ہیں؟“

”اپنے ننھیال، ددھیال کی احسان مند ہوں جنہوں نے ہر مشکل وقت — میں ہر طرح کا ساتھ دیا۔ اور بطور خاص اپنی بہن اقصیٰ ماہ نور ہراج کی احسان مند ہوں جو ہر وقت میرا خیال رکھتی ہے۔“

(18) ”ڈرامہ دیکھتی ہیں؟“

”ڈرامے بہت کم دیکھتی ہوں۔ بجل علی اینڈ ناہید شبیر کے ڈرامے دیکھ لیتی ہوں۔ کبھی کبھی بس۔“

(19) ”پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور مطمئن کر دیا ہو؟“

”کامیابی کا انتظار ہے۔ ان شاء اللہ، اللہ پاک دے گا۔“

(20) ”حقیقی خوشی کب ہوتی ہے؟“

”جب میری وجہ سے کسی کے لب مسکرا دیں تب خوشی ہوتی ہے اور کسی کی ہیلپ کر کے دلی سکون ملتا ہے۔“

(21) ”اگر دوست ناراض ہو جائے تو کیسے مناتی ہیں؟“

”دوستوں سے تو سوری سے کام چلاتی ہوں۔ لیکن ماموں زاد بہن شکیلہ اقبال اور بہن اقصیٰ کے کافی نخرے اٹھاتی ہوں اور مناتی ہوں خوب انجوائے کرتے ہیں ہم تب۔“

(22) ”آپ کی بہت قیمتی ملکیت؟“

”میرے بہن بھائی۔ میرے اپنے قریبی رشتہ دار۔“

(23) ”اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟“

”ناقابل فراموش لمحات ہیں جب چاچو مظہر عباس ہاسپٹل لاہور میں تھے اور جب ان کی وفات ہوئی تب دنیا اندھیر ہو گئی چاچو ہمارا سایہ، رہبر، رہنما، استاد، ماں، باپ، دوست اور سب کچھ تھے، آہ۔ بہت مشکل ناقابل بیان وقت تھا۔“

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

(24) ”وہ کون سا کام ہے جس کو کرتے ہوئے خیال آتا ہے کہ دنیا کیا کہے گی؟“

”دنیا کو چھوڑو۔ کوئی بھی دنیاوی کام کرتے ہوئے اللہ پاک کا خیال آتا ہے کہ اللہ پاک کو برا نا لگ جائے۔“

(25) ”آپ کی نظر میں محبت؟“

”میری نظر میں محبت خوب صورت زندگی کا احساس۔“

(26) ”اپنی تعریف سن کر خوشی ہوتی ہے؟“

”جی بالکل، بہت زیادہ، مسکرانے لگ جاتی ہوں، دل چاہتا ہے ہوا میں اڑنے لگ جاؤں۔“

(27) ”مستقبل قریب کا منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح شامل ہو؟“

”ابھی کوئی خاص نہیں۔ عمرہ کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ پاک جب بلا لے۔“

(28) ”زندگی سے کیا سبق سیکھا؟“

”زندگی نے ہر موڑ پر سبق دیے ہیں جو بہت تلخ ہیں۔ لیکن مجھے یہ سبق ملا ہے کہ اپنی انا ختم کر کے اور صبر سے ہی زندگی گزر سکتی۔ اللہ کی رضا میں راضی ہو کر اور صبر سے ہی کچھ مل سکتا ہے۔“

(29) ”کوئی ایسی بات جو ہمیشہ ذہن میں رہتی ہو؟“

”اللہ پاک کی خاص رحمت کا انتظار اور ہر وقت اپنے گناہوں پر ندامت ذہن میں رہتی ہے۔ بہت زیادہ گناہ کر کے بھی اللہ پاک سے رحمت کے امیدوار ہیں۔“

(30) ”کوئی آخری بات؟“

”کوئی خاص بات نہیں ذہن میں۔ بس کہیں اک شعر پڑھا تھا۔“

کیا خوب ہی ہوتا اگر دکھ ریت کے ہوتے
مٹھی سے گرا دیتے پاؤں سے اڑا دیتے

☆☆

رخ چوہدری

شبِ غم کی سحر

لندن کے انتہائی سرد موسم میں بڑھیا نائٹ کلب کی عمارت کے نیچے بیٹھی ہر آتے جاتے بندے کے آگے ہیٹ کر کے اپنے بیمار شوہر کی دوا اور کھانے کے لیے پیسے مانگ رہی تھی کہ اچانک ٹمی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ وہاں سے گزرتے ہوئے بڑھیا کی جمع شدہ رقم لے کر بھاگ جاتی ہے۔

''سلیم منزل'' کے اکلوتے چشم و چراغ سلیم الدین جن کی والدہ حمیدہ خاتون ان کی شادی اپنی برادری یعنی نوابی رسم و رواج والی لڑکی سے کرنا چاہتی ہیں اور ان کے شوہر نواب علیم الدین اپنے دیرینہ دوست ملک غیاث کی بہن شگفتہ کو بطور بہو پسند کر آتے ہیں اور اس پسند میں سلیم الدین اور دونوں بہنوں کی پسند شامل ہوتی ہے مگر حمیدہ خاتون مختلف زبان، مختلف ثقافت اور کم تعلیم یافتہ بہو کو دل سے قبول نہیں کرتیں اور دن رات کڑھا کرتیں۔

ظہیر احمد ایک سرکاری افسر ہیں مزاجاً انتہا بد مزاج، اکھڑ، بات بات پر بیوی کی بے عزتی اور اس پر ہاتھ اٹھانا اپنی شان سمجھتے ہیں۔ ظہیر احمد اور رقیہ کے دو بیٹے، دو بیٹیاں ہیں اسما، ثمینہ، شکیل اور جمیل۔ ظہیر احمد کے بڑے بھائی کبیر احمد سخت ضرور تھے مگر بیوی پر ہاتھ اٹھانے کو مرد کی بزدلی اور کمزوری سمجھتے ہیں۔ ان کے دو بیٹے عابد اور ساجد جو اسما اور ثمینہ کے منگیتر ہیں اور تین بیٹیاں جن میں دو شکیل اور جمیل کی منگیتر ہیں اور ایک کسی کزن بھانجے کے ساتھ بیاہی جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے:۔

ساتویں قسط

وہ حواس باختہ ہو کر گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ساجد اور عابد نے ان کو دیکھا جو منہ اور آنکھیں کھولے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھیں۔ اتنا بڑا سچ، اتنی بڑی حقیقت وہ بھی بیمار اور معصوم سی ثمینہ کی زندگی میں۔

"نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا..... کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ، یہ سب جھوٹ ہے۔" اسماء بہن کی تکلیف کا سوچ کر تڑپ اٹھی تھیں۔ وہ ہذیانی انداز میں بڑبڑا رہی تھیں۔ عابد نے آگے بڑھ کر ان کا شانہ ہلایا۔

"اسماء بیگم، ہوش میں آئیے۔ یہ کڑوا سہی مگر سچ ہے۔ جسے ہمیں تسلیم کرنا ہے۔ اس لیے خود کو سنبھالیے ابھی آپ نے....."

"مگر..... مگر یہ سب ثمینہ کہ..... کہ کیسے برداشت کر پائے گی جب اسے معلوم ہوگا کہ.....!" اسما شوہر کی بات کاٹ کر بولیں۔

"ثمینہ کو سب معلوم ہے بھابھی جان!" اب یہ دوسرا بم تھا جو اسماء کے حواسوں پر گرا۔

"کیا؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ عابد کہ..... ثمینہ نے کیسے برداشت کر لیا یہ سب۔" وہ رونے لگیں۔ ساجد نے اسماء کو گھورا۔

"ایسی بھی قیامت نہیں ہے یہ بھابھی جان! کہ آپ اس طرح بین ڈال رہی ہیں۔ اصل قیامت تو منیبہ اور میرے دوسرے بچوں پر ٹوٹی ہے۔ جو ابھی تک اپنی شناخت اور حقوق کے لیے ترس رہے ہیں۔"

"بھائی جان! لگتا ہے میری بات تو بھابھی کی سمجھ میں آئے گی نہیں، اس لیے اب کیا کرنا ہے ان کو سمجھا دیجیے، ویسے بھی مجھے ثمینہ کی کوئی پروا نہیں۔" بات کرتے کرتے ساجد رکے، عابد نے اشارے سے سب سنبھال لینے کا عندیہ دیا تو وہ چپ چاپ باہر نکل گئے۔

☆☆☆

"اتنی بڑی قیامت تم پر ٹوٹ پڑی میری بہن اور تم نے مجھے بھی نہیں بتایا۔ کیوں؟" اسماء، ثمینہ کو ساتھ لگائے رو رہی تھیں۔ ثمینہ کی نظروں میں شادی کے چند دنوں بعد کا سین گھوم گیا۔ تو انہوں نے بھی سینہ بہن کے سامنے چاک کر دیا۔ جہاں لہو آج بھی رس رہا تھا۔

"کیا کرتی آپا! ساجد کے ایک ہاتھ میں طلاق نامہ تھا، دوسرے ہاتھ میں شادی کا اجازت نامہ تھا اور زبان پر دھمکی تھی کہ اگر شادی کے اجازت نامے پر دستخط نہ کیے تو طلاق..... اور طلاق کا مطلب تھا ساجد سے دست برداری..... ساجد کے عوض سوکن کو قبول کرنا میرے لیے زیادہ آسان تھا، ساجد کو کھونے کے مقابلے میں..... سو کر لیا۔"

"یہ سب ہو ہی گیا تھا تو..... تو ثمینہ تم نے مجھے شاملِ حال کیوں نہ کیا؟"

"اس لیے آپا کہ میرے ستم گر کا تقاضا تھا۔ دل درد سے بلبلاتا رہے مگر کسی کے علم میں یہ بات نہ آئے۔ میری ماں جائی ہی کیوں نہ ہو۔

اچھا یہ بتائیے نیا کیا تقاضا ہے آپ کے دیور کا۔"

"وہ چاہتا ہے کہ اس کی دوسری بیوی اور بیٹوں کو اس گھر میں آنے کی اجازت مل جائے۔"

"ہاں! تو آپا اس میں غلط کیا ہے..... یہ تو منیبہ اور اس کے بیٹوں کا حق ہے جو کہ ان کو ملنا چاہیے۔"

اسماء نے غور سے بہن کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھا۔

"اچھا! منیبہ اور اس کے لڑکوں کو حق مل جائے..... ساجد ان کے حقوق کی جنگ لڑ رہا ہے اور تمہارے حقوق کہاں ہیں؟"

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپا۔ مجھے اپنے حقوق کے سلسلے میں ساجد سے کوئی شکایت نہیں۔ ان کی بیوی کی حیثیت سے باعزت زندگی گزار رہی ہوں..... وہ میری تین شہزادیوں کے باپ ہیں، ان سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"ہونہہ پیار!..... پیار وہ صرف خود سے کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے منیبہ اور اس کے بچوں سے بھی پیار نہیں۔" اسما کو زبردست قسم کا شاک لگا تھا وہ اس شاک سے باہر نہیں آ پا رہی تھیں۔

☆☆☆

"تو یہ آفت قیامت میرے باس کی بیٹی ہے۔" فرجاد کی نظریں یہ حقیقت جان کر جھک گئیں۔ راہی نے اس کے ماتھے پر پیار کر لیا۔

"کیسی ہے میری بیٹی اور خیریت ہے نا کوئی پھڈا، کوئی ہنگامہ تو نہیں کر لیا۔ کہیں کوئی پولیس آفیسر تو نہیں آ رہا تمہاری کمپلین لے کر۔" آج راہی کا موڈ بہت اچھا اور فریش تھا۔ جب سے فرجاد نے مینجمنٹ کا شعبہ سنبھالا تھا، وہ بے فکر ہو گیا تھا۔

"مم آن ڈیڈ! ہر وقت ایسا تھوڑی ہوتا ہے۔ ان فیکٹ مجھے آپ کی ہیلپ چاہیے۔" آج ٹمی بھی اپنے روایتی انداز سے ہٹ کر انسانی جون میں تھی۔

"آئی نو آئی نو، میری بیٹی بغیر کسی مقصد کے تو ڈیڈ کو پیار کرتی نہیں، اینی وے میٹ فرجاد....." راہی نے خوش ہو کر ٹمی سے فرجاد کا تعارف کرانا چاہا۔ فرجاد کی نظریں ٹمی کے حسین چہرے پر اٹھیں۔

"ڈیڈ! مجھے آپ کے بزنس، آپ کے نیو اولڈ ورکرز ان فیکٹ سروینٹس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" ٹمی نے نخوت سے کہا۔

فرجاد کو اس خنکی میں بھی پسینہ آ گیا۔ ماں باپ کی آنکھ کا تارا، بہنوں کی جان اور کئی دلوں کی دھڑکن تھا وہ۔ آج ایک خودسر، بدتمیز، بددماغ لڑکی کے ہاتھوں ذلیل ہو گیا تھا۔

راہی کو لگا جیسے ٹمی، فرجاد کی نہیں ان کی تذلیل کر رہی ہے۔

راہی نے ٹمی کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا۔ تو فرجاد کا دل بوجھل سا ہو گیا

☆☆☆

"یار! زارا تم نے کچھ سنا۔" زارا سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی کہ فہد تیزی سے بھاگتا ہوا آیا۔ خوشی سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ جتنا پرجوش اور خوش تھا، زارا اتنی ہی خاموش اور سرد تھی۔ ٹھہرے پانیوں کی طرح۔

"سن لیا ہے۔ کوئی انوکھی بات نہیں کی کہ حیران ہوتی۔ ہاں جس دن کوئی نئی انوکھی بات کریں تو بتانا۔"

ایک ایک سیڑھی اترتی وہ جس سکون اور اطمینان سے کہہ رہی تھی، فہد کو حیرت ہوئی۔

"تمہیں سب پتا ہے، اس کے باوجود نہ کوئی خوشی، نہ خوشی کا اظہار۔"

"ضروری نہیں جو بات تمہارے لیے خوشی کا باعث ہے، میرے لیے بھی ہو۔"

"کیوں..... آخر کیوں نہیں تمہیں خوشی۔ کیا اس نکاح میں تمہاری مرضی شامل نہیں؟"

اس نے آخری سیڑھی پر رک کر زارا کو دونوں شانوں سے پکڑ کر اتنی زور سے جھنجوڑا کہ زارا کراہ اٹھی۔

"اس لیے کہ تم نہ تو کسی سے محبت کر سکتے ہو، نہ کسی کی عزت تو مجھے ایسے کسی مرد سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔ سمجھے۔" وہ غصے میں آگے بڑھی۔ فہد نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"سنو! زارا بیگم تمہاری زندگی کی تمہاری محبت تمہارے جذبوں تمہارے خوابوں کے سارے راستے میری طرف آ کر ختم ہوتے ہیں۔ یہ بات کندہ کر لو۔ اپنے پتھریلے دل کی پتھریلی چٹانوں پر او کے.....!" وہ شدت

اور غصے سے سلگتے لہجے میں بول رہا تھا۔ زارا کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔
"تم میری زندگی، میری سوچوں، میری محبت، میرے جذبوں، میرے خوابوں کے حق دار نہیں ہو۔"
دعوا بہت بڑا تھا مگر لہجہ بہت دھیما اور چور سا تھا۔ نظریں ملتیں تو شاید اس کے اس جھوٹ کی قلعی کھل جاتی، اسی لیے اس نے نظریں جھکالی تھیں۔ فہد کی گرفت ڈھیلی پڑگئی کہ زارا کا ہاتھ خود ہی الگ ہو گیا۔ اور اب دونوں الگ الگ اپنی، اپنی سوچ سے لپٹے رو رہے تھے۔

☆☆☆

"تم جھوٹ بولتی ہو زارا کہ تمہیں فہد پسند نہیں۔" سارہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تو وہ پھر نظریں چرا گئی اور طنزیہ مسکرائی۔
"اچھا......!" وہ اپنی فائل نکالے اپنے آرٹیکل دیکھ رہی تھی۔
"دیکھو زارا......" سارہ اسے سمجھانا چاہتی تھی۔
"دکھاؤ...... مگر یہ تو تمہارا پرانا سوٹ ہے آپا۔ پھر کیا دکھا رہی ہو۔" زارا نے کہا تو سارہ نے اسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔
"تم اس کے محبت بھرے دل کو مت ٹھکراؤ۔ تم ظلم کررہی ہو اس پر بھی اور خود پر بھی۔"
"واہ، واہ آفرین ہے آپا! تم لوگوں پر صد آفرین ہے۔ میرے دشمن کی وکالت کررہی ہیں۔ واہ...... لیکن یہ طے ہے آپا کہ میں فہد سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ خواہ میں مروں یا وہ...... یہ شادی تو ہرگز نہیں ہوگی۔"
اگر یہ سب سچ تھا جو وہ کہہ رہی تھی تو لہجہ ڈوب کیوں رہا تھا۔
"یا اللہ! یہ لڑکی کیا کرنے جارہی ہے۔ کیا ہوگا اس کے انکار پر گھر میں تو قیامت ہی آجائے گی۔ یا اللہ رحم فرما۔" سارہ نے دعا کی تھی۔

☆☆☆

"پھر اسماء بیگم کیا سوچا ہے آپ نے، منیبہ اور بچوں کے بارے میں۔" آج کل بڑوں کا بڑا مسئلہ منیبہ اور اس کے بچوں کے لیے اس گھر میں جگہ بنانا تھی۔ اس وقت ثمینہ، اسماء، ساجد اور عابد بیٹھے اس مسئلے پر غور کررہے تھے۔ ساجد ٹہل رہے تھے جبکہ ثمینہ سینے کی گھٹن پر قابو پائے بیٹھی انگلیاں مسل رہی تھی۔
اسماء نے ثمینہ کو دیکھا۔ شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اسماء نے آہستگی سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے جو بالکل سرد تھے۔
"عابد! ہم نے کیا سوچنا ہے...... سوچنا ہمارا کام ہی کہاں رہا ہے۔ ہمارا کام تو سوچ پر عمل کرنا ہے۔ وہ بھی اپنی نہیں آپ لوگوں کی سوچوں پر۔ آپ لوگ جو کہیں گے ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں۔" لہجہ سرد تھا مگر شکایت بہت تیز و تند گرم ہوا جیسی تھی، عابد اور ساجد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
"بھابھی جان! آپ لوگوں کے سامنے مسئلہ رکھنے کا مطلب تھا۔ کوئی قابل عمل مشورہ دیں یا کوئی حل تلاش کریں اس بات کا۔ طنز کرنے کا نہیں کہا تھا۔" اتنا تلخ، اتنا درشت لہجہ اسماء کی ہتھیلی میں پسینہ آگیا۔ ثمینہ نے ہاتھ دبا کر کچھ نہ کہنے کا اشارہ کیا۔
"ساجد ٹھیک کہہ رہا ہے، بتاؤ کیا کیا جائے۔ ثمینہ! تم کچھ نہیں کہوگی۔ اس سلسلے میں۔" عابد ثمینہ کو دیکھ رہے تھے جو اس عمر میں بھی سہمی چڑیا کی طرح بیٹھی تھی۔
"جی بھائی جان، میں نے اس وقت بھی کچھ نہیں کہا تھا اب کیا کہوں۔ کھلے دروازوں سے کسی کو آنے سے کون روک سکا ہے اور...... اور اب تو منیبہ اور بچوں کا اس گھر پر، اس گھر کے ہر رشتے پر پورا حق ہے۔"

"سن لیا آپ نے بھائی جان! کس قدر نفرت اور بغض ہے ہماری ان خواتین کے دلوں میں یعنی مشورہ دینے کے بجائے طنز کیے جارہے ہیں۔"
"یہ طنز نہیں ساجد میاں جب آپ نے منیبہ سے نکاح کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین فرزند عطا کیے تو اب ان کو اپنے گھر میں لانے کے لیے ہمارے مشوروں کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ آپ لوگ اتنے کمزور کیوں پڑ گئے کہ غیر اہم بیگمات کے مشوروں کی ضرورت پڑ گئی۔" یہ اندر کا دکھ تھا کہ اب تک کی زندگی میں کبھی انہیں اتنی اہمیت نہیں دی گئی تھی کہ ان سے مشورہ لیا جاتا۔
"اسماء بیگم! آپ حد کراس کررہی ہیں!" عابد کا لہجہ سخت اور بلند تھا ثمینہ سہم گئی دل مٹھی میں آگیا۔
"حد اور حدود کی خلاف ورزی کیا ہوتی ہے۔ یہ...... یہ" ثمینہ ان کی بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔
"اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے بھائی جان کہ آپ گھر کے بچوں کو بٹھا کر یہ حقیقت بتادیں اور پھر منیبہ اور بچوں کو گھر لے آئیں، یہ ان کا حق ہے۔" اس مسئلے کا واحد حل تو یہ ہی تھا مگر ساجد کی انا اور غیرت آڑے آرہی تھی کہ گھر کے سب بچے خصوصاً ان کی بیٹیاں کیا خیال کریں گی، باپ کے بارے میں کیا سوچیں گی۔
"ثمینہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے ساجد! اس کے علاوہ اس کا کوئی حل نہیں۔" بات تو ثمینہ کی درست تھی مگر ساجد الجھ رہے تھے۔
"ٹھیک ہے مگر...... مگر بچے۔" ساجد نے پھٹتے سر کو تھام لیا۔
"اور تو کسی بچے کو اس حقیقت پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر...... مگر زارا مشکل سے یہ حقیقت تسلیم کرپائے گی۔"
"کیا تم نے زارا...... زارا لگا رکھا ہے۔ یہ زارا ہوتی کون ہے باپ کے فیصلے سے انحراف کرنے والی۔ اس کو معلوم نہیں اسے سزا کے طور پر عاق کر کے گھر سے نکال سکتا ہوں۔"
ثمینہ کی بات پر ساجد کسی بم کی طرح پھٹا عابد اور اسماء کو بھی جیسے سکتہ ہو گیا۔ ثمینہ کی حالت بگڑنے لگی۔
"ساجد! تحمل اتنا بھی کیا...... کہ حد سے گزر جاؤ۔ تمہاری یہ بات انتہائی نامناسب ہے۔ تمہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"
"کہنے دیجیے ناں عابد۔ اگر ہمارے ساجد میاں ایسی باتیں نہیں کریں گے تو پتا کیسے چلے گا کہ یہ اس گھر کے مرد اور ثمینہ کے شوہر ہیں۔" اسماء بھی اس بات پر خود پہ کنٹرول نہ رکھ سکیں تو زہر میں بجھا تیر بہنوئی کی طرف اچھال دیا۔ تو ساجد بیچ پا ہو کر اسماء کی طرف مڑے۔
"بس بھابھی جان! بہت ہو گیا لحاظ اس سے پہلے کہ میں آپ سے رشتہ اور عمر کا لحاظ بھول جاؤں آپ تشریف لے جایئے۔ نہیں چاہیے مجھے کوئی مشورہ اور...... اور اس دائمی مریضہ کو بھی لے جایئے۔ اسی کے منحوس وجود کی وجہ سے میں آج حالات کی سنگینی کا شکار ہوں۔ میری محبوب بیوی اور شیروں جیسے میرے بیٹے میرے نام اور اپنی پہچان کے لیے ترس رہے ہیں۔ لے جایئے۔"

☆☆☆

"غفیر صاحب لوگ کہتے ہیں کہ آج بھی آپ ہماری گفتگو سے بچنے کے لیے کانوں میں روئی کی گولیاں فٹ کیے بیٹھے ہیں۔" گلشن جہاں اپنا غرارہ سنبھالتی اندر آئیں۔ تو غفیر صاحب نے اخبار کو دراز کر کے پھیلا لیا۔
"ارے گلشن خاتون! ہم تو دعا دیتے ہیں یہ نسخہ ایجاد کرنے والے کو ورنہ اب تک ہم اپنی سماعتوں سمیت زیر زمین جا چکے ہوتے۔"
"آپ بالکل اپنے والد صاحب جیسے ہو گئے ہیں غفیر صاحب۔" گلشن جہاں نے اخبار سمیٹا اور تہ کر کے

صوفے پر ڈال دیا تو بیڈ پر غفیر صاحب پہلو بدلتے ہوئے قدرے کھانسے۔

''کاش! ہم بھی یہ کہہ سکتے کہ آپ بالکل ہماری اماں جان پر گئی ہیں۔ مگر کہاں جی..... کہاں آسمان اور کہاں زمین۔ ہماری اماں جان تو سیدھی سادھی جنتی خاتون ہیں۔''

غفیر میاں فل شرارت کے موڈ میں تھے۔ گاؤ تکیے کی ٹیک لگا کر تخت پر بیٹھتی گلشن جہاں نے سلگتی سی نظر غفیر میاں پر ڈالی۔

''جی درست فرمایا آپ نے کہ آپ کی والدہ جنتی ہیں اور ہم جہنمی۔''

''دیکھیے بیگم! ہم نے یہ بات کہی نہیں ہے۔ آپ کہہ رہی ہیں۔''

غفیر میاں نے گلشن جہاں کو دیکھا ان کا نوجوانی والا وہ حسن ابھی بھی برقرار تھا مگر اس حسن میں جتنی مکاری اس وقت تھی گزرتی عمر کی دوپہر نے اس میں اضافہ کیا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس وقت عشق کی پٹی بندھی تھی مجال ہے یہ مکاری اس وقت نظر آجاتی۔

''خیر آپ جو بھی کہیے مگر ہمیں یہ گوش گزار کرنا ہے کہ آپ کے گھر کی تمام خواتین عقل سے پیدل ہیں۔''

''ارے واہ گلشن خاتون..... واہ کیا بات ہے کہ آپ نے خود ہی اپنے ناقص العقل ہونے کا اعتراف کر لیا۔''

''ہم یہ بات آپ کے گھر کی دیگر خواتین کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ پہلے تو ہم نے اپنی دونوں جاہل اجڈ جٹھانیوں مطلب نفیسہ بھابھی اور پینڈو زہرہ جبین کو کھانا بنانا سکھایا۔ ورنہ تو آپ لوگ تو صرف ساگ اور مکئی کی روٹی ہی کھایا کرتے۔ اور اب اس گھر کی دختران نے حد کر دی ہے کم عقلی کی۔''

''ظاہر ہے اپنی والدہ گلشن جہاں پر بھی تو جائیں گی ناں۔''

''غفیر صاحب! ہماری چاروں دختران ہم پر ہی گئی ہیں۔ سلیقہ شعار ہنر مند اور فرماں بردار۔'' اپنی دختران کی خوبیاں بیان کرتے گلشن جہاں تن گئیں تو غفیر صاحب نے نظر کی عینک اتار کر بیگم کو دیکھا چہرے پر حیرت اور شرارت تھی۔

''ایک منٹ آپ نے جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ وہ تمام کیا ہماری دختران میں پائی جاتی ہیں۔''

''جی ہاں..... ہم آپ کی بات کے پیچھے چھپے طنز کو اچھی جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اپنی والدہ کی قدم بوسی کم سے کم کیا کیجیے..... جب بھی آپ وہاں حاضری دیتے ہیں آپ کو اپنی بیگم اور دختران میں بیسیوں عیب آنا شروع جاتے ہیں۔ زہر لگتی ہیں ہمیں، والدہ۔''

''لگنی بھی چاہئیں ارے آپ کی والدہ میں خصوصیات ہی ایسی پائی جاتی ہیں کہ۔''

''ہم اپنی نہیں آپ کی والدہ کی بات کر رہے ہیں۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر بولیں۔

''جی ہماری اماں جان تو اللہ والی ہیں..... وہ جب بات کرتی ہیں گویا ان کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں آپ کی والدہ کی طرح پان کی پیک کے فوارے نہیں..... چلتے ہیں اذان کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

غفیر نے ایک چور نظر بیگم کے پھولے اور سرخ چہرے پر ڈالی اور تکیے کے نیچے سے نماز کی ٹوپی نکال کر تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

☆☆☆

''میری بات سن رہے ہیں ناں آپ سلیم جی۔'' تسبیح مکمل کر کے شگفتہ نے تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے اپنی بات دہرائی تو سلیم نے محبت سے اپنی وفا شعار بیگم کو دیکھا جن کی محبت میں وقت نے اضافہ ہی کیا تھا کمی نہیں۔

''ارے بیگم صاحبہ ہم آپ کو دیکھتے اور سنتے ہی تو رہتے ہیں۔ فرمایئے کیا فرما رہی تھیں۔''

سلیم بات کر کے خود ہی ہنس دیے کیونکہ شگفتہ خاتون کی حسین پیشانی پر بل آ گئے تھے۔

''سلیم جی چھوڑ دی، مخول کرنا ہن بند کرو۔''

''اچھا! تو چلیے آپ شروع کیجیے مخول..... ہمارا مطلب ہے کہ آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں۔''

''میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں سلیم جی کہ ساڈے پوتے پوتیاں اب وڈے ہو گئے ہیں۔ آپ کا نہیں خیال کہ اب ہمیں ان کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔ مطلب کسی کی شادی، کسی کی منگنی، کسی کا نکاح وغیرہ۔'' شگفتہ بیگم سنجیدگی سے بولیں۔

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے بیگم لیکن بچوں کے بارے میں سوچنا سب سے پہلے ان کے والدین کا حق ہے، ویسے بھی ہمیں قطعی علم نہیں کہ آج کل کے بچے اپنی اپنی شریک زندگی کے لیے کیا سوچ رکھتے ہیں۔'' سلیم صاحب نے اک گہرا سانس لے کر کہا تو شگفتہ بیگم اپنے فطری انداز میں بولیں۔

''ایویں سلیم جی! یہ آپ نے کیا بات کر دی ہے۔ آج تک ہمارے کسی بچے نے ہمارا حکم ماننے سے انکار کیا ہے۔ جواب..... کر..... کر۔'' پھر نجانے کیا ہوا، دل میں کیسی ٹیس اٹھی کہ ماں کا پر اعتماد مان بھرا لہجہ رو دیا۔ وہ زبیر کو یاد کر کے تڑپ گئیں۔

ان کی آنکھیں بھر آئیں سلیم صاحب ان کو روتے دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ سامنے سے آتے وسیم کو دیکھ کر انہوں نے جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

وہ اپنے والدین کے آنسوؤں کا سبب اچھی طرح جانتے تھے اس وقت بھی اپنے کمرے سے نکل کر ڈیوڑھی کی طرف جا رہے تھے۔ والدین کی باتوں کی آواز پر قدرے فاصلے پر کھڑے ہو کر ان کی باتیں سننے لگے۔ ان کے دکھ نے ان کو دکھی کر دیا تھا ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ کہیں سے بھی زبیر کو ڈھونڈ لاتے جن کو نجانے زمین نگل گئی تھی کہ آسمان کھا گیا تھا۔

''جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا جان..... اور یقین کیجیے ہم بھی ایسا ہی چاہتے ہیں کہ اب گھر کے بچوں میں سے جو اپنی تعلیم مکمل کرنے کے قریب ہیں ان کی بات ہی طے کر دی جائے۔ اور اماں جان جو آپ چاہیں گی وہی ہوگا، مجال ہے..... جو کوئی چوں چاں کر جائے۔''

وسیم نے سعادت مندی سے کہا تو شگفتہ ان کو ساتھ لگا کر ایک بار شدت سے رو دیں۔

''میرے پتر! تو نے اپنی ماں کا دل خوش کر دیا ہے۔ اللہ تجھ سے خوش اور راضی ہو۔''

☆☆☆

''امید کرتے ہیں کہ آپ سب نے ہمارے احکامات بغور سن لیے ہوں گے۔'' کلیم صاحب نے گھر بھر کے لڑکے لڑکیوں کو اپنی عدالت میں لائن حاضر کر کے سب میں کام برابر برابر تقسیم کیے تھے تاکہ انصاف کا تقاضا برقرار رہے گھر میں اصول بنا ہوا تھا کہ کچھ عرصے کے بعد گھر میں تین دن صفائی کے رکھے جائیں گے اور ان تین دنوں میں گھر کا کوئی ملازم کام نہیں کرے گا۔ تمام کام گھر کے بیٹے اور بیٹیاں انجام دیں گے۔ بچپن ہی سے بچوں پر یہ تین دن بہت کڑے اور بھاری گزرتے تھے اور اس وقت بھی سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور فرار کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔

''سن لیا آپ لوگوں نے۔'' کلیم صاحب کی آواز پھر گونجی تو شمعون کان میں انگلی ٹھونستے ہوئے بولا۔

''جی ابا جان آپ نے کیا فرمایا وہ کیا ہے ناں..... پچھلے چند لمحوں سے ہمارے بائیں کان کو بہرے پن کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔''

شمعون کی بات پر جہاں باقی سب اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ پڑ گئے وہاں کلیم صاحب بھی

ہنسی دبانی پڑی۔

"اچھا تو آپ کو سماعت کا مسئلہ ہو گیا ہے۔ عاتکہ بٹی! آپ اپنی دادی جان سے کان کے درد کا مطلب بہرہ پن کا جو تیل ہے وہ لے کر تیز گرم کر کے مطلب ابال کر لے آئیے۔ ہم ابلتا تیل آپ کے کان میں ڈال کر آپ کی سماعتوں کو بحال کر دیتے ہیں۔ جایئے بٹی جلدی جایئے۔" کلیم صاحب نے مسکراہٹ دباتے ہوئے حکم دیا۔ عاتکہ جانے لگی تو شمعون نے اسے روک دیا۔

"جی..... جی ایسی کوئی بات نہیں ابا جان ہم..... ہم جاتے ہیں ناں کام کرنے۔ آپ تیل والا تکلف رہنے دیجیے ناں۔"

"بہتر چلیے تیل کا استعمال ہم پھر کسی اور دن کر لیں گے اب آپ جایئے اور لان کو صاف کیجیے کیاریوں کی گوڈی کیجیے۔ کھاد پانی سب چیک کیجیے اور موسمی پھولوں کا اہتمام کیجیے کہ اس موسم میں کون سے پھول لگائے جا سکتے ہیں۔ چلیے شاباش ورنہ تیل آتا ہوگا۔"

"جی..... جی جا رہے ہیں۔ وہ ابا جان آپ کو معلوم تو ہے کہ لان کتنا وسیع ہے۔ تو ہم تن تنہا کیونکر یہ سب کر پائیں گے۔ لان کے کوڑا کرکٹ کو اٹھانے کے لیے ہمیں دو عدد گدھوں کی بھی ضرورت ہوگی۔" جاتے جاتے پلٹ کر شمعون نے ہارون اور فیصل کو دیکھا تو وہ سلگ اٹھے۔ ہارون نے انتقامی انداز میں منہ پر ہاتھ پھیرا۔ فیصل نے ہوا میں مکا لہرایا۔

"چونکہ آپ کا تقاضا بے جا نہیں ہے شمعون میاں! اس لیے فیصل....."

"وہ..... وہ چچا جان! ہم حکم تو بجالاتے مگر ہماری آنکھ میں۔"

"درد جگر ہو گیا ہے۔" شفق نے شوخی سے کہا تو فیصل غصے میں گھوما۔

"آپ سے مطلب، ہمارا جگر ہے کہیں بھی ہو۔"

"آپس میں الجھنا بند کیجیے اور کام پر جایئے۔ ورنہ آپ کی آنکھ کے لیے بھی ہمارے پاس ٹوٹکا ہے۔"

"جی بہتر جاتے ہیں مگر، مگر آپ سفیر بھیا کو ہمیشہ چھوٹ دے دیتے ہیں۔ کام اور ذمہ داری ان پر بھی لازم ہے۔ انصاف کیجیے۔"

"آپ کی بات درست ہے۔ مگر ان کی حالت دیکھی ہے آپ لوگوں نے۔ کمزور ہیں اگر خدانا خواستہ کچھ ہو گیا تو گلشن بھا بھی جان..... خیر انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے سفیر میاں! آپ گھر کی تمام گاڑیوں کے شیشے صاف کریں گے۔" حکیم صاحب نے انتہائی کمزور مریض نظر آنے والے سفیر کو دیکھا، سفیر میاں چونکے ان کی بہنیں تڑپیں۔ زیب نے پہلے تو سفیر میاں کو گھورا پھر ان کی بہنوں کو گھورا اور دانت پیستے گویا ہوئی۔

"جایئے..... جایئے سفیر بھیا گاڑیوں کے شیشے صاف کیجیے اچھی طرح کیجیے گا۔"

کلیم صاحب چپ چاپ اٹھ گئے۔

☆☆☆

"شکر ہے یار! نام آ گیا۔ تقریباً ہر ڈیپارٹمنٹ میں جہاں میں نے اپلائی کیا تھا سب میں نام آ گیا ہے۔" جوس کارنر سے فالسے کا فریش جوس لے کر زارا خوش اور مطمئن سی کرسی گھسیٹ کر اپنی دوست حنا کے سامنے بیٹھی جوڑ ترنک کے ساتھ پیٹر کھا رہی تھی۔

"ارے بھئی، تمہارا نام نہیں آنا تھا تو کس کا آنا تھا۔ ماشاء اللہ اتنے اچھے نمبر ہیں تمہارے..... ویسے کس ڈیپارٹمنٹ میں لو گی۔" حنا نے دائیں بائیں اسٹوڈنٹس کو دیکھا۔

"دیکھو، فی الحال کچھ سوچا نہیں۔ تم تھوٹس لو تو ماس کمیونیکیشن میں بھی جھانک لیتے ہیں اگر وہاں نام آ جا

ہے تو وہیں لوں گی۔"

"ہاں! تمہاری سوچ تمہارا قلم تو اسی بات کا متقاضی ہے۔ خیر چلو، میں نے ٹھوٹس لیا ہے۔"

حنا نے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے اور یونیورسٹی کی طویل راہ داری عبور کر کے ڈیپارٹمنٹ پہنچ گئیں رش کافی تھا ہر کوئی اپنا نام تلاش کر رہا تھا۔ ایک عجیب طرح کی گھبراہٹ کا شکار تو زارا بھی تھی۔ جوس ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا جسے دائیں ہاتھ میں لیے وہ لڑکیوں کے درمیان کھڑی نام تلاش کر رہی تھی۔ پھر اچانک اس کی نظر اپنے نام پر پڑی تو وہ خوشی سے چلا کر مڑی۔

"حنا! میرا نام آ گیا..... یہ دیکھو زارا ساجد۔" وہ زور سے بولتی پلٹی..... کسی کا ہاتھ لگا اور سارا جوس قریب کھڑے سرمد کی سفید شلوار شرٹ کو رنگین کر گیا۔ سب ہی متوجہ ہو گئے۔ سرمد گہرا سانس لے کر بھی اپنے لباس کو کبھی اسے رنگین کرنے والی کو دیکھتا۔ حنا اور زارا شرمندہ سی سرمد کو دیکھ رہی تھیں۔ آنکھوں میں ندامت تھی۔ انداز میں معذرت تھی۔ بس زبان ہی لڑکھڑا رہی تھی۔

"آئی! آئی ایم....."

"سوری..... یہ ہی کہنا چاہتی ہیں ناں آپ زارا ساجد! تو اٹس اوکے۔ آپ نے جان بوجھ کر تو نہیں کیا ناں۔"

سرمد شرافت اور متانت سے اس کی حسین آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔ وہ ممنون ہو گئی۔ "اب ذرا رستہ دیجیے۔ میں بھی اپنا نام دیکھ لوں، آیا ہے کہ نہیں۔"

سرمد اپنے کپڑوں کو جھاڑتا آگے بڑھا۔ تب ہی اس کے دوست نے بلند آواز میں کہا۔

"یار! سرمد مبارک ہو تمہارا نام بھی آ گیا۔"

"اوہو! تو کوے کا نام سرمد ہے۔" حنا نے سرمد کے سانولے رنگ پر چوٹ کی تھی۔ زارا نے اسے گھورا۔

"شرم کرو۔ ایسی بات کرتے ہوئے۔ خود کو بنانا انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔"

"اور دیکھو نا کتنا نائس تھا وہ کہ اس نے کچھ نہیں کہا ہر چند کہ میرا قصور نہیں تھا پھر بھی اس نے کتنے وقار سے معاملہ سنبھالا۔ اگر اس کی جگہ میرا کزن فہد ہوتا تو ایسا تماشا کرتا کہ بے چاری لڑکی شرمندگی کے سمندر میں ڈوب جاتی۔"

"ویسے تمہارا کزن اتنا برا بھی نہیں، اتنا ہینڈسم ہے۔" حنا فہد کا تصور کر کے مسکرائی تو زارا نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"ایکسکیوزمی! اس کے عشق میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اوئے ہوئے! لوگ تو جل گئے ہیں۔" حنا نے شرارت سے کہا تو زارا اسے گھور کر رہ گئی۔

"تم جانتی ہو، میں اس کے ساتھ شادی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔"

"مر جائے گا وہ تم بن۔"

"واٹ ایور، یہ میری زندگی ہے اور میری زندگی پر صرف میرا حق ہے جیسے اور جس کے ساتھ گزاروں۔"

ابھی زارا کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ فہد گاڑی لے کر حاضر تھا۔ حنا نے شوخی سے زارا کو دیکھا۔

"تم بالکل بھی ٹائم ویسٹ نہیں کرتے۔ ادھر نام لیا، ادھر حاضر۔"

"حنا..... سچ بتاؤ واقعی، کوئی میرا ذکر کر رہا تھا۔" فہد گاڑی سے اتر کر زارا کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جو بے زاری سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ذکر تو تمہارا ہی تھا مگر۔" حنا نے زارا کو دیکھا اس نے گھورا تو اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ فہد کی

نظریں زارا پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ بڑی ترنگ سے گنگنایا۔

ہونٹوں پہ کبھی ان کے میرا نام ہی آئے
آئے تو سہی برسرِ الزام ہی آئے

"شٹ اپ فہد مت کیا کرو فٹ یا تھیا عاشقوں والی باتیں اور جب میں نے کہہ دیا تھا کہ میں یونیورسٹی پوا ٹ میں آجاؤں گی تو کیا ضرورت تھی تشریف لانے کی۔" زارا بری طرح چڑ گئی۔

"حنا! کتنی ظالم ہے ناں تمہاری یہ بدذوق دوست کہ اتنا ہینڈسم، خوبرو کزن ہر وقت دل ہتھیلی پر لیے آگے پیچھے دائیں بائیں پھرتا ہے اور یہ محترمہ گھاس ہی نہیں ڈالتیں۔ کروں تو آخر کیا کروں۔" وہ آنکھیں بند کیے سینے پر ہاتھ رکھے قدرے جھکا کہہ رہا تھا۔ زارا گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ حنا ہنسے جا رہی تھی۔

"فی الحال تو آپ ڈرائیوری کیجیے۔ میڈم بیٹھ چکی ہیں۔" حنا کی بات پر وہ سیدھا ہوا، زارا کو دیکھ کر گہرا سانس لیا۔ دروازہ کھولا۔

یہ اب تم باہر کھڑی کیا دیکھ رہی ہو۔ کیا کبھی اتنا ہینڈسم نوجوان نہیں دیکھا آؤ بیٹھو..... محبت کرنے والے تو سیگ یار کو بھی..... خیر تم تو پھر دوست ہو۔" فہد نے ایک نظر زارا پر ڈالی جو بے زار شکل بنائے۔ سامنے دیکھ رہی تھی حنا اپنا بیگ سنبھالتی بیٹھ گئی۔

"ویسے فہد تم بھی نا بڑے احسان فراموش ہو۔"

"اچھا تو میڈم ذرا اس احسان عظیم پر روشنی ڈالیں گی جس کی فراموشی کا مجھ بے گناہ پر الزام دھر رہی ہیں۔" فہد نے پھر زارا کو دیکھا۔

"اچھا جی یہ احسان کیا کم ہے کہ اپنی دوست کی عدالت میں تمہاری محبت کی وکالت کرتی رہتی ہوں۔"

"سچ میں!" فہد پیچھے گھومازارا نے دونوں کو گھورا۔

"اور نہیں تو کیا۔" حنا منہ پھلا کر بولی۔

"ایسا ہے تو حنا جس دن تم اس کو قائل کر گئیں تو..... تو۔" وہ سیدھا ہوا۔ زارا مسلسل گھور رہی تھی۔

"تو!" حنا نے فہد کو دیکھا۔

"تو کیا! خوشی سے مر جاؤں گا۔" فہد نے عاشقوں کی طرح گہرا سانس لیا اور گمبھیر لہجے میں کہا تو زارا چیخ پڑی۔

"شٹ اپ! یہ کیا تم احمقوں کی طرح جو منہ میں آ رہا ہے۔ بولے جا رہے ہو۔ بندہ سوچ سمجھ کر بات کرتا ہے۔ کوئی گھڑی قبولیت کی ہوتی ہے۔" وہ بول رہی تھی اور فہد اسے دیکھے جا رہا تھا۔ نجانے کیوں بہت اچھا لگا تھا۔

"محبت! کرتی ہو ناں مجھ سے۔" وہ گہرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"اب اس میں میرا اعتراف محبت کہاں سے آ گیا۔"

زارا کچھ تو اس کی نظروں سے گڑبڑائی۔ کچھ اس کے لہجے کی گمبھیرتا اور کچھ لفظوں کے طلسم نے سحر زدہ کر دیا تھا، اڑتے بالوں کو کانوں کے پیچھے دباتی نظریں چرا گئی۔

"مان لو لڑکی کہ تم بھی کچھ کچھ مجھ پر مرتی ہو۔"

"فضول باتوں کا کوئی جواب نہیں میرے پاس اور کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں مجھے اگر محبت ہے تو اپنی ماں سے ہے جن کی جان تم جیسے بے کار آدمی میں بستی ہے۔" اس بات پر ایک سایہ سا فہد کے چہرے پر لہرا گیا۔ گہرا سانس لے کر اس نے حنا کے گیٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔

"بائے سٹریل ہیرو بیسٹ آف لک۔ اور..... زارا۔"

"مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں تم سے تو میں بعد میں نمٹوں گی چچی۔"

زارا نے خفگی سے حنا کو دیکھا جو اسے محبت سے سلام کرتی گھر کی طرف مڑ گئی تھی۔ دوسری سڑک پر ان کا گھر تھا۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے دونوں کوریڈور میں آئے تو سامنے سے اسماء اور ثمینہ کہیں جانے کے لیے تیار تھیں۔ ان کو دیکھ کر دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا پھر ان دونوں کو دیکھا۔

"ماشاءاللہ! چشم بددور۔" ثمینہ نے پیار سے فہد اور زارا کو ایک ساتھ گلے لگا لیا۔

"یار سالٹی۔ تمہاری بیٹی بہت ظالم ہے۔" وہ چپکے سے ثمینہ کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

"برف پگھل جائے گی بیٹا۔" ثمینہ نے فہد کی پیشانی پر پیار کیا۔

"آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں خالہ جان!" زارا نے اسماء کو دیکھا تو اسماء کے ساتھ ثمینہ بھی چونک گئی ایک خاموش سی نظر ان دونوں نے ان پر ڈالی جو سوالیہ نظروں سے ان ہی کو دیکھ رہے تھے۔

"ہم..... ہم وہ دراصل ہاں..... میری ایک پرانی دوست دریافت ہوئی ہے اسی کے گھر جا رہے ہیں۔ شام تک آ جائیں گے۔"

"امی آپ نے اپنی میڈیسن وغیرہ رکھ لیں ناں۔ ان ہیلر رکھ لیا ناں۔ اور..... اور۔" زارا کو ایک دم ماں کی دوائیوں کی فکر لاحق ہوئی۔

"ہاں ہاں بچی سب کچھ رکھ لیا ہے۔" ثمینہ پیار سے بیٹی کو دیکھا۔

"دکھائیے اس سلسلے میں تو مجھے آپ پر اعتبار ہے ہی نہیں۔" اور پھر وہیں کھڑے کھڑے ماں کے میڈیسن پاؤچ میں دوائیاں چیک کرنے لگی تو اس طرح ماں کی کیئر کرتی زارا کو فہد دیکھ کر سوچنے لگا۔

"کاش! تمہیں ذرا سا ہی سہی میرا بھی خیال ہو۔"

"تم ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔ زارا کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

اسماء نے قدرے شوخی سے فہد کو ٹہوکا مارا تو وہ چونکا کچھ جھینپا پھر کان کھجانے لگا۔

"ارے! یار امی جان اب سالٹی کی بیٹی ایسی تو ہے نہیں کہ ایک بار نظر ڈال کر دوسری بار دیکھنے کو جی نہ چاہے۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ ہے دیکھنے کی....."

"بہت! بے شرم ہو گئے ہو ذرا شرم نہیں ماں اور ماسی کے سامنے کھڑے ہو۔"

"یہ..... یہ ہی تو پرابلم ہے ماں یار کہ ماں جیسی کی لڑکی کو دیکھتا ہوں تو سب بھول جاتا ہوں۔" فہد کی شوخ نظریں زارا پر تھیں۔

"پاگل۔" زارا بے زاری سے اسے پاگل کہہ کر چلی گئی ثمینہ نے فہد کو ساتھ لگا لیا۔

"میرا بس چلے ناں تو آج نکاح کرا دوں تمہارا اس بدمزاج لڑکی کے ساتھ۔"

"ارے بھئی فی الحال بس اور لڑکی کو چھوڑو اور چلو دیر ہو رہی ہے وہ ہمارا ویٹ کر رہی ہو گی۔"

"میں! میں بھی ساتھ چلوں ماں۔" فہد ساتھ چلنے کو تیار تھا ثمینہ بھی مان گئی۔

"ہاں چلو نا بیٹے۔" اس بات پر اسماء نے ثمینہ کو معنی خیز انداز میں گھورا اور ہاتھ دبایا۔ تو ثمینہ نے گہرا سانس لیا۔

"نہیں فہد بیٹا تمہارا وہاں کیا کام ہے۔ ہم ڈرائیور کے ساتھ جا رہے ہیں۔ اللہ حافظ۔"

☆☆☆

"لگتا ہے یہ کتاب ہم سے زیادہ دل چسپ اور خوب صورت ہے۔ جب ہی اسے اتنے غور سے پڑھا جا رہا

ہے۔'' سعدیہ کوئی ناول پڑھ رہی تھی کہ ہمایوں نے پیچھے سے آ کر کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی تو کئی رنگ سعدیہ کے سانولے چہرے پر لہرا گئے۔ ہمایوں کی توجہ ایسے اس کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کرتی کہ وہ سرخ پڑ جاتی۔ اس وقت بھی ہمایوں ناول ہاتھ میں لیے اسے دیکھے جا رہا تھا اور وہ ڈھلکتا دوپٹا درست کر رہی تھی۔

''جی آپ کو کوئی کام تھا۔ بتایئے ناں کھانا تو آپ نے کہا تھا کہ بھیا کے ساتھ کھائیں گے اور بھیا تو ابھی آئے نہیں۔''

وہ ہمیشہ ہی اس کی موجودگی میں گھبرا جایا کرتی تھی۔ اور ہمایوں ہمیشہ ہی اس کی اس بات سے چڑ جایا کرتا تھا۔

''کیا! مطلب ہے تمہارا کہ مجھے تم سے کام ہی ہو تو بات کروں ارے کبھی کبھی بغیر مطلب کے بھی بات کرنے کو دل چاہتا ہے یار مگر تم تو بھیا کی غلام ہو۔'' وہ جانتا تھا کہ سعدیہ کے دل میں اس کا کیا مقام ہے اسی لیے وہ اپنی اہمیت کو کیش کرانا نہ بھولتا۔

''نن..... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ، آپ بیٹھ جایئے ناں۔'' وہ مسلسل گھبرا رہی تھی سرمد کے آ جانے کے خیال سے، حادیہ کی خیر تھی وہ اس کے دل کی حالت جانتی تھی۔

''اچھا لو بیٹھ گیا۔ اب کیا کروں۔ اچھا یہ بتاؤ اس ناول کی کیا اسٹوری ہے۔ مطلب کوئی لو اسٹوری ہے یا معاشرتی گھریلو۔''

وہ بلاوجہ ہی بات بڑھا رہا تھا۔ سعدیہ ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے سوچ میں گم تھی کہ سرمد کی آواز نے طلسم توڑا۔

''سعدیہ..... سعدیہ کہاں ہو بھئی۔'' سرمد کی آواز پر ہمایوں نے غصے سے ناول میز پر رکھا اور کھڑا ہو گیا۔ دروازے کی طرف بڑھا پھر پلٹا۔

''سعدیہ ویسے تو تمہارا بھائی بہت اچھا ہے مگر جب ہٹلر بنتا ہے ناں تو دل چاہتا ہے.....'' ابھی اس کی بات جاری تھی کہ سرمد کی پھر آواز آئی۔ تو وہ بے زاری سے بولا۔

''جایئے!۔''

''سوری ہمایوں بھا..... وہ میرا مطلب ہے۔'' سعدیہ بھائی کہنے لگی تھی ہمایوں نے گھورا تو وہ دھڑکتے دل کی دھڑکنیں سنبھالتی وہاں سے چلی گئی اور ہمایوں..... خیالوں میں گم ہو گیا۔

''سعدیہ تم اور تمہارا یہ گدھا بھائی میری مجبوری اور ضرورت ہو میں تمہیں تب تک توجہ اور جھوٹی محبت کی بھیک دوں گا جب تک یہ سب دولت جائیداد اپنے نام نہ کروالوں۔''

وہ کسی زہریلے سانپ کی طرح سیڑھیاں اترتا آخری سیڑھی تک پہنچتے پہنچتے اپنا زہر اور پھن چھپا چکا تھا۔

''بھائی جان یہ..... یہ آپ کے کپڑوں پر کیا گرا ہے۔'' سعدیہ، سرمد کے جوس گرے کپڑے دیکھ پریشان ہو گئی ہمایوں بھی دل چسپی سے دیکھنے لگا، سرمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی، زارا کا حسین چہرہ نظروں میں چھا گیا۔

''بھئی ہونا کیا ہے۔ آج چونکہ لسٹ لگی تھی اک ہڑبونگ تھی، لڑکیاں لڑکے ٹوٹے پڑے تھے بورڈ پر تو ایک محترمہ جوس سمیت ٹکرا گئیں اور۔''

''یہ لڑکیاں بھی ناں حواس باختہ ہو جاتی ہیں سفید سوٹ کا ناس مار دیا۔ کتنے اچھے لگ رہے تھے بھیا آپ اس سوٹ میں نظر لگ گئی ہے۔''

''ہوں..... تمہاری نظر میں..... مطلب تم بہنیں بھی ناں۔ سوری یار سرمد! سعدیہ کو چھیڑ رہا ہوں ڈونٹ مائنڈ ہاں۔''

ہمایوں کو تلخ بات کہہ کر اس کی شدت اور تاثر کو ختم کرنے کا فن بخوبی آتا تھا۔ اور اس کا استعمال بھی وہ بے دریغ کرتا تھا۔ اس کی بات پر..... سرمد مسکرایا۔

''اچھا اب تم اپنے جوکس کی کیا وضاحت کرو گے۔ جانتا ہوں یار۔''

''لیجیے بھیا آپ فریش ہو کر آیئے تو کھانا کھاتے ہیں۔'' اتنی دیر میں سعدیہ سرمد کا دوسرا ڈریس لے آئی تھی سرمد لے کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔

☆☆☆

منیبہ کے قیمتی ساز و سامان سے سجے خوب صورت ڈرائنگ روم میں تین عورتیں اک انجانی سی خاموشی کی زنجیر سے بندھی تھیں۔ کہنے کو بہت کچھ تھا مگر الفاظ نہیں تھے۔ ثمینہ اور منیبہ ایک شوہر کی ستم رسیدہ بیگمات تھیں دونوں ہی کو ایک دوسرے سے نہیں شوہر سے شکایت تھی۔

''اللہ جانتا ہے ثمینہ کہ تمہارے ساتھ شادی ہونے کے بعد میں نہیں چاہتی تھی کہ ساجد ایک بار بھی مجھ سے بات کریں مگر..... مگر۔''

''مرد جب محبت کو انتقام بنا لیتا ہے، کوئی علاقہ سمجھ کر فتح کی ٹھان لیتا ہے تو..... تو وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔''

''بالکل..... بالکل آپا! ایسا ہی ہے۔ ساجد نے بھی ثمینہ سے شادی اور ان کے ساتھ شادی سے میرے انکار کو انتقام سمجھ کر یہ سب کیا..... ورنہ، ورنہ اللہ جانتا ہے ثمینہ کہ..... کہ خود عورت ہو کر عورت کے حق پر ڈاکا ڈالنا۔ ایسا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' آنسوؤں کے ساتھ ثمینہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے منیبہ اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔

''جو ہونا تھا، وہ ہو چکا ہے۔ اب خود کو سنبھالو دونوں کیونکہ دونوں کا شوہر بھی ایک ہے اور دکھ اور دکھ کی داستان بھی ایک ہے۔ اس لیے۔ اب سوچ سمجھ کر آئندہ کے فیصلے کرو۔'' اسماء نے دونوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''آپا! ثمینہ تو خوش قسمت ہے کہ بڑی بہن کا ساتھ حاصل تھا مگر میں..... میں تو تن تنہا لڑی ہوں ساری جنگیں۔ میرے تو آنسو سمیٹنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ کوئی شانہ نہیں تھا۔''

''ایسا ہے تو منیبہ آج سے میں ثمینہ ہی کی نہیں تمہاری بھی آپا ہوں۔ تمہارے آنسو سمیٹنے کے لیے میرا دامن اور سہارے کے لیے میرا شانہ ہر وقت حاضر ہے۔'' اسماء نے دردمندی سے کہا۔

تب ہی باہر سے زین اور داؤد کی آوازیں آنے لگیں جو کھیل کر آئے تھے۔

''امی..... امی کہاں ہیں آپ۔'' یہ سب سے چھوٹا داؤد تھا۔ اسے تو گھر میں آتے ہی ماں نظر آنی چاہیے تھی۔

''بچے آ گئے۔'' اب تینوں خواتین نے خود کو سمیٹا اور آنسو صاف کر لیے۔

''اندر آؤ جاؤ ناں، زین۔ داؤد۔ میں یہاں ہوں۔''

منیبہ نے دانستہ ان کو ڈرائنگ روم میں بلایا تو دونوں کرکٹ کٹ میں اندر آ گئے۔ اجنبی خواتین کو دیکھ کر رک گئے۔

''السلام علیکم آنٹی.....'' زین ثمینہ کی طرف بڑھا۔

''آنٹی نہیں بڑی امی۔'' ثمینہ نے زین اور حیران کھڑے داؤد کو اشارے سے بلا کر ساتھ لگا کر پیار کیا تو دونوں خوشی سے چیخ اٹھے۔

"آپ..... آپ ثمینہ امی۔"

"جی ہاں۔ یہ ثمینہ امی اور میں تائی امی۔" اسماء نے آگے بڑھ کر دونوں لڑکوں کو ساتھ لگا کر پیار کیا۔

"سچ! آپ آپ..... سعد اور فہد کی امی ہیں۔ تائی امی! ہمارا بہت دل چاہتا ہے، اپنے سارے کزنز اور اپنی بہنوں سے ملنے کے لیے مگر....."

داؤد کا پرجوش لہجہ اداس ہو گیا تو ثمینہ نے اس کی پیشانی پر پیار کر لیا۔

"اسی لیے بیٹا! ہم لوگ آئے ہیں اپنے بیٹوں کو ساتھ لے جانے کے لیے۔ تم لوگ اپنے گھر چلو، اپنے کزنز اور بہنوں سے ملو۔"

"سچ..... سچ کہہ رہی ہیں بڑی امی! واؤ کتنا مزا آئے گا ناں..... زین، ہم..... ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر خوب کھیلا کریں گے۔ ہمارے دادا کا گھر تو بہت بڑا ہے ناں بڑی امی۔"

"ہاں بیٹا! تمہارے دادا کا گھر بہت بڑا ہے۔" اسماء نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

☆☆☆

"تمہیں معلوم ہے۔ اس نے فرجاد کی کتنی انسلٹ کی ہے۔" حسب سابق ٹمی بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی تھی اور نہ ہی راہی بدل پایا تھا خود کو اور فرجاد تو اس کے ورکرز میں سب سے پسندیدہ ورکر تھا جس کے سپرد اپنی ذمہ داریاں کر کے وہ خود کو بڑا پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

"کم آن راہی! پتا تو ہے ٹمی ایسی ہی ہے۔ پھر کیوں چیخ چیخ کر اپنا بی پی ہائی کر رہے ہو۔" روبیکا نے آتش دان میں لکڑیاں رکھتے ہوئے کہا تو راہی کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب لے آیا۔

"ہاں۔ ایسی ہے تو کیا ایسی ہی رہے گی ہمیشہ؟ نہ مذہب کا پتا ہے۔ نہ کسی اور بات کا احساس۔"

"عجیب ہو گئی ہے ہر وقت گندے میلے دوستوں میں گھری رہتی ہے۔"

راہی شعلوں پر نظریں جمائے دکھ سے کہہ رہا تھا، شاید اندر سے کوئی ملامت کر رہا تھا۔

"تو راہی صاحب! یہ سب آپ ہی کا کیا دھرا ہے۔ آپ ہی کی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ اب جبکہ پانی سر سے گزر گیا تو دین اور قومیت کی یاد آ رہی ہے۔"

"آہ! کاش..... کاش۔" اک سرد آہ راہی کے ہونٹوں سے نکلی، فضا میں گم ہو گئی۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنا تو عذاب ہو جاتا تھا۔ یادوں کے کانٹے پاؤں تو کیا روح بھی لہولہان کر دیتے تھے۔ کاش یہ نہ کرتا، اب تو زندگی میں بس کاش ہی تھا اور تباہ حال بیٹی۔ نجانے اس کا کیا مستقبل تھا۔ وہ اکثر خود سے ہی لپٹ کر شدت سے رو دیا کرتا۔

"یہ لو کافی۔" روبیکا نے گرم گرم کافی کا مگ اس کی طرف بڑھایا۔

"کہاں ہے وہ نالائق ناہنجار۔" اس نے مگ لے کر ایک گھونٹ لیا پھر قریبی میز پر رکھا۔

"اپنے کمرے میں ہے اور..... اور اسٹڈی کر رہی ہے۔"

"اول درجے کی جھوٹی عورت ہو تم اگر تم اچھی عورت ہوتیں تو..... تو میری بیٹی تباہی کے راستے پر ہرگز نہ جاتی۔ منحوس عورت نجانے کیوں میری زندگی میں آ گئی۔ میں اندھا ہو گیا۔ تمہارے جھوٹوں نے اسے تباہ کیا ہے۔" راہی شدید غصے میں تھا اس نے قریب ہی بیٹھی روبیکا کے بال نوچ ڈالے تو وہ تکلیف کی شدت سے چیخ اٹھی۔

"بی ہیو راہی! ختم کرو اپنا یہ جنگلی پن اور ہر وقت کی الزام تراشی۔ اس کے بگاڑ میں تمہارا بھی اتنا ہی ہاتھ ہے جتنا میرا۔"

"میرا..... میرا کیسے ہوا۔ میں..... میں۔" راہی کے دل میں ٹیس اٹھی وہ چپ ہو گیا۔ روبیکا نے اسے دیکھا اور ہمیشہ کی طرح دونوں ایک دوسرے پر الزام لگا کر راہی سینے میں اٹھتا درد سنبھال گیا اور روبیکا اس کے درد کی وجہ سے اپنا غصہ سمیٹتی اٹھ گئی۔

☆☆☆

فرجاد بہت خوش تھا۔ اس کو لندن میں سیٹل ہونے کے لیے کوئی تگ و دو نہیں کرنی پڑی تھی۔ یوں کہا جائے کہ پکی پکائی مل گئی تھی تو بے جا نہ تھا اور اسے اس پکی پکائی کی بہت قدر تھی۔ وہ جب سے آیا تھا پوری ایمان داری سے کام کر رہا تھا اور اس نے نوٹس کیا تھا کہ کچھ لوگ راہی کی نرمی اور خدا ترسی کا ناجائز فائدہ بھی اٹھا رہے تھے۔ فرجاد کو یہ بے ایمانی بہت کھل رہی تھی۔ اسی لیے اس نے سارے حالات راہی کے گوش گزار کر دیے تھے۔

"اچھا! ایسا بھی ہو رہا ہے مگر اس سے پہلے تو مجھے ایسی کوئی شکایت نہیں ملی کہ۔" راہی کو واقعی حیرت ہوئی تھی کہ سب ملازمین تو اس کے اعتبار اور بھروسے کے لوگ تھے۔

"اسی! بات کا تو افسوس ہے..... سر! کہ یہ انسان بھی کتنا موقع پرست اور خود غرض ہوتا ہے کہ جس تھالی میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے۔ آپ کے اسٹور اور کافی ہاؤس میں کرپشن کچھ اس انداز سے ہو رہی ہے کہ آپ کو آج تک پتا ہی نہیں چل سکا۔ یہ دیکھیے میں نے نیا رجسٹر بنایا ہے، آپ پرانا اور نیا سامنے رکھ کر دیکھیں آپ کو پتا چل جائے گا۔"

فرجاد نے باقاعدہ رجسٹر راہی کے سامنے رکھ دیے۔ ندیم راہی کے لیے کافی لے کر آ گیا۔ پھر جانے کب تک فرجاد راہی کو درست اور غلط دکھاتا اور سمجھاتا رہا۔ جب اس دھند سے باہر نکلے تو راہی نے فرجاد کو ساتھ لگا لیا۔

"تھینک یو سو مچ فرجاد بیٹے! میں تو اب تک اندھیرے میں تھا۔ مگر..... مگر اب بتاؤ، کیا کروں۔" راہی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"سر! ایمان داری سے کام کرنا میرا ایمان ہے۔ میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اب کیا کرنا ہے۔ یہ آپ بتائیں۔"

"کیا کروں بیٹا۔ اگر ان لوگوں کو نکالتا ہوں تو یہ سب بے روزگار ہو کر خوار ہو جائیں گے۔ پرائے ملک میں میرے ہم وطن پریشان ہوں، یہ مجھے گوارا نہیں۔ ایسا کرو کوئی ایسا راستہ نکالو کہ یہ لوگ اپنی غلطی مان کر ایمان داری سے کام کریں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں سر! میں آپ کے تعاون سے ان پر چیک اور بیلنس رکھوں گا۔ ان شاء اللہ حالات بہتر ہو جائیں گے۔"

فرجاد چیک اینڈ بیلنس کے طریقے بتا رہا تھا اور راہی ممنون نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹمی کا مستقبل اسے فرجاد کے ساتھ روشن نظر آ رہا تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

☆ فصل غم کا گوشوارہ — رضیہ جمیل — قیمت: -/300 روپے

☆ زرد موسم — راحت جبیں — قیمت: -/1000 روپے

☆ حساب دل رہنے دو — نبیلہ عزیز — قیمت: -/400 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

قرۃ العین خرم ہاشمی

یہ پہلا خواب

''چلو فرجاد بیٹا۔ اب سنبھالو تم کافی ہاؤس اور اسٹور۔ مجھے اب کوئی فکر نہیں۔''

''آپ کے اعتماد کا بہت شکریہ سر! اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کر دیجیے گا کہ میں یہ ذمہ داری پوری ایمان داری سے نبھا سکوں۔''

''ضرور بیٹا! جب انسان کی نیت نیک ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔''

''السلام علیکم.....!'' اچھی سی کافی ملے گی راہی صاحب۔'' اس آواز پر راہی اور فرجاد نے پلٹ کر دیکھا انور اور نجمہ اپنی بڑی بیٹی کے ساتھ دروازے سے اندر آ رہے تھے۔ راہی بازو پھیلا کر آگے بڑھا۔

''زہے نصیب آیئے۔ آیئے بھابھی! آج ہمارے کافی ہاؤس کی قسمت کیسے جاگ گئی۔'' راہی ہمیشہ کی طرح انور اور نجمہ کو دیکھ کر خوش ہوا تھا۔ فرجاد باس کے اس والہانہ انداز سے سمجھ چکا تھا کہ دوست قریبی ہے۔

''کافی کے لیے اپ اسٹیئر ٹیبل لگواؤں سر!'' فرجاد پوچھ رہا تھا۔

''کیوں بھابھی کیا کہتی ہیں۔ یہیں یا.....'' راہی، نجمہ کو دیکھ کر بولا جو فرجاد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

''جی میڈم! کہاں ٹیبل لگواؤں۔'' اب کے فرجاد نجمہ سے مخاطب تھا۔

''بیٹا یہیں لگوا دو۔'' نجمہ اور انور ماریہ سمیت ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

''اچھا بھابھی اور ماریہ بیٹا! آپ کافی کے ساتھ کیا لینا پسند کرو گی۔ کیوں انور؟''

راہی سب کی رائے پوچھ رہا تھا۔ فرجاد ایک ویٹر کے ساتھ حکم کا منتظر تھا۔

''نہیں راہی بھیا ہمیں تو روبیکا نے ڈنر پر بلایا ہے۔ کہہ رہی تھی کہ آجاؤ آج دیسی کھانے بن رہے ہیں تو انور کی تو رال ٹپکنے لگی۔ اور ہم اٹھ کر بھاگے۔''

''اچھا! اس کا ایسا کچھ پلان ہے۔ یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا اچھا فرجاد بیٹا اچھی سی کافی لے آؤ۔''

''یس باس۔'' فرجاد ویٹر کے ساتھ چلا گیا۔

''ویسے! یہ لڑکا خوب ملا ہے تمہیں، کام کا بھی ہے اور.....''

''ہاں اللہ کا احسان ہے انور، ورنہ میں تو..... پریشان ہی ہو گیا۔''

کافی کے دوران فرجاد پر بار بار نجمہ اور ماریہ کی نظریں ٹھہریں مگر وہ مصروف رہا پھر یہ سب راہی کے گھر کے لیے اٹھ گئے۔

''فرجاد بیٹا! یہ گاڑی کی چابیاں ہیں۔ ابھی تو میں انور کے ساتھ جا رہا ہوں۔ تم ایسا کرنا کہ رات کو گاڑی گھر لے آنا۔''

''جی سر!'' فرجاد نے چابی لے کر کہا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

پھر کام سنبھالتے وقت کا پتا ہی نہیں چلا وہ رات کے ڈھائی بجے فارغ ہوا تو گاڑی لے کر سرد فضا میں نکل آیا۔ آج برف باری تو نہیں ہوئی تھی پھر بھی سردی شدید تھی۔ اس نے مفلر منہ اور گردن پر لپیٹا اور گاڑی عین گھر کے گیٹ پر روکی۔

''یہ..... یہ کیا ہو رہا ہے؟'' فرجاد تیزی سے ٹمی اور اس کے بوائے فرینڈ کی طرف بڑھا۔ ٹمی شاید حواسوں میں نہیں تھی۔ لڑکا بھاگ گیا۔ ٹمی فرجاد کے بازوؤں میں آ گری۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

''زوئی! کہاں رہ گئی ہو؟ کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ ہر بار اندر کمرے سے ''آئی مما'' کہہ دیتی ہو۔'' حمیرا نے لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے تیسری بار آواز لگائی تو زوئی موبائل ہاتھ میں پکڑے، ہنستی ہوئی اپنے کمرے سے برآمد ہوئی۔

''اف مما! اتنے مزے کی ڈسکشن چل رہی تھی ہمارے ''کزن گروپ'' میں، مگر آپ نے بھی جلدی آؤ کا شور ڈالا ہوا ہے۔ اب بتائیں کیا ہوا؟''

زوئی نے ماں کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے موبائل گود میں رکھا۔ حمیرا نے اپنے نئے اسٹائل کے کٹے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور اسے گھورتے ہوئے بولیں۔

''اس فضول قسم کے ہنسی مذاق سے فرصت ہو تمہیں تو پتا چلے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔''

حمیرا کا مزاج آج خاصا خراب تھا۔ نہیں تو وہ اتنی جلدی غصے میں نہیں آتی تھیں۔

''اچھا بھئی! اب غصہ تو مت کریں۔ آپ ہی بتا دیں کہ دنیا میں ایسا کیا ہو رہا ہے جو آپ کی اس نالائق بیٹی کو پتا نہیں۔'' زوئی نے کہتے ہوئے لاڈ سے بازو ماں کے گلے میں ڈالے تو حمیرا کے غصے کا پارہ ایک دم سے نیچے آیا۔

''اچھا بس! پہلے مجھے ٹھنڈا پانی پلاؤ۔ ٹریفک بلاک میں پھنس کر دماغ ہل کر رہ گیا ہے۔'' حمیرا کے کہنے پر زوئی جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور کچھ دیر میں ہی ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر آ گئی۔ حمیرا نے پانی پی کر گلاس سامنے میز پر رکھا۔ حواس بحال ہوئے تو زوئی کی طرف متوجہ ہوئیں جو خاموش بیٹھی ماں کے بولنے کی منتظر تھی۔

''آج میں ارم کے ساتھ مون مارکیٹ گئی، اس نے مجھے بتایا کہ کلیئرنس سیل لگ گئی ہے۔ تمام برانڈز پر ہی تقریباً اور ''میرا'' پر تو ففٹی پرسنٹ آف ہے۔'' حمیرا نے ایک مشہور برانڈ کا نام لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں! ابھی گروپ میں بھی فائقہ بتا رہی تھی کہ تائی امی بھی شاپنگ پر جانے کا سوچ رہی ہیں۔ شاید وہ اور منزہ پھپھو ساتھ ہی جائیں۔'' زوئی نے لاپروائی سے کہا تو حمیرا اپنی جگہ سے اچھل ہی پڑیں۔

''کیا، یہ تم مجھے اب بتا رہی ہو؟ بے وقوف وہ ہم سے پہلے اچھے سوٹ لے آئیں گی۔ تم بس تیار ہو جاؤ۔ ہم ابھی چلتے ہیں۔ میں شیری کو فون کرتی ہوں، اپنے دوست کے ساتھ کہیں گیا تھا۔ اب تک تو فارغ ہو گیا ہوگا۔'' حمیرا نے کہتے ہوئے پاس پڑے بیگ سے اپنا موبائل نکالا۔

''مما! اتنی جلدی کیا ہے، کل چلے جائیں گے۔ آج میرا موڈ نہیں۔'' زوئی نے سستی سے کہا۔

''تم پاگل ہو، ففٹی پرسنٹ سیل میں کل تک کیا بچے گا، بس ہم ابھی ہی جا رہے ہیں۔'' حمیرا نے حتمی لہجے میں کہا۔

''مگر مما! آپ کا سر درد.....؟''

''اب ٹھیک ہو گیا ہے، تم تیار ہو جاؤ۔'' حمیرا نے کہتے ہوئے کال ملائی اور دوسری طرف جیسے ہی شیری نے فون اٹھایا، حمیرا نے اسے فوراً گھر آنے کا حکم دیا اور بغیر کچھ سنے فون بند کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد ہی شیری پریشان سا گھر میں داخل ہوا۔

''کیا ہوا مما! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' شیری نے پاس آ کر ماں کا ماتھا چھوتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں! مجھے کیا ہونا ہے؟ ''میرا'' پر ففٹی پرسنٹ سیل لگی ہوئی ہے۔ ہم ابھی وہاں ہی جا رہے ہیں۔'' حمیرا نے کہا تو شیری گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھا اور سر پکڑ کر بولا۔

''اللہ بھلا کرے اس میرا کا اور میرا جیسی سب نامور ڈیزائنرز کا۔ ضرور کسی دن میرا بہت بڑا نقصان کروائیں گی یہ خواتین۔''

شیری نے خود کلامی کی اور ماں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''مما! کیوں اپنے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے سے محروم ہونا چاہتی ہیں۔ آپ کو پتا ہے، آپ کی کال سن کر پریشانی میں سب کام چھوڑ کر گھر کی طرف گاڑی اتنی اسپیڈ میں چلائی کہ بس..... کچھ تو رحم کریں مجھ پر۔ پہلے ہی میرے سہرے کے پھول نہیں کھل رہے اور.....!''

شیری نے کہا تو حمیرا کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر تسلیم کرنے کے بجائے، شیری کو ہی گھورنے لگیں۔

''بکواس بند کرو۔ پہلے تم کچھ کھا لو۔ پھر چلتے ہیں۔''

حمیرا کے دل پر شیری کی بات لگی تھی۔ اس لیے اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر پہلے کچن میں گئیں۔ شیری کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہائے یہ مائیں بھی ناں، رب نے کتنی پیاری اور مشک بوٹی سے انھیں تخلیق کیا ہے۔ چاہے کسی بھی حال میں ہوں، ان کی مٹی سے ممتا کی مہک پھوٹتی ہی رہتی ہے۔''

شیری نے محبت سے سوچا اور مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ جب تک، وہ فریش ہو کر آیا حمیرا بھاپ اڑاتی چائے کے ساتھ اس کے پسندیدہ سینڈوچ بنا کر لے آئیں۔ اس وقت زوئی بھی تیار ہو کر وہاں آ گئی۔

''میں بھی کھاؤں گی۔'' زوئی نے چہکتے ہوئے پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ شیری نے فوراً پلیٹ پیچھے کر لی۔

''یہ ماں بیٹے کا انمول پیار ہے، تم ایک بیٹی ہو اور بیٹی پرایا دھن۔ چلو بھاگو یہاں سے۔''

اس نے ہمیشہ کی طرح زوئی کو چڑایا۔ زوئی اور اس میں صرف دو سال کا فرق تھا۔ وہ زوئی سے دو سال بڑا تھا۔ حمیرا نے گہری سانس لے کر دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں بھرپور مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ تیار ہی رہتے تھے مگر آج حمیرا کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھیں۔ اس لیے آگے بڑھیں اور اس کی پلیٹ میں سے سینڈوچ اٹھا کر سرونگ پلیٹ میں رکھ کر زوئی کی طرف بڑھایا۔ زوئی نے خوشی سے تھام لیا۔

''دیکھا، ماں کا پیار اپنے سب بچوں کے لیے برابر ہوتا ہے۔ بڑا آیا مجھے پرایا کہنے والا۔'' زوئی نے بدلہ لیتے ہوئے منہ چڑایا۔

''دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔'' شیری نے منہ بنا کر کہا۔

''ویسے شیری! اگر تم اپنی نیت اور کرتوت کچھ صحیح کر لو تو مجھے امید ہے کہ بہت جلد تمہارے بھی ہاتھ پیلے ہو جائیں گے۔ خود سوچو لوگ کیا کہیں گے کہ چھوٹی بہن کی شادی ہو گئی مگر ایک کماؤ پوت، مناسب شکل و صورت والے لڑکے کی نہیں۔''

زوئی نے اس کا مذاق اڑایا تو شیری فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

''بھئی وہ تو ہمیں ہی کوئی لڑکی پسند نہیں آ رہی۔ نہیں تو خاندان میں تو بہت سے لوگ تمہارے لیے کہہ رہے ہیں۔ ذیشان کی بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد آخر اس کا رشتہ ہو ہی گیا۔ آج اپنی بیوی کے ساتھ لندن بیٹھا ہوا ہے۔''

حمیرا بڑے بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے شیری کی حمایت میں بولیں۔ شیری سر ہلا کر رہ گیا۔

''جی مما! آپ کے پہلے فیصلے کا اثر دیکھا ہے۔ اس لیے تو ڈرتا ہوں کہ آپ کہیں مجھے بھی سمندر پار نہ بھیج دیں۔ ویسے لوگ بیٹیوں کو رخصت کرتے ہیں اور ہمارے والدین اپنے بیٹوں کو پرائے دیس بھیج کر کتنے مطمئن ہیں، حق ہا۔''

شیری کے کہنے پر حمیرا نے اسے گھورا جبکہ زوئی نے بہ مشکل اپنی ہنسی روکی۔ اس کا نکاح خالہ زاد اشعر سے تین مہینے پہلے ہوا تھا۔ اسے رخصت ہو کر دوسرے شہر ہی جانا تھا۔ آج کل حمیرا شیری کے لیے رشتے دیکھ رہی تھیں مگر اسے کوئی بھی پسند نہیں آ رہا تھا۔

''اچھا! یہ فضول کی بحث چھوڑو اور ابھی نکلو۔ تمہارے پاپا کے آفس سے واپس آنے سے پہلے ہم نے واپس بھی آنا ہے۔ نہیں تو وہ غصہ کریں گے کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔''

حمیرا نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ فرخ کے آنے میں ابھی کافی وقت تھا۔ اس لیے وہ مطمئن ہوکر بولیں۔

"رہنے دیں مما! بھلا پاپا کی کیا جرأت کہ آپ کو کچھ بول سکیں۔ بے چارے معصوم عوام کی طرح، بس خاموش تماشائی بنے آپ کی حکمرانی کے کرشمے ہی دیکھتے رہتے ہیں۔" شیری نے شرارت سے کہا اور جلدی سے گاڑی کی چابی اٹھا باہر کی طرف بھاگا کیونکہ اب حمیرا کے تیور خطرناک ہو چکے تھے۔

یہ سچ ہے کہ عورت حکمرانی کر کے بھی ساری عمر خود کو مظلومیت کے لبادے میں ملبوس دیکھنا چاہتی ہے۔

☆☆☆

"حد ہوگئی بیگم صاحبہ! میں کتنی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔" وہ تینوں تھکے ہارے لاؤنج میں داخل ہوئے تو نیوز چینل دیکھتے فرخ نے خفگی سے کہا۔ حمیرا نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ وہ شرمندہ ہوگئیں۔ انہیں اچھی طرح پتا تھا کہ فرخ آٹھ بجے تک کھانا کھا لیتے ہیں مگر شاپنگ اور رش کی وجہ سے آنے میں دیر ہوگئی۔

"سوری! میں بس ابھی روٹی بنا کر لاتی ہوں۔ دس منٹ لگیں گے۔" حمیرا نے بیگز صوفے پر رکھے اور تیزی سے کچن کی طرف بڑھیں۔

"مما! آپ رہنے دیں، میں روٹی بناتی ہوں۔ آپ تھک گئی ہیں آج۔" زوئی نے ماں کی ہمدردی میں کہا تو فرخ نے ایک نظر اٹھا کر دونوں کی طرف دیکھا۔

"تم ماں بیٹی یہ کیوں ثابت کرنا چاہ رہی ہو کہ میں ایک ظالم شخص ہوں۔ بھئی آرام سے بیٹھ جاؤ، آج اگر دیر بھی ہوگئی تو کیا ہوا۔ کھا لیتے ہیں کھانا بھی۔" فرخ نے نرم لہجے میں کہا تو شیری گلا کھنکار کر بولا۔

"پاپا! میں نے تو سنا ہے کہ آپ کے ڈر سے بڑے بڑے لوگ تھر تھر کانپتے ہیں۔"

"شیری بیٹا! لگتا ہے کہ آپ کو ایک اچھی سی ڈوز کی سخت ضرورت ہے۔" حمیرا نے پلٹ کر کہا تو شیری نے دونوں ہاتھ اٹھا کر صلح کا پرچم لہرایا۔

"یہ تم سب کو ڈرڈرز میں کیوں بات کرنے لگے ہو۔" فرخ نے حیرت سے سب کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں، پہلے کھانا کھاتے ہیں۔ پھر آپ کو آج کی شاپنگ دکھاتی ہوں۔ قسم سے کمال کے پرنٹس ملے ہیں۔ خاندان میں کسی دعوت پر پہن کر جاؤں گی تو دھوم مچ جائے گی۔ پہلے ہی سب میری پسند کو سراہتے ہیں۔"

حمیرا خوشی سے سرشار کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ زوئی بھی ماں کی مدد کروانے لگی۔

"اچھا میری بات سنو، جس کے لیے میں تمہاری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔" کھانے کے بعد فرخ نے گرین ٹی کا کپ پکڑتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ حمیرا نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"میں نے شیری کے لیے ایک رشتہ دیکھا ہے۔"

"ہیں پاپا....." شیری نے جلدی سے آگے ہوتے ہوئے کہا مگر پھر ماں باپ کی گھوری دیکھ کر فوراً پیچھے ہٹا۔ فرخ نے آنکھ کے اشارے سے، اسے کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ شیری منہ بناتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

"مجھ سے تو ایسے چھپا رہے ہیں جیسے شادی میری نہیں، اپنی کرنی ہے۔" شیری کی بڑبڑاہٹ زوئی نے سن لی۔ اس لیے اپنی ہنسی کو نہیں روک سکی۔

"کچھ کہا برخوردار!" فرخ نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ گھونگھٹ اوڑھ کر بیٹھ جاؤں۔" شیری نے جل کر کہا اور فوراً فو چکر ہوگیا۔ حمیرا اور فرخ بے ساختہ ہنس پڑے۔

"میرا دوست ہے ناں قاسم! تم اس کی بیوی سے تو ملی ہوئی ہو۔ کتنی اچھی اور اپ ٹو ڈیٹ ہیں اسماء بھابھی! اسماء بھابھی اپنی بہن کے لیے رشتے دیکھ رہی ہیں۔ ان کی بہن نے فائن آرٹس میں ماسٹرز کیا ہے۔ میں آج کسی کام سے قاسم کے گھر گیا تو وہ بچی بھی وہاں آئی ہوئی تھی۔ بہت اچھی اور خوب صورت بچی ہے۔ مجھے تو پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی۔ چائے وہ ہی بنا کر لائی تھی۔ تم کہو تو کسی دن چلیں ان کے گھر۔"

فرخ نے جلدی سے کہا تو حمیرا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں تو خود چاہتی ہوں کہ شیری کا رشتہ جلد از جلد طے ہو تاکہ زوئی اور اس کی شادی ساتھ ہی کر دیں۔ اچھا ہے ذیشان کو بھی بار بار چھٹی لے کر پاکستان نہیں آنا پڑے گا۔"

حمیرا کے کہنے پر زوئی کنفیوژ ہو کر فوراً وہاں سے اٹھ گئی۔ فرخ نے بے خیالی میں پوچھا۔

"یہ کہاں گئی؟"

"گھونگھٹ اوڑھنے۔" حمیرا نے بے ساختہ کہا تو فرخ بھی سمجھ کر ہنس پڑے۔

☆☆☆

نٹ کھٹ اور شوخ سی سحرش ان سب کو پہلی نظر میں ہی بہت پسند آئی۔ چھوٹی سی فیملی تھی۔ چار بہن بھائی۔ سب شادی شدہ۔ سحرش سب سے چھوٹی تھی۔ خوب صورت تو وہ تھی ہی مگر اسے پہننے اوڑھنے کا بھی سلیقہ تھا۔ حمیرا اور فرخ تو راضی تھے ہی، ساتھ ہی زوئی اور شیری کو بھی سحرش بہت پسند آئی تھی اور لڑکی والوں کی گرم جوشی سے لگ رہا تھا کہ انھیں شیری بھی بہت پسند آیا ہے۔ چند ملاقاتوں کے بعد بات منگنی تک پہنچ گئی۔ منگنی کے فنکشن کی باقاعدہ تیاریاں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں۔ شیری ان دنوں ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ خاندان میں ابھی اس کے رشتے کی خبر نہیں پھیلی تھی۔ حمیرا کا خیال تھا کہ جب تک باقاعدہ کوئی رسم نہ ہو جائے، پہلے سے شور ڈالنا اچھا نہیں ہوتا۔

"شیری شام کو جلدی گھر آجانا۔ "میرا" پر فنفٹی پرسنٹ آف ہے، بہت زبردست پرنٹ ہیں۔"

حمیرا نے کہا تو شیری "جی اچھا" کر کے رہ گیا۔ شام کو وہ زوئی اور حمیرا کو شاپنگ پر لے گیا۔

"میرا" کے آؤٹ لیٹ پر بہت رش تھا۔ مرد سب باہر کھڑے تھے۔ صرف عورتوں کو اندر جانے کی اجازت تھی مگر وہ بھی ایک لمبی لائن کے بعد۔ شیری سخت بدمزا ہو کر گاڑی میں بیٹھا رہا اور دل ہی دل میں ان برانڈز کو کوستا رہا۔

"اگر سحرش کو بھی ان برانڈز کا کریز ہوا تو....." آنے والے مستقبل کے خدشے نے ایک لمحے کے لیے شیری کو ہلا دیا۔

"میں سیل لگنے سے پہلے ہی اسے کپڑے لے دوں گا۔ تھوڑے مہنگے ہی سہی مگر اس انتظار سے تو جان چھوٹے گی۔" شیری نے منصوبہ بندی کرتے ہوئے خود کو داد دی۔ جب اسے زوئی اور حمیرا آتے ہوئے نظر آئے۔

"اتنی جلدی..... لگتا ہے کہ کچھ پسند نہیں آیا۔" شیری نے ان کے لٹکے ہوئے منہ دیکھ کر سوچا۔

"کیا ہوا؟" شیری نے ان کے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ نہیں، تم بس گھر چلو۔" حمیرا نے منہ بنا کر کہا۔

"اتنی بدتمیز اور جاہل لوگ ہیں، برانڈ پر ایک سیل کیا لگی، سب اخلاقیات، تمیز اور طریقے بھول گئے۔ خواتین ایک ایک سوٹ پر ایسے بحث کر رہی تھیں جیسے سوٹ نہ ہو گیا مسئلہ کشمیر ہوگیا۔ چھینا جھپٹی..... کوئی پرسان حال ہی نہیں تھا قسم سے۔"

گھر آتے آتے حمیرا پھٹ ہی پڑیں۔

"اچھا اس لیے آپ نے کچھ نہیں لیا۔" شیری نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیتے خاک، ایک سوٹ پر کب سے نظر تھی مگر اس کی قیمت بہت زیادہ۔ سوچا تھا کہ جب سیل لگے گی تو لے لوں گی۔ آج جب وہ سوٹ میری پہنچ میں تھا تو....."

حمیرا کہتے کہتے چپ ہوگئیں۔ پانی پیتی زوئی نے ایک تاسف بھری نظر ڈالی مگر ماں پر نہیں بلکہ

بھائی پر۔

"تو کیا ہوا مما! کچھ اور لے لیتیں۔" شیری نے لاپروائی سے کہا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا۔

"جو پسند تھا اگر وہ نہیں ملا تو کچھ اور کیوں لے لیتی۔" حمیرا نے ضدی بچے کی طرح کہا۔ شیری کندھے اچکا کر رہ گیا۔

☆☆☆

"حمیرا بیگم! مجھے آپ سے اس بے وقوفی کی امید ہرگز نہیں تھی۔ کچھ اور نہیں تو اپنی عمر اور رتبے کا ہی خیال کر لیتیں۔"

فرخ کا پارہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس لیے حمیرا نے بحث کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کی۔ جب کہ آفس سے تھکا ہارا لوٹا شیری حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔

"ریلیکس پاپا! آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی، پہلے ہی آپ کا بی پی نارمل نہیں رہتا۔ ڈاکٹر نے کوئی بھی ٹینشن لینے سے منع کیا ہے۔"

شیری نے باپ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا تو فرخ گہری گہری سانس لیتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔

"بی پی تو ہائی رہے گا جب گھر میں ایسی بچکانا حرکتیں ہوں گی۔" فرخ نے پھر حمیرا کو گھوری ڈالی جو منہ میں بڑبڑا کر رہ گئیں۔

"آخر ہوا کیا ہے پاپا؟" شیری نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"یہ تم اپنی ماں سے پوچھو، ایک برانڈڈ سوٹ کی خاطر دکان میں جو تماشا لگایا سو لگایا، ساتھ ہی تمہارا رشتہ بھی توڑ آئی ہیں۔ آج قاسم کا فون آیا تھا۔ اس سے ساری تفصیلات جان کر میں کتنا شرمندہ ہوا۔ یہ بس میں ہی جانتا ہوں۔"

فرخ نے غصے سے کہا۔ شیری اپنی جگہ سے اچھل ہی پڑا۔

"میرا رشتہ.....!" وہ بے یقینی سے بولا۔

"آپ کو غیروں کی بات پر یقین ہے مگر میری بات پر نہیں۔ زوئی سے پوچھ لیں کہ غلطی کس کی تھی۔" حمیرا نے کہا۔

"مما کی۔" پاس کھڑی زوئی نے ڈرتے ڈرتے کہا تو حمیرا نے اسے گھورا۔

"سوری مما! مگر آپ بہت زیادہ ہائپر ہو گئی تھیں۔ سحرش کی فرینڈ نے آپ کو پہلے کئی بار کول ڈاؤن ہونے کا کہا مگر جب آپ چپ نہیں ہوئیں تو پھر وہ بھی شروع ہو گئی۔" زوئی کے کہنے پر فرخ بولا۔

"اصل بات تفصیل سے بتاؤ زوئی!"

"پاپا! مما کو ایک سوٹ پسند آیا۔ بہت رش ہونے کی وجہ سے تمام سیلز مین مصروف تھے۔ مما ایک سیلز مین کو بلانے کے لیے تھوڑا آگے گئیں تب ہی ایک اور لڑکی نے آ کر وہ سوٹ پیک کروا لیا۔ مما بھی اسی وقت آ گئیں۔ اتفاق سے وہ آخری سوٹ ہی بچا تھا بس پھر کیا تھا مما نے اس لڑکی کو بے نقط کی سنائیں۔ پہلے وہ لڑکی تحمل سے سنتی رہی مگر جب مما اس کی ذات تک پہنچ گئیں تو اس لڑکی نے بھی صبر کا دامن چھوڑ کر بحث شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے وہاں کافی تماشا لگ گیا اور سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ لڑکی سحرش کی بیسٹ فرینڈ ہے اور وہ دونوں بھی وہاں شاپنگ کرنے آئی ہوئی تھیں۔"

یہ ساری تفصیل سننے کے بعد شیری دل تھام کر رہ گیا۔ اسے اپنے سہرے کے پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھاتے ہوئے نظر آ رہے تھے جبکہ فرخ نے ناراضی سے حمیرا کی طرف دیکھا۔

"بیگم صاحبہ! کچھ اور نہیں مگر آپ کم از کم میری عزت کا ہی کچھ خیال رکھتیں۔ کتنے لوگوں نے یہ تماشا دیکھا اور اپنے موبائل میں ریکارڈ کر لیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک فیس بک پر اپ لوڈ ہی کر دیا ہو۔ اچھے اور بڑے برانڈز پہننا قابل فخر ہو نہ ہو مگر اچھا اخلاق اور بڑا ظرف ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

فرخ نے افسوس سے کہا تو حمیرا نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"ہاں مجھے بھی اپنی جلد بازی اور برے رویے پر شرمندگی ہے۔ کیا میں لڑکی والوں سے معافی مانگ لوں۔" حمیرا نے پریشانی سے پوچھا تو فرخ نے نفی میں سر ہلایا۔

"بیگم صاحبہ! رشتہ ہونے سے پہلے ہی ایسی باتیں ہونا اور کسی ایک فریق کا بھی جھکنا، رشتے میں توازن نہیں رہنے دیتا۔ لڑکی والوں نے اس رشتے سے معذرت کر لی ہے، بہتر ہے کہ ہم بھی اس بات کو بھول کر آگے کی طرف دیکھیں۔ کیوں شیری!" فرخ نے گم صم سے شیری سے پوچھا تو وہ صرف سر جھکا کر رہ گیا۔

"مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ یہ برانڈز کی اندھی دوڑ میرے لیے ضرور کوئی مسئلہ کھڑا کرے گی۔ آج سے تمام برانڈز کا مکمل بائیکاٹ.....!"

شیری نے دل میں عہد کیا۔

☆☆☆

"مما! مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ شیری کو آخر ان برانڈز سے مسئلہ کیا ہے؟" انعم نے شاپنگ بیگ گاڑی میں رکھتے ہوئے سوال کیا تو حمیرا گڑبڑا کر رہ گئیں جبکہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی زوئی کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

انعم اور شیری کی شادی کو ایک سال ہو گیا تھا جبکہ زوئی کی شادی اشعر کو ملنے والی جاب کی وجہ سے لیٹ ہو گئی اور اب تاریخ طے ہوتے ہی ان تینوں کے بازاروں کے چکر پر چکر لگ رہے تھے۔

"بس انعم! اپنی اپنی عادت کی بات ہوتی ہے، ان کے پاپا بھی کب میرے ساتھ شاپنگ کرنے جاتے ہیں۔" حمیرا نے پھیکے انداز میں کہا۔

"مگر مما! شیری کو میرے ساتھ شاپنگ کرنے پر تو کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا بس جب میں کہہ دوں کہ کسی برانڈ پر سیل لگی ہے تو شیری کو موڈ ایک دم ہی آف ہو جاتا ہے اور مجھے سختی سے کسی بھی سیل پر جانے سے منع کرتے ہیں۔" انعم نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے روڈ پر لاتے ہوئے کہا۔

"دراصل بھابھی! بھائی نہیں چاہتے کہ اب کی بار بھی ان کا کوئی نقصان ہو۔" زوئی نے شرارت سے کہا۔

"نقصان کیسا؟" انعم نے بیک مرر سے اسے دیکھا۔

"بھابھی پیسوں کا اور کس کا....." زوئی نے جلدی سے کہا تو انعم ہنس پڑی۔

"بھئی جلدی سے مجھے فریش جوس پلاؤ۔ طبیعت گھبرا رہی ہے میری۔"

حمیرا نے کہا تو انعم نے "جی اچھا" کہہ کر گاڑی جوس کارنر کی طرف موڑ لی۔ حمیرا نے اس کا دھیان بٹنے پر شکر ادا کیا تھا۔

وہ اب اسے کیا کہتیں کہ شیری کیوں ایسا کرتا ہے؟

انعم نے شیری سے بھی یہ بات کئی بار پوچھی اور وہ مسکرا کر ٹال دیتا۔ وہ اپنی پیاری بیوی کو برانڈز پر لگنے والی سیل سے دور رکھتا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کہ بیوی بھی — ففٹی پرسنٹ سیل کے پیچھے لگ کر اپنے اچھے اخلاق اور مہذب انداز کو بھول جائے اور سب کی نظروں میں تماشا بنے اور یہ بھی تھا کہ.....

"زندگی بھلے آپ کو وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ عطا کر دیتی ہے مگر آنکھوں میں سجا پہلا خواب کبھی نہیں بھولتا۔"

شیری بس اس "مگر" سے دور بھاگتا تھا کہ پہلے جو نقصان ہوا، وہ صرف آنکھ میں سجے اولین اور نو چیز خواب کا تھا اور اب کی بار اگر کوئی نقصان ہوتا تو "دل" کا ہوتا اور اسے اپنے دل کی بہت فکر تھی۔

☆☆

مکمل ناول

نفیسہ سعید

زندگی تم ہی ہو

اونچی نیچی پگڈنڈی پر چلتی جیپ بالآخر رک گئی یقیناً وہ اپنی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ زرک نے اپنی موندی ہوئی آنکھیں کھول کر کھڑکی کے اس پار دیکھنے کی کوشش کی جہاں ہر سو اندھیرا پھیلا ہوا تھا شاید یہاں بھی بجلی کی لوڈشیڈنگ کا سلسلہ جاری تھا ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ حیات خان نے جلدی سے نیچے اتر کر اس کی جانب کا دروازہ کھول دیا۔

''آجائیں صاحب جی گھر آ گیا ہے۔''

وہ خاموشی سے نیچے اتر آیا سامنے ہی ایک خوب صورت سفید رنگ کا کاٹیج تھا جسے چاروں طرف سے ہریالی نے گھیر رکھا تھا اس نے گھپ اندھیرے میں دور دور تک اپنی نگاہ دوڑائی، ہر طرف پھیلا سبزہ اس کی روح کو تراوٹ بخش گیا۔ فطرت سے محبت ایک ایسا قدرتی امر تھا جس نے ہمیشہ اسے اپنے سحر میں جکڑے رکھا، یہی وہ سبب تھا جو اس نے اپنے لیے محکمہ جنگلات کو بطور ملازمت منتخب کیا اور اس سلسلے میں وہ پاکستان کے جس شہر میں گیا وہاں کے قدرتی حسن نے اسے ہمیشہ متاثر کیا۔

اب تو اس کا ٹرانسفر ویسے بھی سوات جیسے حسین ترین مقام پر ہوا تھا جس کا ماورائی حسن ساری دنیا میں مشہور تھا۔ رہائش کے لیے اسے مرغزار کے پہاڑی مقام پر یہ خوب صورت کاٹیج دیا گیا، جسے دیکھتے ہی زرک کی تمام سفری تھکاوٹ پل بھر میں دور ہوگئی۔ وہ وہیں جیپ کے پاس کھڑا ہو گیا جب کہ حیات خان نے آگے بڑھ کر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا جس کی آواز دور تک سنائی دی اور اگلے ہی پل لکڑی کا بڑا سا گیٹ کھول کر ایک بوڑھا شخص باہر نکل آیا جو شاید یہاں کا چوکیدار تھا۔

''سلام صاحب جی!'' باہر نکلتے ہی اس نے زرک کو مخاطب کیا۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے اپنے مفلر کو کانوں کے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے جواب دیا جبکہ حیات خان اس کا بیگ اٹھائے آگے کی جانب بڑھ گیا۔ زرک نے اندر داخل ہو کر یہاں وہاں ایک نظر دوڑائی وہ پچھلے ایک سال سے اسلام آباد میں رہائش پذیر تھا، جہاں کراچی، لاہور جیسی رونق بے شک نہ تھی لیکن اتنی ویرانی بھی نہ تھی جو اسے یہاں دکھائی دی۔ شام کے سات بجے ہی اس علاقے میں ہر طرف ایک ہو کا عالم طاری تھا۔ اندھیرے میں چاروں اطراف موجود بڑے بڑے درخت کسی بھوت کا ہیولا دکھائی دے رہے تھے، مگر زرک کو یہ منظر بھی دیگر مناظر کی طرح خوب صورت دکھائی دیا۔ اس سے کچھ دور آگے چلتے حیات خان نے سامنے موجود لکڑی کے بڑے سے دروازے کو دھکیلا۔ سامنے لاؤنج کے عین درمیان ایک عمر رسیدہ خاتون کھڑی تھیں، جن کے ہونٹوں پر سجی استقبالیہ مسکراہٹ زرک کو بڑی بھلی سی محسوس ہوئی۔

''ہیلو......'' حیات خان کے بعد دوسری نگاہ

اس نے زرک کے چہرے پر ڈالی۔

"یہ لیڈی مارگریٹ ہیں اس کانیج کی مالک، اور مسز مارگریٹ یہ ہمارے نئے فارسٹ آفیسر مسٹر زرک آفریدی جن کا ٹرانسفر حال ہی میں یہاں ہوا ہے۔" حیات خان نے تفصیل سے دونوں کا تعارف کروایا۔

"ویلکم مائی سن میں آپ کو یہاں دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتی ہوں۔" وہ اپنی گردن کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

"مجھے امید ہے کہ آپ کو ہمارا یہ علاقہ بہت پسند آئے گا اور آپ یہاں بہت انجوائے کریں گے۔"

"ان شاء اللہ۔" مختصر سا جواب دے کر اس نے اپنے سامنے کھڑی خاتون کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیا، گھٹنوں تک کی فراک، کانوں تک آتے کرلی گرے سے بال، ہلکی نیلی آنکھیں، تقریباً پچپن سالہ لیڈی مارگریٹ اس عمر میں بھی خاصی فریش اور چاق و چوبند دکھائی دے رہی تھیں۔

"حیات خان! ان کا سامان اوپر سیڑھیوں کے بالکل سامنے والے کمرے میں رکھ دو۔ اس کی پیچھے والی کھڑکی سے دریائے سوات کا نظارہ بڑا بھلا دکھائی دیتا ہے، جو صبح صبح ہمارے فارسٹ آفیسر کی طبیعت کو یقینی طور پر شانت کرے گا۔" لیڈی مارگریٹ نے ہنستے ہوئے حیات خان کو مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہے میم۔" وہ اثبات میں سر ہلاتا سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

"آپ ڈنر میں کیا لیں گے؟" کچن سے برآمد ہونے والی خاتون غالباً یہاں کک تھی۔

"شکریہ فی الحال میں کچھ نہیں کھاؤں گا، بہت تھک گیا ہوں آرام کروں گا۔"

اس نے پنڈی سے یہاں تک کا سفر اسی جیپ میں طے کیا تھا جسے حیات خان ڈرائیو کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے سر آپ اوپر آجائیں۔" اس کی بات سن کر حیات خان سیڑھیوں پر ہی رک گیا۔ زرک اس کے ساتھ ہی اوپر آ گیا جہاں سیڑھیوں کے عین سامنے والے کمرے میں اس کا سامان رکھ کر حیات خان واپس چلا گیا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا اتنا کہ بیڈ پر گرتے ہی نیند کی گہری وادیوں میں اتر گیا۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی کلاس سے باہر نکلی نگاہ سامنے درخت سے ٹیک لگائے کھڑے خیام پر پڑی سوچا اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائے مگر ہائے رے دل، جس نے اس کی یہ بات ماننے سے صاف انکار کر دیا آگے بڑھتے اس کے قدم رک گئے اور وہ واپس اس طرف آ گئی جہاں خیام اس کا منتظر کھڑا تھا۔

"شکر ہے تم آئیں تو، جانے کب سے تمہارے انتظار میں کھڑا ہوں، لگتا ہے صدیاں بیت گئیں تمہیں دیکھے ہوئے۔" وہ اس کی جانب تکتے ہوئے ایک جذب کے عالم میں بولا۔

"تمہیں تو پتا ہے کہ میری کلاس تین بجے ہی ختم ہوتی ہے۔" اپنے لہجہ کو بالکل نارمل رکھتے ہوئے اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

"ہاں پتا ہے مگر اپنے دل کا کیا کروں جو تمہیں دیکھنے کی چاہ میں دن رات ہمکتا رہتا ہے اور آج تو پورے ایک ہفتہ بعد میں گاؤں سے آیا ہوں۔ بیجل سوچو ذرا میرا پورا ہفتہ تمہیں دیکھے بنا کیسے گزرا ہے۔" اپنے لہجہ کا فسوں پھونکتا ہوا وہ اس کے قریب ہوا..... اتنا قریب کہ اس کے دھڑکتے دل کی آواز بیجل کو اپنے کانوں سے ٹکراتی محسوس ہوئی یہ آواز، یہ لہجہ اور یہ انداز اسے ایک جہاں بھلا دیتا تھا۔ مگر آج ایسا نہ ہوا وہ محبت کے ساگر میں ڈوبنے سے پہلے ہی ابھر کر باہر آ گئی، بے شک اس طرح، اس لمحہ کی گرفت سے باہر نکلنا ایک مشکل کام تھا مگر آج وہ ہر مشکل کام سر کرنے کا عہد کر کے گھر سے نکلی تھی۔ آج اسے محبت کے سمندر کے اس پار اتر جانا تھا وہاں، جہاں دنیا کی تمام حقیقتیں اس کے سامنے ایک سچائی کی طرح کھڑی تھیں۔

"خیام....." اپنے لہجے کو مضبوط کرتے ہوئے اس نے الفاظ جمع کیے۔ "مجھ سے ملنے یہاں مت آیا کرو کیونکہ بہت جلد میں یہ سب کچھ چھوڑ کر بہت دور جانے والی ہوں اتنی دور جہاں کی ہوا میں بھی تمہاری کوئی یاد نہ ہو۔" باوجود کوشش کے اس کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"اچھا۔" وہ ہنس دیا، دل کو اپنی طرف کھینچنے والی ظالم ہنسی۔

"کہاں جانے والی ہو تم مجھے اس طرح یہاں تنہا چھوڑ کے۔"

وہ اس کے اور قریب ہوا..... اتنا قریب کہ اس کے مخصوص کلون کی خوشبو نے بیجل کی ناک کے نتھنوں سے ٹکراتے ہی اس کے سارے اعتماد کو ڈانواں ڈول کر دیا۔

"ابھی تک ناراض ہو کہ میں تمہیں بنا بتائے کیوں گیا۔" بیجل کے اڑتے بال اپنے ہاتھوں سے سنوارتے وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں خیام؟" وہ جلدی سے پیچھے کی جانب ہٹتے ہوئے بولی۔ "تم غلط سمجھ رہے ہو جبکہ بات صرف اتنی ہے کہ....." اپنا جملہ درمیان میں ہی روک کر اس نے خیام کے چہرے پر ایک نظر ڈالی سرخ و سفید رنگت، کالی مونچھوں کے سائے تلے مسکراتے لب

یا خدایا! یہ محبت اتنا کڑا امتحان کیوں لیتی ہے۔

اس نے فوراً اپنی نظریں چرائیں، ڈر تھا کچھ دیر اور یہ چہرا دیکھا تو شاید ہار جائے گی۔

"میری شادی طے ہو گئی ہے خیام!" دھیرے دھیرے اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ تھے یا بم، خیام اپنی جگہ کھڑا کھڑا لرز گیا۔

"پلیز بیجل مجھ سے ایسا مذاق مت کرو، تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں مذاق میں بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم میرے سوا کسی اور کی ہو جاؤ۔" اسے کسی طور بیجل کی بات پر یقین ہی نہ آیا۔ "آگ لگا دوں گا میں اس دنیا کو جہاں تم میری نہ ہو میں۔"

"میں تم سے مذاق نہیں کر رہی خیام۔" اس کی آواز میں نمی سے گھل گئی۔

"میں نے تم سے کتنی بار کہا کسی کو بھیجو میرے گھر رشتہ کے لیے، مگر جانے کیوں تم نے کبھی بھی میری اس بات کو سنجیدگی سے نہ لیا ہمیشہ ٹال مٹول کرتے رہے۔ میں کہتی تھی نا کہ کوئی نوکری کرو، اپنے پاؤں پر کھڑے ہو تاکہ میں اپنے گھر میں، تمہارے لیے کوئی اسٹینڈ لے سکوں مگر تم تو شاید میری ہر بات کو مذاق ہی سمجھتے رہے بالکل ایسے جیسے آج سمجھ رہے ہو۔" بولتے بولتے وہ تلخ ہو گئی۔

"تم جانتی ہو بیجل میں اچھی جاب کی تلاش میں تھا اور یہ دیکھو آج ہی مجھے یہ اپائنٹمنٹ لیٹر آیا ہے۔"

اس نے جلدی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک خاکی لفافہ باہر نکالا۔

"یہ دیکھو مجھے یو اے ای میں بہت اچھی ملازمت ملی ہے اور یہ بات میں نے سب سے پہلے تمہیں بتانی تھی۔ اس لیے پچھلے دو گھنٹے سے یہاں دھوپ میں کھڑا تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور ایک تم ہو جو جانے غصہ میں کیا کیا بولے جا رہی ہو بنا یہ جانے

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے

بہنوں کیلئے خوبصورت ناول

یہ گلیاں یہ چوبارے

فائزہ افتخار

قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر:

32735021

کہ تمہارے الفاظ میرے دل کو چیر رہے ہیں۔"
اس کے لہجہ میں موجود بے قراری نے سجیل کو دکھی سا کر دیا۔
"پلیز سجیل! کہہ دو کہ تم نے ابھی ابھی جو کچھ کہا وہ محض مذاق تھا تم مجھے ڈرا رہی تھیں نا..... کہہ دو سجیل! کہ تم میرے سوا کبھی کسی کی نہیں ہو سکتیں۔ بولو نا سجیل کیوں اس طرح خاموش کھڑی ہو۔"
وہ سجیل کے دونوں ہاتھ تھامے اس سے ایک ایسی بات کی یقین دہانی چاہ رہا تھا جو اب ممکن نہ تھی سجیل کو کھو دینے کا خوف اس کے دل میں اپنے پنجے گاڑ چکا تھا۔
"اچھا تو پھر کب جا رہے ہو تم یوائے ای؟"
اس نے اپنے ہاتھ آہستہ سے خیام کی گرفت سے آزاد کروائے۔
"اسی ہفتہ اور پلیز سجیل جہاں تم نے اتنے سال میرا انتظار کیا وہاں دو سال اور رک جاؤ۔ میں اتنا کما کر لاؤں گا کہ اپنی اور آپا دونوں کی شادی دھوم دھام سے کر سکوں اور تمہارے لیے ایک محل تعمیر کروں گا جس میں تم میرے دل کی ملکہ بن کر راج کرو گی۔"
خیام کی آپا کی شادی ایک ایسا مسئلہ تھا جس نے ان دونوں کی محبت کے تاج محل کو چکنا چور کر دیا تھا اور یہ بات سجیل سے زیادہ بہتر کوئی نہ جانتا تھا۔
"اللہ تعالیٰ تم دونوں کا نصیب اچھا کرے تمہارا اور تمہاری آپا کا۔" اس کا لہجہ یک دم اجنبی سا ہو گیا اتنا اجنبی کہ خیام کو اپنا دل باہر نکلتا محسوس ہوا یہ انداز، یہ آواز اس سجیل کی نہ تھی جسے وہ جانتا تھا یہ تو کوئی اور ہی لڑکی تھی جو اس کے سامنے لٹی لٹائی کھڑی تھی۔
"کیا بات ہے؟ سجیل تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم ایسا کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ۔" اس کی آواز لرز سی گئی۔
"میرا نصیب تو تمہارے ساتھ جڑا ہے پھر کیوں میرے اور آپا کے اچھے نصیب کے لیے دعا گو ہو، کیوں نہیں کہا کہ اللہ ہمارا نصیب اچھا کرے۔"
اس نے ڈرتے ہوئے سجیل کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔
"میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں خیام میری شادی طے ہو گئی ہے۔" وہ ایک دم ہی چلا اٹھی۔
"تمہیں پتا تھا خیام کہ بیہ خالہ پچھلے دو سال سے میرا رشتہ مانگ رہی ہیں، اب تو وہ باقاعدہ نیویارک سے پاکستان صرف اور صرف میرے رشتے کے لیے ہی آئی ہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ خالہ آنے والی ہیں اس سے پہلے اپنی اماں جی کو میرے گھر بھیج دو، صرف ایک بار وہ آ جائیں باقی میں سب دیکھ لوں گی۔ میں سب سنبھال لیتی خیام مگر تم نے میری بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ تم سمجھے شاید میں مذاق کر رہی ہوں۔" باوجود ضبط کے وہ اپنی برداشت کھو بیٹھی، آنسو اس کے گالوں پر بہہ نکلے۔ اسے روتا دیکھ کر خیام بے چین ہو اٹھا۔
"پلیز سجیل رومت۔ میں کچھ کرتا ہوں ابھی اماں جی کو فون کرتا ہوں وہ کل ہی کراچی آ جائیں ہم تمہارے پاپا کی منت کر لیں گے۔ میں ان کے پاؤں پکڑ کر کہوں گا کہ مجھ سے میری سجیل کو جدا مت کریں۔"
"سب بے کار ہے خیام اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"
اس نے جواب دیتے ہوئے اپنے بیگ کی زپ کھولی اس میں سے ایک بڑا سا براؤن لفافہ نکالا اور خیام کی طرف بڑھا دیا۔
"یہ کیا ہے؟" وہ حیرت اور بے بسی کی تصویر بنا اس کے سامنے کھڑا تھا۔
"تمہارے عید کارڈز، وہ کارڈز جو تم مجھے مختلف مواقع پر دیتے رہے۔ سوکھے پھولوں کے وہ گجرے بھی ہیں جو تم نے مجھے پچھلے سال فیرویل کے موقع پر دیے تھے اور شاید کچھ ٹوٹی ہوئی چوڑیاں جو میں ہر عید پر تمہارے نام کی پہنتی تھی، غرض ہر وہ چیز جس سے تمہاری یاد جڑی ہے میں نے تمہیں، تمہاری یادوں کے ساتھ واپس کر دی۔ کیونکہ ان میں سے کچھ بھی ضائع کرنے کی ہمت مجھ میں نہ تھی۔" وہ سسک رہی تھی۔
"سجیل میں نے کب کہا کہ میں تم سے شادی نہیں کروں گا میں تو صرف اتنا کہتا تھا کہ آپا کی شادی تک میرا انتظار کر لو، اس سے قبل میرا اماں جی سے بات کرنا مشکل تھا۔ مگر پھر بھی میں تمہاری خاطر گاؤں گیا تا کہ اماں جی کو تمہارے بارے میں بتا سکوں انہیں آمادہ کر سکوں کہ وہ میرے ساتھ شہر آئیں اور اب جب میں یہ سب کر کے آیا تو تم مجھے وہ خبر سنا رہی ہو جو میری موت کا سبب بن جائے۔"
"اللہ نہ کرے، تمہیں موت آنے سے پہلے میں نہ مر جاؤں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔
"پلیز سجیل کہہ دو تم نے جو کچھ کہا وہ محض مذاق تھا۔"
وہ ابھی بھی اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ ایسے جیسے آج وہ چلی گئی تو کبھی واپس نہ آئے گی۔
"میں آج ہی اماں کو فون کر کے بلوا لیتا ہوں تم اپنے گھر والوں کو منع کر دو، کہہ دو کہ خیام کے سوا تم کسی کی نہیں ہو سکتیں ان شاء اللہ اسی جمعہ اماں جی تمہارے گھر آ جائیں گی اور یوائے ای جانے سے قبل میں تم سے منگنی کر کے جاؤں گا۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولتا چلا گیا۔
"اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں خیام!" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ٹوکنا پڑا۔
"اگلے ماہ کی پانچ تاریخ کو میرا نکاح ہے ارباز کے ساتھ۔ مجھے بھول جاؤ! خیام یوائے ای جاؤ اچھا سا کماؤ اور پھر واپس آ کر اچھی سی لڑکی دیکھ کر شادی کر لینا۔" وہ اتنا کہہ کر آگے چل پڑی۔
"تم یہ سب کتنی آسانی سے ختم کر کے جا رہی ہو سجیل مجھے حیرت ہو رہی ہے تمہارے جیسی لڑکی صرف اپنا اچھا مستقبل دیکھ کر محبت کو ٹھکرا دے گی، یقین جانو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا مجھے اجاڑ کر تم کبھی خوش نہیں رہو گی۔ سجیل یاد رکھنا محبت ٹھکرانے والے محبت کی تلاش میں عمر گنوا دیتے ہیں۔"
وہ چلتے چلتے رک گئی، پلٹی اور دو قدم پیچھے آئی۔
"ایک بات کہوں خیام دوبارہ کبھی میرے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل
300

چلمن

نادرہ خاتون
قیمت -/300 روپے

بڑا دعا

نسیم سحر حمیدی
قیمت -/400 روپے

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین
قیمت -/750 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

سامنے مت آنا ایسا نہ ہو کہ تمہیں دیکھ کر میں ہمت ہار جاؤں۔ اپنا حوصلہ کھو بیٹھوں اور جذباتی ہو کر کوئی ایسا غلط فیصلہ کرلوں جو ہماری محبت کو بدنام کردے۔'' اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں تیزی سے بھاگتی ہوئی پارکنگ کی جانب چلی گئی جہاں ڈرائیور گاڑی لیے اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ خیام اپنی جگہ سن کھڑا رہا۔ اس میں ہلنے جلنے کی سکت ہی نہ رہی آٹھ سالہ محبت کی کہانی کچے دھاگے کی طرح ایک پل میں اس طرح ٹوٹ جائے گی اسے یقین ہی نہ آیا، یہ تصور اس کے لیے سوہانِ روح تھا کہ وہ سجیل کو کھو چکا ہے۔

☆☆☆

رات کے جانے کس پل اس کی آنکھ کھل گئی، وجہ غالباً بیڈ کے پیچھے والی کھڑکی کے راستے اندر آنے والی روشنی تھی۔ رات وہ اس قدر تھکا ہوا تھا کہ کھڑکی بند کرنا بھول گیا تھا جو کمرے میں سردی کی شدت میں اضافہ کا باعث بن گیا تھا۔ اس نے کروٹ بدلی روشنی کے ساتھ ساتھ میوزک کی آواز بھی اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ زرک نے بے اختیار ہی سامنے موجود دیوار گیر گھڑی پر ایک نظر ڈالی اسے حیرت ہوئی رات کے دو بجے اس علاقے میں ابھرنے والے اس شور کی آواز کہاں سے سنائی دے رہی ہے۔ سردی کے باعث اس کا بستر سے بالکل نکلنے کا موڈ نہ تھا لیکن میوزک اور شور وغل میں اس کا سونا بالکل ناممکن تھا۔ وہ بڑی مشکل سے کمبل ہٹا کر باہر نکلا قریب رکھی چادر کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا، کھڑکی کی جانب بڑھا تاکہ اسے بند کرسکے۔ کھڑکی کے پاس پہنچ کر جیسے ہی اس نے اپنی نظر باہر ڈالی سامنے دکھائی دینے والے منظر نے اسے اپنی جگہ ساکت کردیا۔ اسے یقین ہی نہ آیا کہ وہ سوات میں موجود ہے، وہ سوات جہاں رات سات بجے ہی ہر طرف ایک ہو کا عالم طاری ہو جاتا۔

یہاں تو صورت حال بالکل مختلف تھی کالج کے بالکل پیچھے کچھ فاصلے پر دریائے سوات رواں دواں تھا۔ جس کا گہرا سبز پانی چاند کی روشنی میں ہر سمت اپنا

توجہ اپنی جانب مبذول کروائی وہ اس دریا کے پار کچھ فاصلے پر موجود وہ خوب صورت محل تھا جسے گھر کہنا یقیناً اس کی توہین تھی۔ سفید سنگ مرمر کا عظیم الشان محل جس سے پھوٹتی رنگین روشنیوں نے آس پاس ایک ایسا طلسم کھینچ رکھا تھا جس نے اتنی دور موجود زرک کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہاں شاید کوئی تقریب جاری تھی، جو یقیناً اختتام پذیر ہونے والی تھی۔ جس کا ثبوت یہ تھا کہ محل کا بڑا سا گیٹ کھلا ہوا تھا اندر سے باہر آنے والی گاڑیوں کا تانتا بندھا تھا۔ گیٹ کھلنے کے باعث اندر ہونے والے شور کی واضح آواز زرک کے کمرے تک آرہی تھی۔ وہ عالم حیرت میں کھڑکی پر جھکا یہ سب ایسے دیکھ رہا تھا جیسے سامنے اسکرین پر کوئی فلم چل رہی ہو۔ سوات جیسے مقام پر اتنی رنگینی اور روشنی، وہ ہکا بکا اس وقت تک کھڑا دیکھتا رہا جب تک تھک نہ گیا۔ کمرے میں سردی کی شدت مزید بڑھ گئی، سامنے دکھائی دینے والے محل کی روشنیاں مدھم ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہوگئیں اب وہاں مکمل سکوت طاری تھا، زرک نے پردہ ہٹا کر کھڑکی بند کی اور واپس اپنے بیڈ پر آگیا۔

☆☆☆

سجیل ..... سجیل! بیہ خالہ کا فون آیا ہے پوچھ رہی ہیں تم نے اپنے نکاح کا ڈریس اٹھالیا ڈیزائنر کے پاس سے۔'' بھابھی کو رڈلیس ہاتھ میں لیے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

''بھابھی میرے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں ہے مجھے کل اپنا اسائنمنٹ جمع کرانا ہے میں اس میں بزی ہوں، اس لیے پلیز آپ ڈرائیور کے ساتھ جا کر پک کرلیں۔'' بھابھی کو جواب دے کر اس نے چادر ایک بار پھر منہ تک اوڑھ کر کروٹ بدل لی۔ وہ سمجھ گئیں کہ فی الحال اس موضوع پر اس کا یہ بات کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اس لیے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ان کے جاتے ہی سجیل نے چادر منہ سے ہٹا

دی اس کا دل بھر آیا دو دن گزر گئے تھے اسے خیام سے اپنا ہر رشتہ توڑے ہوئے، مگر دل تھا کہ اس بات پر ابھی تک آمادہ ہی نہ تھا، اس نے اپنے فون سے وہ سم بھی نکال کر توڑ دی جس کا نمبر خیام کے پاس تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ نکاح سے قبل اپنے دل سے خیام سمیت اس کی ہر یاد کو کھینچ کر باہر پھینک دے، وہ اپنی شادی شدہ زندگی ایمانداری سے جینا چاہتی تھی۔ خیام کی یادیں وہ ماضی کے قبرستان میں دفنا کر شانت ہونا چاہتی تھی۔ مگر وائے ریِ محبت! دماغ کے لاکھ سمجھانے پر بھی دل سے نکل کر ہی نہیں دیتی، بے ایمان دل آج بھی خیام کی آواز سننے کا متمنی تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل والی دراز کھولی اور ایک ڈائری نکال لی، آہستہ آہستہ وہ ایک ایک صفحہ پلٹتی رہی اور پھر اس کا ہاتھ رک گیا اس صفحہ پر وہ تاریخ درج تھی جب اس کی خیام سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے انگلیوں پر حساب لگایا آٹھ سال اور چند ماہ شاید اس وقت وہ نویں جماعت کی طالبہ تھی جب پہلی بار کوچنگ سینٹر میں اس کی خیام سے بات ہوئی تھی اور پھر ان دونوں کی دوستی کب محبت میں تبدیل ہوئی اسے پتا ہی نہ چلا پتا اس وقت چلا جب محبت کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اسے آج احساس ہوا لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد اور ہیر رانجھا کی محبت ان کی موت کے ساتھ ختم کیوں نہیں ہوگئی۔ وہ جان گئی محبت وہ جذبہ ہے جسے موت بھی نہیں مار سکتی، یہ تو مر کر بھی دلوں میں زندہ رہنے والا ایک لازوال جذبہ ہے۔ محبت کرنے والا اپنے عشق کے ہاتھوں برباد ہوتا ہے مگر محبت برباد نہیں ہوتی وہ تو دلوں پر راج کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔

اس نے اپنی آنکھوں میں آیا پانی صاف کیا اور ڈائری سے وہ صفحہ ہی پھاڑ کر پھینک دیا جس پر خیام کا نام درج تھا بستر سے اٹھی، پاؤں میں چپل پھنسائی، باہر نکل آئی تاکہ بھابھی سے پوچھ سکے کہ انہوں نے بیہ خالہ کو کیا جواب دیا ہے۔

☆☆☆

''مسز مارگریٹ!'' زرک نے کارن فلیکس کا پیالہ اپنی جانب سرکاتے ہوئے لیڈی مارگریٹ کو پکارا۔

''یس .....'' وہ اپنے مخصوص انداز میں لبوں پر مسکراہٹ سجائے اس کی جانب پلٹیں۔

''یہ سامنے والے وائٹ محل میں کون رہتا ہے؟'' وہ سوال جس نے رات سے اسے تجسس میں مبتلا کر رکھا تھا بالآخر اس کے لبوں پر آ ہی گیا۔

''پورا نام تو نہیں پتا مگر یہاں سب انہیں شاہ صاحب کے نام سے جانتے ہیں۔'' مسز مارگریٹ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''اور اگر تم مائنڈ نہ کرو تو مجھے آنٹی مارگریٹ کہہ سکتے ہو۔''

''اوہ تھینک یو آنٹی مارگریٹ!'' مسز مارگریٹ کے مقابلے میں آنٹی مارگریٹ کہنا اسے اچھا لگا۔

''میرا خیال ہے کہ رات شاہ صاحب کے گھر کوئی پارٹی تھی۔'' وہ دوبارہ اپنے پسندیدہ موضوع پر آتے ہوئے بولا۔

''ہاں اس کے گھر ہونے والی یہ یادگار پارٹی ہمارے اس چھوٹے سے پہاڑی مقام پر ایک ایسی مشہور پارٹی ہے جس کا انتظار یقیناً پورا شہر کرتا ہے۔'' آنٹی نے بریڈ پر جیم لگاتے ہوئے اسے اطلاع دی۔

''اس پارٹی میں نہ صرف ہمارے شہر بلکہ ملک کے بڑے بڑے لوگ آتے ہیں، یقین جانو ہر بڑی شخصیت تمہیں اس پارٹی میں موجود ملے گی یہاں تک کہ میں خود بھی پورا سال شاہ صاحب کی اس پارٹی کی منتظر رہتی ہوں۔ اب اگر تم یہاں رہے تو پھر وہ اگلے سال تمہیں بھی اپنی پارٹی میں لازمی مدعو کرے گا۔''

''مگر رات کو شاید آپ نہیں گئیں۔'' اس نے کارن فلیکس کا چمچہ بھر کر اپنے منہ میں ڈالا۔

''وہ ہر سال انویٹیشن کارڈ میرے گھر بھیجتا ہے مگر پچھلے دو سالوں سے میں اس پارٹی میں شریک نہیں ہوسکی اس کی وجہ میرے گھٹنوں کا درد ہے جس کے

باعث میں زیادہ ٹائم کھڑی نہیں رہ سکتی۔ مگر اس کی پارٹی میں کبھی نہیں بھول سکتی ایسی عالیشان پارٹی جو مجھے تاعمر یاد رہے گی اس کی کسی بھی پارٹی میں شرکت میری زندگی کے یادگار ترین لمحات میں سے ایک ہے تم سوچ نہیں سکتے کہ وہ کیسی پارٹی ہوتی ہے شان دار اور عالی شان۔''

آنٹی شاید کرسی پر بیٹھے بیٹھے شاہ صاحب کے گھر جا پہنچی تھیں جس کا اندازہ ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا وہ پارٹی کیسی عالی شان ہوگی اس کا کچھ اندازہ تو زرک کو رات ہی ہو چکا تھا۔

''ایک بات تو بتائیں آنٹی۔''

''لیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے ہمہ تن گوش ہوئیں۔

''کیا یہ شاہ صاحب کوئی منسٹر ہیں یا کوئی اعلا سرکاری عہدیدار یا کسی ریاست کے نواب کیونکہ ایسی شاندار اور وسیع پارٹی کا اہتمام میرا خیال ہے کوئی عام آدمی نہیں کر سکتا۔''

''پتا نہیں یہ تو شاید یہاں کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟ اور کیا کرتے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے بھی آج تک شاہ صاحب کو نہیں دیکھا۔''

''مطلب۔'' زرک ان کی بات سن کر حیران رہ گیا۔

''آپ تو یہاں شاید پچھلے پچیس سالوں سے آباد ہیں اور کئی بار ان کے گھر ہونے والی پارٹیز میں بھی شریک ہوئی ہیں پھر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے شاہ کو نہ دیکھا ہو۔''

''حقیقت یہ ہے کہ ان کی پارٹی میں مدعو تقریباً اسی فیصد لوگوں کو علم نہیں ہوتا کہ شاہ کون ہے؟ یقین جانو میں نے خود وہاں کئی لوگوں کو ایک دوسرے سے شاہ کی بابت سوال کرتے خود سنا۔ کئی لوگ تو ایک دوسرے کو ہی شاہ سمجھ کر یقین کرتے رہے۔'' آنٹی مارگریٹ مزا لیتے ہوئے بولیں۔

''بہر حال جو بھی تھا پارٹی تھی بہت شان دار ایسی پارٹی میں نے اپنی پوری لائف میں کبھی نہیں دیکھی جہاں ملک کی ساری کریم ایک ہی جگہ جمع ہو۔ بڑے بڑے سیاستدان، اداکار، قومی کھلاڑی غرض ہر شخص وہاں ہوتا ہے اور کھانا تو نہ پوچھو کتنی اقسام کا ہوتا ہے ایسا لذیذ کھانا کہ کیا بتاؤں۔'' آنٹی دو سال میں ابھی تک شاہ کی پارٹی نہ بھولی تھیں، ان کا ہر انکشاف زرک کے لیے دل چسپ تھا اس لیے وہ ان کی باتیں مکمل دھیان سے سن رہا تھا۔

''یقین جانو ابھی بھی وہ لوگ جو رات اس پارٹی سے واپس گئے ہوں گے پھر سے منتظر ہوں گے کب سال ختم ہو اور شاہ انہیں اپنے گھر مدعو کرے۔''

''پھر تو آنٹی شاہ کی پارٹی میں شرکت کے لیے تو شاید میرے لیے بھی ایک سال گزارنا مشکل ہو جائے۔'' وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''پارٹی سے زیادہ یہ جاننا چاہوں گا کہ شاہ درحقیقت ہے کون؟''

''پھر تو تمہیں واقعی پورے ایک سال کا انتظار کرنا ہوگا کیونکہ میں نے سنا ہے کہ شاہ پورے سال میں صرف ایک دفعہ پاکستان اپنے اس محل میں آتا ہے ورنہ تو وہ ملکوں ملکوں گھومنے کا شوقین ہے، سارا سال اپنی سیاحت کا شوق پورا کرتا ہے مگر جہاں بھی ہو اپنے گھر ہونے والی یہ پارٹی کبھی نہیں بھولا پارٹی سے پہلے وہ ہر حال میں یہاں پہنچ جاتا ہے۔''

''اچھا پھر تو مجھے یہ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے لیے اس سال کے ختم ہونے کا شدت سے انتظار رہے گا۔''

اسی دم باہر گاڑی کے ہارن کی تیز آواز سنائی دی۔ حیات خان آ گیا تھا، اس نے جلدی سے میز پر رکھا اپنا سیل فون اور والٹ اٹھایا اور باہر کی جانب چل دیا۔

☆☆☆

تجھے خبر ہے تجھے سوچنے کی خاطر
بہت سے کام ہم مقدر پر ڈالے رکھتے ہیں

نیویارک کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس نے اپنے دل میں موجود خیام کی محبت کی آخری کونپل بھی نوچ ڈالی اب اسے اپنی ساری زندگی ارباز کے ساتھ گزارنی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ نئی زندگی کی شروعات اپنے دل میں کوئی بے ایمانی رکھتے ہوئے کرے۔ جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ سے ارباز کے گھر تک کا سفر تقریباً تیس منٹ کا تھا، سارے رستے وہ گاڑی کے شیشے سے ماتھا ٹکائے باہر دوڑتے بھاگتے نظارے دیکھتی رہی جبکہ ارباز مسلسل اپنے فون پر مصروف رہا ہر آنے والا فون اس کا کاروباری تھا۔ اتنا اندازہ تو سیجل اس کی یک طرفہ گفتگو سن کر لگا چکی تھی۔

نیویارک میں دو پٹرول پمپ کے ساتھ اس کا پراپرٹی کا بھی بزنس تھا اور سیجل تو یہ سن کر ہی حیران رہ گئی تھی کہ اتنی کم عمری میں اس کا شمار نیویارک کے معزز لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ مرسیڈیز کی پچھلی سیٹ پر بالکل خاموش بیٹھی، اپنے دونوں ہاتھ گود میں دھرے ان پر بنے مہندی کے نقش و نگار دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ گاڑی کے رکتے ہی بے اختیار چونک اٹھی، سر اٹھا کر کھڑکی کے پار جھانکا گاڑی وسیع و عریض اور شان دار گھر کے پورچ میں کھڑی تھی، بڑا سا گیٹ باوردی ڈرائیور نے ہاتھ میں تھمے ریموٹ کی مدد سے بند کر دیا۔

وہ عالم حیرت میں ڈوبی گاڑی سے باہر نکل آئی۔ پاکستان سے نیویارک تک کا سفر اس کی زندگی میں کئی تبدیلیاں لا چکا تھا ایسی لگژری زندگی اور وہ بھی امریکا جیسے ملک میں اس کے تصور میں بھی نہ تھی۔ ارباز کے عقب میں چلتی وہ داخلی دروازے سے اندر داخل ہو گئی سامنے ہی لاؤنج میں بیہ خالہ چند خواتین کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔

''السلام علیکم۔'' وہ ان کے قریب جا کر دھیرے سے بولی۔

''وعلیکم السلام۔'' خلافِ توقع خالہ کا انداز خاصا فارمل سا تھا۔ وہ گرم جوشی جو اپنے پیاروں کو دیارِ غیر میں دیکھ کر ہوتی ہے ان کے اندر قطعی مفقود تھی۔

''اندر جاؤ فریش ہو کر کپڑے تبدیل کرو۔ یہ زرق برق لباس اور زیور وغیرہ اتار کر کچھ سادہ سا پہنو۔ یہاں یہ سب اچھا نہیں لگتا۔''

خالہ کی ہدایت سن کر وہ کچھ عجیب سی ہو گئی۔ ابھی تو اس کی شادی کو صرف دس دن ہوئے تھے، پاکستان میں تو کچھ عرصہ دلہنیں بناؤ سنگھار کیے رکھتی تھیں۔ اس حساب سے تو وہ ابھی بھی خاصی سادہ سی تھی۔ وائٹ شفون کی فراک پر ہلکا سا سلور کا کام جیولری کے نام پر صرف کانوں میں سلور اسٹون کے ٹاپس اور ہاتھ میں ایک باریک سی چوڑی، یہ سب بھی اس نے اماں کے بے حد اصرار پر پہنا تھا ورنہ اس کا اپنا دل کب کرتا تھا، اس بناؤ سنگھار کے لیے۔ اب جو خالہ نے اتنے روکھے انداز میں ٹوکا تو وہ جی ہی جی میں خوب رج کر شرمندہ ہوئی اور ملازمہ کی ہمراہی میں چلتی ایک بڑے سے کمرے میں آ گئی خوب صورت اور قیمتی فرنیچر سے مزین یہ کمرہ غالباً اس کا بیڈروم تھا جس کا اندازہ اسے وہاں دیوار پر چاروں طرف لگیں ارباز کی بڑی بڑی تصاویر دیکھ کر ہوا۔ ارباز کمرے میں نہ تھا اور نہ ہی اسے اپنے کپڑوں والا سوٹ کیس کہیں دکھائی دیا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنے کپڑوں کی بابت کس سے دریافت کرے۔

''میم۔ اس الماری میں ڈریسز رکھے ہیں آپ کو جو پسند ہو بتا دیں میں نکال دیتی ہوں۔'' انڈین ملازمہ یقیناً اس کی پریشانی بھانپ گئی تھی اسی لیے آگے بڑھ کر بڑی سی دیوار گیر الماری کے پٹ وا کر دیے۔

اس نے جھجکتے ہوئے الماری میں ہاتھ ڈالا ایک کے بعد ایک ہینگر ہٹاتی وہ تمام لباس ریجکٹ کرتی گئی۔ چھوٹی چھوٹی ٹی شرٹس، ٹائٹس اور اگر کوئی شلوار قمیص تھی بھی تو آستین سرے سے غائب، گلے اس قدر گہرے کہ اسے دیکھتے ہی شرم محسوس ہوئی تو بھلا وہ پہن کیسے سکتی تھی۔ ملازمہ اس کے حکم کی منتظر کھڑی تھی کب اس کی تلاش ختم ہو اور وہ مطلوبہ لباس لے جا کر باتھ روم میں رکھ سکے اس سے قبل کہ وہ مایوسی کے عالم میں الماری بند کر دیتی اسے اچانک ہی ایک سادہ سی

شلوار قمیص دکھائی دے گئی اس نے ہاتھ بڑھا کر ہینگر سے کپڑے نکالے اور ملازمہ کو منتظر کھڑا چھوڑ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ جب وہ فریش ہو کر باہر آئی تو سارا گھر خالی پڑا تھا، ارباز جانے کہاں تھا اور خالہ چھوٹے ولید کے ساتھ چلی گئی تھیں جو شکاگو میں رہتا تھا اسے پتا چلا خالہ یہاں بہت کم آتی ہیں شروع سے ہی ولید کے ساتھ تھیں اور اس محل نما گھر میں اب اسے ارباز کے ساتھ بالکل تنہا رہنا تھا۔ یہ شاید ایک ایسی زندگی تھی جس کا خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے مگر افسوس وہ ہر لڑکی سمجھ نہیں ہوتی۔

☆☆☆

''سنا ہے تم شاہ پیلس کے سامنے والے کاٹیج میں رہتے ہو۔''

وہ ابھی ابھی جنگلات کے دورہ سے واپس لوٹا تھا۔ جب آفس میں داخل ہوتے ہی اسے مکے تاج نے گھیر لیا۔ اس کے لہجہ میں چھپا تجسس اور شوق بھانپتے ہی زرک ہنس دیا۔

''اتنی دور کا سفر طے کر کے تم مجھ سے صرف یہ پوچھنے آئی ہو کہ میں کہاں رہتا ہوں۔''

مکے تاج سے وہ دو سال قبل ملا تھا تب سے ہی وہ دونوں اچھے دوست تھے۔ مکے تاج ایک مقامی چینل پر رپورٹر تھی یہ ہی سبب تھا جو اپنے کام کے سلسلے میں وہ یہاں وہاں پھرتی اور اکثر ہی زرک سے ٹکرا جایا کرتی۔ آج کل تو ویسے بھی وہ کسی پروگرام کے سلسلے میں سوات آئی ہوئی تھی، زرک کو سن کر حیرت ہوئی کہ وہ بھی شاہ پیلس کے متعلق جانتی ہے۔

''میری بات کا جواب دو زرک! تم شاہ پیلس کے سامنے رہتے ہو؟'' وہ بہت زیادہ پرجوش تھی۔

''ہاں مگر شاہ پیلس میں ایسا کیا ہے جو تم اتنی زیادہ ایکسائیٹڈ ہو رہی ہو۔''

''افوہ زرک تم نہیں جانتے شاہ پیلس یہاں فیری لینڈ کے نام سے مشہور اتنا خوب صورت محل ہے کہ بس پوچھو مت اور وہاں ہونے والی پارٹی، جس کا انتظار لوگ پورا سال کرتے ہیں اور اس کی کہانیاں وہاں سے آنے کے بعد بھی عرصہ دراز تک لوگوں کی نوک زبان پر رہتی ہیں۔''

''تم کبھی گئی ہو وہاں؟'' اس کی باتوں سے زرک نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا۔

''ہماری ایسی قسمت کہاں!'' اس نے سرد آہ بھری۔

''میں نے تو کئی بار کوشش کی مگر اللہ بھلا کرے اسد اللہ بیگ صاحب کا جو ہر سال خود تو شریک ہوتے ہیں مگر ہمیں کبھی یہ اعزاز حاصل کرنے کی سعادت نہیں بخشی۔''

''اچھا پھر تو وہ جانتے ہوں گے شاہ صاحب کون ہیں؟''

جانے کیوں شاہ صاحب کو جاننے کا تجسس اس کے اندر بیٹھ گیا تھا۔

''میرا مطلب ہے کہ وہ کیا کاروبار کرتے ہیں؟ میری بات سمجھ رہی ہو نا تم۔'' وہ بولا۔

''پتا نہیں مگر جانے کیوں مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ کوئی اسمگلر ہوں یا پھر شاید ان کا تعلق مافیا سے ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ انڈر ورلڈ کے بندے ہوں بہرحال جو بھی ہیں بندہ ہے بڑا زبردست، ڈیشنگ اینڈ عالی شان اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔''

''او..... تو تم شاہ صاحب سے مل چکی ہو۔''

اس کے انداز گفتگو سے زرک نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا۔

''نہیں یار میں ان سے کبھی نہیں ملی۔''

''پھر کیا کوئی تصویر وغیرہ دیکھی ہے تم نے ان کی؟'' زرک کو ایسا لگا جیسے مکے تاج انہیں جانتی ہو۔

''نہیں میں تو اس پارٹی کے حوالے سے بات کر رہی تھی تم شاید غلط سمجھے۔''

''اچھا تو کیا تمہارے بیگ صاحب کے ساتھ ان کی کوئی تصویر وغیرہ نہیں ہے۔ آخر وہ ہر سال اتنے اہتمام سے اس پارٹی میں شرکت کے لیے آتے ہیں تو کوئی پکچر تو ہو گی ان کی شاہ صاحب کے ساتھ۔'' اس نے اس کے چینل کے ایم ڈی کے متعلق سوال کیا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے اپنے سامنے رکھی کولڈ ڈرنک اٹھا کر ایک چھوٹا سا سپ لیا۔

''اگر ہوتی تو وہ ضرور کسی اخبار وغیرہ میں لگا دیتے جہاں تک میرا خیال ہے ان کی کوئی تصویر شاہ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ مجھے تو کبھی کبھی ایسا ہی لگتا ہے کہ وہ شاہ کو ذاتی طور پر جانتے بھی نہیں ہیں اور شاید بیگ صاحب آج تک ان سے کبھی ملے بھی نہیں ہیں۔''

آنٹی مارگریٹ والی بات مکے تاج نے بھی کہہ دی بس صرف الفاظ میں فرق تھا۔

''وہ شاید کسی سے نہیں ملتے میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ پارٹی میں شریک افراد میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ شاہ صاحب کون ہیں؟''

''حیرت ہے ان سب کے باوجود لوگ اس پارٹی میں شرکت کے لیے مرے جاتے ہیں جہاں انہیں ریسیو کرنے کے لیے میزبان تک موجود نہیں ہو گا وہ پھر کیا اس پارٹی میں ان کی فیملی کا کوئی فرد بھی موجود نہیں ہوتا۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ اس محل میں بالکل تنہا رہتے ہیں بلکہ شاید وہ خود بھی یہاں نہیں ہوتے۔ سنا ہے ان کی مستقل رہائش لندن میں ہے اور شاید ان کے دوسرے فیملی ممبرز لندن میں ہی رہتے ہوں بہرحال وہ جہاں بھی ہوں ان کے بارے میں کوئی نہیں جانتا آئی تھنک، اس بار جب وہ پارٹی کریں گے تو تمہیں ضرور کارڈ آئے گا کیونکہ وہ اپنے پڑوسیوں کو کبھی نہیں بھولتے اور اس دفعہ جب وہ تمہیں یاد کریں تو پلیز زرک تم مجھے نہ بھولنا۔''

شاہ کی پارٹی میں شرکت مکے تاج کا ایک ایسا خواب یا خواہش تھی جس کا اظہار اتنی دیر میں وہ کئی بار کر چکی تھی۔

''ٹھیک ہے اگر ایسا ہوا تو تم میرے ساتھ ضرور جاؤ گی۔''

''نہیں..... او کے۔'' مکے تاج یک دم خوش ہو گئی۔

''اب بس مجھے شدت سے اس پارٹی کا انتظار رہے گا۔''

''اور مجھے شاہ سے ملنے کا۔'' زرک زیر لب بڑبڑایا مگر اس کی آواز اس قدر کم تھی کہ شاید مکے تاج نے بھی نہ سنی ہو۔''

''ویسے شاہ کے متعلق میں ایک ایسی بات جانتی ہوں جو ہو سکتا ہے تمہارے لیے دل چسپی کا باعث ہو۔''

مکے تاج کو جانے کیا یاد آیا کہ وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''کیا جانتی ہو تم، اس کے بارے میں؟'' زرک جلدی سے بول اٹھا۔

''میں نے سنا ہے کہ وہ بند میڈیا میں آنے سے گھبراتا ہے، نہیں چاہتا کہ اس کی کوئی تصویر کسی اخبار یا چینل پر آئے۔ ایسا وہ کیوں چاہتا ہے مجھے خود سمجھ میں نہیں آیا۔'' مکے تاج کا یہ انکشاف خاصا انوکھا تھا۔

''حیرت ہے لوگ تو پریس میں تصویر چھپوانے کے لیے اتنے جتن کرتے ہیں اور یہ بندہ..... بہرحال مجھے لگتا ہے کہ یہ کوئی غیر قانونی کاروبار کرتا ہے۔ شاید یہ کوئی اسمگلر وغیرہ ہے۔'' زرک ایک کے بعد ایک اندازے لگا رہا تھا۔

''خیر وہ جو بھی ہو ہمیں اس سے کیا لینا۔'' مکے تاج نے کندھے اچکائے۔

''میرے لیے تو اہم اس کی پارٹی ہے جس میں ان شاء اللہ اس سال تمہارے ساتھ میں بھی شریک ہونے والی ہوں۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''ان شاء اللہ۔'' زرک اس سے زیادہ کچھ نہ بولا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

تیز اور بے ہنگم میوزک کے شور کی آواز سے جو ایک بار اس کی آنکھ کھلی تو دوبارہ نیند ہی نہ آئی کروٹیں بدلتے بدلتے اس کا سر دکھنے لگا مگر نیند ایسے غائب ہوئی کہ آ کے ہی نہ دی۔ وہ بستر سے اٹھ بیٹھی

سامنے لگی گھڑی دو بجا رہی تھی، اس کا دل چاہا قریبی لگی گھنٹی کی مدد سے ڈورا کو بلا کر ایک کپ کافی کے لیے کہہ دے مگر دوسرے ہی پل اس نے اپنا یہ ارادہ ترک کر دیا۔ باہر ہونے والا شور شرابا اور تیز میوزک کی آواز میں اس کی بجائی گئی گھنٹی شاید کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی، یہ احساس ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، بمشکل آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی وہ کمرے کی اس کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی جہاں سے نیچے لان کا نظارہ بڑا صاف اور واضح دکھائی دے رہا تھا۔ سفید جالی کا مہین سا پردہ ہٹاتے ہی تیز روشنی کا ایک سیلاب سا اس کے کمرے میں امڈ آیا اس نے نیچے جھانکا، مذہب، تہذیب اور تمدن کی تفریق بھلائے مختلف رنگ و نسل کے لوگ، ایک ہی رنگ میں رنگے، جام کے گلاس تھامے، حلال و حرام کی تمیز کھوئے، اپنی مستی میں مگن ایک دوسرے میں گم تھے۔

یہ سب سجیل و بہت ہی عجیب سا لگا اسے یک دم ہی ان خوب صورت، میک اپ زدہ چہروں سے کراہیت محسوس ہوئی۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر مرد و زن ایک دوسرے کی بانہوں میں مست لہرا رہے تھے۔ اس سے قبل کہ وہ کھڑکی بند کر کے واپس پلٹ جاتی کہ اچانک ہی نگاہ ارباز پر پڑی جو شراب کے نشے میں دھت کسی غیر لڑکی کی بانہوں میں بانہیں ڈالے دنیا جہاں بھلائے میوزک کی تیز دھن پر بے ہنگم انداز میں ڈول رہا تھا، اس کا دل یکدم بھر آیا۔ کھڑکی بند کرتے ہی وہ تیزی سے بھاگی اپنے بیڈ پر آن گری۔ یہ تھی وہ دولت، مالی اسٹیٹس اور ایک گلڑری زندگی جس پر اس نے اپنی محبت قربان کر دی۔ اس سوچ کے ساتھ ہی خیام کا تصور کسی کانچ کی مانند اس کی آنکھوں سے ہوتا ہوا دل کو لہولہان کر گیا۔ کہاں خیام کی محبت و وفا اور کہاں ارباز کی عیاشی اور سجیل کو مکمل نظر انداز کرنے کا طریقہ۔ اپنی بے قدری کا احساس اسے خون کے آنسو رلا گیا۔ آخری لمحہ میں دی گئی خیام کی بددعا یک دم ہی اسے یاد آ گئی یقیناً خیام سے بے وفائی کی سزا اسے ارباز کی صورت میں ملی تھی، اسے لگا خیام کی بددعا پوری ہو گئی۔ دل چاہا اپنی اس بربادی کا جشن منائے اور پھر جانے کیا ہوا وہ دھاڑیں مار مار کر رو دی۔ جانتی تھی اس بند کمرے میں اس کی آواز سننے والا کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے۔

☆☆☆

زرک دروازہ کھول کر باہر بالکونی میں آ گیا۔ اپنے ہاتھ میں تھما کافی کا مگ اس نے ریلنگ پر رکھ دیا اور پھر دونوں کہنیاں ریلنگ پر ٹکائے دریائے سوات کا دلکش نظارہ دیکھنے میں محو ہو گیا۔ یکا یک اسے احساس ہوا کوئی اسے دیکھ رہا ہے، اس کے ساتھ ہی خیام کی نگاہ بے اختیار ہی سامنے شاہ پیلس پر جا پڑی جس کے اوپر والے بڑے سے ٹیرس کی ریلنگ سے ٹیک لگائے کوئی کھڑا تھا۔ زرک فوراً سے پیشتر سیدھا ہو گیا۔ سامنے دکھائی دینے والا یقیناً کوئی مرد تھا جس کا انداز اس کے ہاتھ میں موجود سگار کے جلتے شعلے سے لگایا جا سکتا تھا جو اتنی دور اندھیرے کے باعث کبھی کبھی اپنی جھلک دکھا رہا تھا۔ زرک کو محسوس ہوا جیسے وہ شخص بھی اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ عالم دلچسپی میں اپنی جگہ کھڑا اس شخص کو دیکھے گیا جو یقیناً شاہ تھا کیونکہ اس کے کھڑے ہو کر سگار پینے کا اسٹائل کسی ملازم کا نہ تھا جس کا اندازہ ٹیرس میں جلتی ہلکی روشنی کے سبب با آسانی لگایا جا سکتا تھا اور پھر وہ اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک سامنے موجود شخص پلٹ کر اندر کمرہ میں نہ چلا گیا۔

پھر اس دن کے بعد یہ زرک کی روزمرہ روٹین کا ایک حصہ بن گیا کہ وہ ہر روز رات کے اس پہر کافی کا کپ لیے باہر بالکونی میں آ جاتا اور پھر اس وقت تک کھڑا رہتا جب تک سامنے ٹیرس میں اسے شاہ دکھائی دیتا رہتا۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ شاہ جو دنیا کے لیے ایک مادر ائی کردار سے زیادہ کچھ نہیں وہ اسے ہر رات حقیقت کے روپ میں اپنے سامنے دکھائی دیتا ہے۔

☆☆☆

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم اتنی لاپروائی کیوں کر رہی ہو کہ اس طرح ہر بار اپنے بچے سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہو بچی تو نہیں ہو جو میں تمہیں آ آ کر سمجھاؤں۔'' بیڈ کنارے بیٹھی بیہ خالہ اسے بری طرح لتاڑ رہی تھیں اور وہ چپ چاپ آنکھیں موندے ان کی ہر بات سنے جا رہی تھی۔

''اب یہ ہی دیکھ لو کہ ولید کی شادی تمہاری شادی کے کتنا عرصہ بعد ہوئی اور وہ ماشاء اللہ ایک بیٹے کا باپ بھی بن گیا جبکہ ارباز بے چارے کو ابھی تک اولاد کی خوشی دیکھنا نصیب نہ ہوئی دنیا کی ہر خوشی، ہر نعمت اس نے تمہیں دے رکھی ہے اور ایک تم ہو جو ایک ذرا سی خوشی اسے نہیں دے پا رہیں۔''

خاموش لیٹی سجیل کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے وہ رو رہی تھی۔

''لو یہاں تو یہ حال ہے کہ ذرا سی کوئی عقل کی بات سمجھانا شروع کی نہیں آنکھوں سے پانی بہنا شروع، فوراً رونا دھونا اسٹارٹ۔ اسی لیے میں کچھ نہیں کہتی جو دل میں آئے کرتی رہو۔'' خالہ بیڈ کی پائینتی سے فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''سجیل کیوں بچوں کی طرح بلاوجہ رو رہی ہو آخر می نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔'' ایک دم ہی ارباز نے سختی سے اس کا بازو پکڑ کر ہلایا۔

''مجھے اپنی امی کے پاس جانا ہے۔ پلیز خالہ! مجھے پاکستان بھیج دیں مجھے یہاں نہیں رہنا۔'' بے اختیار ہی اس کی زبان سے ادا ہونے والے ان الفاظ نے دونوں ماں بیٹا کو ہکا بکا کر دیا۔

''یہ کون سا وقت ہے پاکستان جانے کا۔'' خالہ نے ناک سکوڑتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔

''پہلے اٹھ کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل تو ہو جاؤ پھر چلی جانا پاکستان واپس، ویسے بھی یہاں تم ہمیں ایسا کون سا فائدہ پہنچا رہی ہو جو ہم تمہیں رکھ کر بیٹھے رہیں۔ دنیا یہاں آنے کے لیے مرتی ہے اور یہ ہم پر احسان کر رہی ہے یہاں آ کر۔'' قطعی نخوت سے یہ سب کہتی سامنے کھڑی عورت، بیہ خالہ قطعی نہ تھیں۔ وہ بیہ خالہ جو پاکستان جب بھی ان کے گھر آتیں ان کے منہ سے پھول برسا کرتے ان کی شیریں گفتاری کے قصے خاندان بھر میں مشہور تھے۔ شاید یہ امریکا کی آب و ہوا کا اثر تھا جہاں آ کر اپنا خون بھی غیر ہو جاتا ہے۔ یہاں کی ثقافت میں رنگے یہ لوگ لحاظ مروت، رشتہ داری سب بھلا بیٹھے تھے۔

☆☆☆

''میرا خیال ہے کہ خیام اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔'' ہر بار کی طرح آپا نے اسے پھر یہ ہی ایک بات سمجھائی جس کا جواب کبھی بھی اس کے پاس نہ ہوتا تھا سوائے خاموشی کے۔

''ہاں خیام چھوڑو دو اب اس بے وفا کا خیال جس نے تمہارا ذرا بھی احساس نہ کیا، صرف اپنے اچھے مستقبل کو سامنے رکھ کر شادی کر لی اور تمہیں ساری عمر تڑپنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا۔'' اماں نے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر کوشش کی سجیل کو بے وفا ثابت کرنے کی حالانکہ جانتی تھیں کہ اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتیں پھر بھی انہوں نے کبھی ہمت نہ ہاری۔

''ایک وہ ہے اپنی شادی شدہ زندگی میں خوش و خرم اور ایک تم ہو اس کی یادوں میں گم اپنی زندگی برباد کیے بیٹھے ہو، دن رات اس کی یاد میں آہیں بھرتے ہو اور اسے کچھ خبر ہی نہیں۔''

''وہ بھی خوش نہیں ہے اماں!'' خیام نے سرد آہ بھری۔

''لو تمہیں کیسے پتا وہ اپنی زندگی میں خوش نہیں ہے، کہاں ملی تھی تمہیں وہ۔'' خیام کی بات سن کر آپا حیران رہ گئیں۔

''کہیں نہیں ملی آپا، وہ مجھے لیکن پھر بھی میں یہ جانتا ہوں کہ وہ خوش نہیں ہے کیونکہ میں خوش نہیں ہوں۔ وہ گر خوش ہوتی نا آپا تو میں بھی آج اسے بھلا کر خوش و خرم زندگی گزار رہا ہوتا میرا خوش نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سجیل خوش نہیں ہے۔ یہ دل کے رشتے ہیں آپا جنہیں آپ نہیں سمجھ سکتیں یہ وہ رشتہ ہے جس میں ایک دوسرے سے ملے بغیر بھی ہم ایک

دوسرے کے دکھ و تکلیف کا احساس کر سکتے ہیں۔'' وہ ایک جذب کے عالم میں بولا۔

''حیرت ہے اس دور میں بھی تم جیسے مجنوں موجود ہیں جو کسی کی یادوں کو دل میں بسائے اپنی تمام زندگی برباد کیے بیٹھے ہیں۔ سچ جانو مجھے کبھی یقین نہ آتا اگر تم میرے سگے بھائی نہ ہوتے۔'' آپا کے پاس خیام کی بات کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ جواباً خیام صرف مسکرا دیا، ایک ایسی مسکراہٹ جو اس کے زخمی دل کی غمازی کرتی تھی۔

☆☆☆

''دیکھو بیٹا مرد کی مثال تو اتھرے بیل جیسی ہے، جسے قابو میں کرنا ایک عورت کا کمال ہوتا ہے اور مجھے تو حیرت ہے تم آج تک ارباز کو بھی اپنا نہ کر سکیں۔'' آمنہ جانے مزید کیا کہہ رہی تھیں، سجیل نے صرف اتنا سنتے ہی فون اپنے کان سے قدرے دور کر دیا۔ یہ الفاظ یقیناً بیہ خالہ کے تھے جو صرف ادا اس کی ماں کی زبان سے ہو رہے تھے اب تو اتنے سالوں میں وہ ان تمام باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔

''کاش اللہ تمہیں اولاد کی نعمت سے بھی نواز دیتا تو یقیناً آج حالات قدرے مختلف ہوتے۔'' وہی پرانا رونا جسے سنتے سنتے اب وہ تھک سی گئی تھی۔

''یہ سب اللہ کے کام ہیں اماں اور اس کے آگے ہم سب بے بس ہیں۔'' وہ چڑتے ہوئے بولی۔

ویسے بھی دن رات اس بڑے سے گھر میں تنہائی کا عذاب جھیلتے ہوئے وہ اب تھک کر ٹوٹنے لگی تھی، اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ ہر گزرتا دن اسے احساس دلا رہا تھا کہ زندگی میں پیسہ اہم نہیں ہوتا بلکہ سب سے اہم محبت ہے، وہ محبت جو خیام کے بعد اسے کبھی نصیب ہی نہ ہوئی۔ کاش..... اس کے پاس کوئی ایسی ٹائم مشین ہوتی جو اسے دس سال پیچھے لے جاتی، اس زمانے میں جب وہ صرف خیام کی تھی تو وہ ساری دنیا کو ٹھکرا کر خیام کو اپنا لیتی، چاہے اس کے لیے اسے اپنے باپ، بھائی، ماں سب سے رشتہ ختم کرنا پڑتا۔ آج اس کی اور ارباز کی زندگی سے کسی کو کوئی سروکار نہ تھا سب اپنی دنیا میں مگن تھے۔

آج اسے پتا چلا شادی پسند کی ہو یا ارینج بھگتنا صرف دولوگوں کو پڑتا ہے ایک شوہر اور دوسرا بیوی۔ اس کے علاوہ ہر شخص بری الذمہ ہو کر کنارے پر کھڑا صرف اور صرف ایک تماش بین ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔

دوسری طرف امی جانے کیا کہہ رہی تھیں اس نے کچھ نہ سنا اور نہ ہی کوئی جواب دیا اور خاموشی سے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ مکے تاج کو ساتھ لیے لکڑی کا پل عبور کر کے دوسری جانب آ گیا جہاں بالکل سامنے شاہ پیلس ایک وقار کے ساتھ سر اٹھائے کھڑا تھا۔

''یہ باہر سے ہی اتنا خوب صورت ہے تو اندر سے کیسا شان دار ہوگا۔'' محل کے سامنے پہنچ کر مکے تاج ایک دم اپنی جگہ سحر زدہ سی کھڑی رہ گئی۔ زرک کو جہاں تک یاد آتا تھا اس نے اپنی زندگی میں اتنا عالی شان گھر کبھی نہ دیکھا تھا۔

''سمجھ میں نہیں آتا اس شخص نے کراچی، لاہور جیسے بڑے شہر چھوڑ کر یہ محل یہاں کیوں بنایا۔'' زرک آگے کی جانب چلتا ہوا بولا۔

''صاف اور سیدھی سی بات ہے وہاں کی آلودگی، دھواں اس کے سفید سنگ مرمر کو خراب کر دیتا یہ بدرنگ ہو جاتا اور محل بدنما دکھائی دینے لگتا اور یقین جانو اگر مجھے کبھی بھی موقع ملے اور اتنی دولت ہاتھ آئے کہ میں بھی ایک محل تعمیر کرنے کے قابل ہو سکوں تو میرا انتخاب بھی ایسی ہی پرفضا جگہ ہوگی جہاں دنیا کی آلائشوں اور شور شرابے سے دور خاموشی اور سکون ہو۔'' مکے تاج نے گہری سانس کے ساتھ پھولوں کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا۔

''آجاؤ وہاں کیوں کھڑی ہو؟'' آگے پہنچ کر جیسے زرک کو احساس ہوا مکے تاج اس کے ساتھ نہیں ہے اس نے پلٹ کر دیکھا وہ ابھی بھی اسی حالت میں محل کے بالکل سامنے کھڑی تھی، ایسے جیسے اس نے زرک کی آواز سنی ہی نہ ہو۔ زرک واپس پلٹا یک دم اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے، اس نے یہاں وہاں دیکھا دور دور تک کوئی بھی نہ تھا۔ اچانک اس کی نگاہ محل کی اوپر والی بالکونی پر پڑی اسے لگا وہاں کوئی کھڑا ہے جو زرک کے اوپر دیکھتے ہی پیچھے ہو گیا، وہ تیزی سے مکے تاج کی جانب پلٹا جانے کیوں اسے یقین تھا کہ بالکونی میں کچھ دیر قبل کھڑا شخص شاہ تھا جو انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ انہیں اس طرح چھپ کر کیوں دیکھ رہا تھا، یہ بات زرک کے لیے حیران کن تھی۔ اگر وہ شاہ تھا اور بالکونی میں کھڑا تھا تو پھر اسے زرک کے اوپر دیکھتے ہی پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے تھا۔

''چلو مکے تاج اندھیرا پھیل رہا ہے اب ہم مزید واک نہیں کر سکتے واپس کاٹیج چلو۔''

خاموش کھڑی مکے تاج کو بازو سے تھامے وہ لکڑی کے پل کی جانب آ گیا جسے پار کرتے ہی بالکل سامنے مسز مارگریٹ کا کاٹیج تھا۔

جب وہ گھر سے نکلا تھا تو اس کا ارادہ مکے تاج کو ساتھ لیے کچھ آگے تک جانے کا تھا وہ دریائے سوات کے کنارے دور تک واک کرنا چاہتا تھا مگر جانے کیوں شاہ پیلس کے پاس پہنچتے ہی وہ آگے نہ بڑھ پایا اور وہیں سے واپس پلٹ آیا۔

☆☆☆

اس کی آنکھوں میں محبت کا ستارہ ہو گا
ایک دن آئے گا وہ شخص ہمارا ہو گا
تم جہاں میرے لیے سیپیاں چنتی ہو گی
وہ کسی اور ہی دنیا کا کنارہ ہو گا
جس کے ہونے سے میری سانس چلا کرتی تھی
کس طرح اس کے بنا میرا گزارہ ہو گا
یہ جو پانی میں چلا آیا سنہری سا غرور
اس نے دریا میں کہیں پاؤں اتارا ہو گا

خیام نے اپنے ہاتھ میں تھمی ساری تصاویر ایک ایک کر کے واپس رکھ دیں۔ یہ سب تصویریں سجیل کی تھیں، دلہن بنی سجیل، ارباز کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھی سجیل۔ کچھ تصاویر اس کی یونیورسٹی کی بھی تھیں۔ آج تک کوئی بھی رات ایسی نہ تھی جب وہ سجیل کو نہ سوچتا ہو، اس کی تصاویر نہ دیکھتا ہو۔ اس کا بس چلتا تو وہ دنیا کا ہر کام تیاگ دیتا اور دن رات سجیل کی تصاویر اپنے سامنے رکھے صرف اور صرف انہیں ہی تکے جاتا۔ اس کی زندگی صرف سجیل سے تھی، سجیل کی یادیں اس کے جینے کا واحد سہارا تھیں جو آج اگر اس سے لے لی جائیں تو شاید وہ مر جاتا۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا آنٹی مارگریٹ نے اس کے سامنے ایک نہایت ہی نفیس کارڈ رکھا۔ زرک نے ان کے چہرے پر ایک عجیب سی مسرت چھلکتی دیکھی، وہ بنا پوچھے ہی ساری بات سمجھ گیا اور ہاتھ بڑھا کر کارڈ اٹھا لیا باہر ہی اس کا نام لکھا تھا اسے حیرت ہوئی۔

''مسٹر زرک آفریدی؟'' اس نے زیر لب اپنا نام پڑھا۔

''کیا شاہ صاحب مجھے جانتے ہیں؟'' آنٹی مارگریٹ کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

''میں نے شاید تمہیں بتایا تھا وہ یہاں رہنے والے اپنے ہر پڑوسی کو جانتا ہے اور مجھے یقین تھا کہ اس دفعہ تمہارا کارڈ الگ سے آئے گا۔''

''اوہ تو کیا میں اپنے ایک کارڈ پر اپنی کسی دوست کو ساتھ لے جا سکتا ہوں؟'' اسے اندازہ ہوا کہ ایک کارڈ صرف ایک شخص کے لیے تھا۔

''نہیں۔'' مسز مارگریٹ کے جواب نے اسے مایوس کر دیا۔

''لیکن اگر تم اپنے ساتھ اس لڑکی کو..... کیا نام ہے اس کا.....؟'' آنٹی نے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے زرک کی جانب دیکھا۔

''مکے تاج۔'' وہ جلدی سے بول اٹھا۔

''ہاں وہ ہی مکے تاج، اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے تو تم میرا کارڈ رکھ سکتے ہو۔'' آنٹی نے دوسرا کارڈ بھی اس کے سامنے میز پر دھر دیا۔

''اور آپ.....!'' زرک ان کے کارڈ کی

جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے تھوڑا سا جھکا۔

''میں پچھلے سال کب گئی تھی جو اس سال جاؤں گی اور اب تو میرے گھٹنوں میں درد پہلے سے زیادہ بڑھ چکا ہے۔'' آنٹی نے اپنے نہ جانے کا عذر پیش کر کے اسے مطمئن کر دیا۔

''میں ابھی مکے تاج کو فون کر کے بتاتا ہوں تاکہ وہ پارٹی کے لیے تیار ہو سکے۔''

زرک نے جلدی سے کارڈ اٹھا کر اس پر درج تاریخ دیکھی جو آنے والے کل کی تھی اور اتنا ٹائم مکے تاج کی تیاری کے لیے قطعی ناکافی تھا۔ وہ تو کہیں جانے کے لیے ایک ہفتہ قبل ہی اپنی تیاری شروع کر دیتی تھی اور یہ بات زرک بہت اچھی طرح جانتا تھا، اسی لیے وہ مکے تاج کا نمبر ملاتا سیل ہاتھ میں لیے اوپر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

''آئی ایم خیام فرام پاکستان۔'' سامنے بیٹھے شخص نے بالآخر ارباز کو مخاطب کرتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔ وہ شخص کافی دیر سے ارباز کے سامنے والی کرسی پر ہی بیٹھا ہوا تھا، آج ہوٹل فرانس کے اس بنکویٹ میں ایک شان دار نیوایئر پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا جہاں بہت سی اعلیٰ شخصیات اپنے کروفر کے ساتھ موجود تھیں جن میں زیادہ تر مختلف ممالک کے سفیر اور ان کی بیگمات تھیں کچھ ہالی وڈ کے اداکار بھی تھے، ایسے میں ارباز کی یہاں موجودگی بھی اسے امریکا کا معزز شہری ثابت کر رہی تھی۔ ارباز کے لیے خیام کا تعارف بحیثیت پاکستانی خاصا حیران کن تھا کیونکہ اس فنکشن میں پاکستانیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی یہاں تک کہ پاکستان کا سفیر بھی موجود نہ تھا۔

''غالباً آپ بھی پاکستان سے ہیں؟'' وہ ابھی تک خاموش تھا اس کے پاکستانی ہونے کا اندازہ خیام نے کیسے لگایا اسے حیرت ہوئی۔

''نہیں میں یہاں کا ہی شہری ہوں البتہ میرے دادا ضرور پاکستانی تھے۔'' ایک فخر سا ارباز کے لہجے میں در آیا۔

''اوہ.....'' خیام ہلکا سا مسکرا دیا۔

''میں ارباز ہوں..... ارباز حسین۔'' اسے جلد ہی یہ احساس ہوا کہ اس نے ابھی تک اپنا جوابی تعارف نہیں کروایا اس لیے ہی وہ تیزی سے بول اٹھا۔

''آپ کی یہاں موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ بھی میری طرح شوقین مزاج انسان ہیں جو ایسی پارٹیز میں شریک ہو کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔'' دھیمے دھیمے بات کرتے ارباز کا لہجہ پرغرور سا ہو گیا۔

''کیا آپ بھی یہاں نیویارک میں ہی رہتے ہیں؟'' اس نے گردن ترچھی کر کے خیام کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

''نہیں میں یہاں اپنے بزنس کے سلسلے میں آیا ہوں؟'' خیام نے دھیمے سے مسکرا کر جواب دیا۔

''پوچھ سکتا ہوں کیا بزنس ہے آپ کا؟'' ارباز نے اپنے سامنے بیٹھے سادہ سے شخص پر ایک حیرت بھری نگاہ ڈالی۔

''ایس کے انٹرپرائزز کا نام سنا ہے؟'' خیام نے ارباز سے دریافت کیا۔

''ظاہر ہے اس کا نام کس نے نہیں سنا ہوگا، وہ ایک بڑی کاروباری کمپنی ہے جس کے سپر اسٹورز غالباً پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور شاید اس کمپنی کا ایک منی چینجر بھی ہے۔''

ارباز کاروباری شخص ہونے کے ناتے اس کمپنی سے پوری طرح واقف تھا۔ ''اور اب تو سنا ہے کہ اس کمپنی نے لندن میں ایک بہت بڑا ہوٹل بھی کھولا ہے۔'' ارباز مکمل معلومات رکھتا تھا جس کا اندازہ اس کی گفتگو سن کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

''ہاں اور ان شاءاللہ جلد ہی ہم اپنے ایک ہوٹل کا افتتاح یہاں نیویارک میں بھی کرنے والے ہیں۔'' خیام نے اپنے سامنے رکھے جوس کا ایک سپ لیتے ہوئے بتایا۔

''ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کی اس کمپنی میں کیا حیثیت ہے؟'' ارباز کا کاروباری ذہن ایک بار پھر سے جاگ اٹھا۔ ''لگتا ہے آپ وہاں کسی اچھی پوسٹ پر ہیں؟''

ارباز کے لیے ایس کے کمپنی ایک بہت بڑا نام تھی اس لیے وہ خیام سے اتنی گفتگو کر رہا تھا ورنہ عام طور پر وہ کسی اجنبی سے زیادہ جلدی گھلنے ملنے کا ہرگز قائل نہ تھا۔

''جی یہ ہی سمجھ لیں۔'' خیام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ارباز کی خیام سے ہونے والی یہ پہلی ملاقات ضرور اتفاقیہ تھی لیکن خیام اسے پہلے سے جانتا تھا اسے علم تھا کہ وہ سیجل کا شوہر ہے جس کی متعدد تصاویر ہر وقت خیام کے پاس تھیں۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ سیجل نیویارک میں ہوتی ہے۔ اب پتا نہیں یہ اتفاق تھا یا خیام کی کسی کوشش کا نتیجہ کہ وہ آج ارباز تک پہنچ ہی گیا نہ صرف یہ بلکہ اس سے دوستی کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ لاشعوری طور پر شاید ایک بار سیجل سے مل کر وہ اسے دکھانا چاہتا تھا کہ محبت میں ناکامی نے آج اسے دنیا کا ایک کامیاب ترین انسان بنا دیا تھا، ایک ایسا انسان جو ہر کامیابی کے بعد بھی اپنی پہلی ناکامی نہیں بھولا تھا۔ وہ اس سے مل کر اپنی اس ساری کامیابی کا کریڈٹ اسے دینا چاہتا تھا اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ آج بھی سیجل کا ہے اور سیجل کی محبت میں ناکامی نے اسے دنیا کا ایک کامیاب ترین انسان بنا دیا ہے۔

☆☆☆

وسیع و عریض محل کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی وہ اپنی جگہ ششدر کھڑا رہ گیا یہ محل جس قدر باہر سے خوب صورت دکھائی دیتا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ اندر سے حسین ترین تھا۔ پارٹی کے سلسلے میں کی جانے والی انٹیریئر ڈیکوریشن اس قدر عالی شان تھی کہ زرک کو سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی تقریب میں ایسی ڈیکوریشن دیکھی ہو۔ وہ جانے کتنی دیر تک عالم حیرت میں ڈوبا اپنی جگہ کھڑا رہتا اگر اسے مکے تاج بازو سے پکڑ کر اپنی جانب متوجہ نہ کرتی۔

''افوہ تم یہاں کیوں کھڑے ہو گئے۔ اندر آؤ دیکھو کس قدر شاندار فنکشن ہے۔ واؤ! میں نے اپنی زندگی میں ایسی پارٹی کبھی نہیں دیکھی۔''

وہ اسے بازو سے گھسیٹتی ہوئی اس طلسم کدہ کے اندر داخل ہو گئی جہاں ہر طرف رنگ و نور کا ایک سیلاب بکھرا ہوا تھا۔ ان میں سے کئی مہمان شعبۂ زندگی کے ایسے عہدوں سے تعلق رکھتے تھے جنہیں وہ ٹی وی پر کئی بار دیکھ چکا تھا۔ مگر ان سب کو ایک ساتھ اس طرح اپنے سامنے دیکھنا اس کے لیے بالکل ایک نیا تجربہ تھا۔ آنے والے مہمانوں کی تواضع انواع و اقسام کے مشروبات سے کی جا رہی تھی۔ اس نے یہاں وہاں نظر دوڑائی اتنے ہجوم میں میزبان کون تھا؟ اسے تو سب مہمان ہی دکھائی دے رہے تھے جو پارٹی کو خوب انجوائے کر رہے تھے بظاہر کسی کو یہ فکر نہ تھی کہ انہیں یہاں مدعو کرنے والا شخص کہاں ہے؟ سوائے زرک کے جو لوگوں کے اس سمندر میں شاہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔

مکے تاج اپنے ساتھ کیمرہ بھی لائی تھی جس میں وہ مختلف سماجی اور معاشرتی شخصیات کے ساتھ تصاویر بنوا رہی تھی، وہ مکے تاج کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا، اسے وہاں کچھ ایسے ہی افراد دکھائی دیے جنہیں وہ شاہ سمجھ کر ان کی طرف بڑھا مگر ان میں سے کوئی بھی شاہ نہیں تھا زرک مایوس ہو گیا۔ اسے مکمل طور پر یہ یقین آ گیا کہ شاہ اس پارٹی میں موجود نہیں ہے، اسی سوچ میں وہ ہال کے ایک ایسے گوشے کی جانب آ گیا جہاں نسبتاً رش کم تھا۔ وہ شیشے کی دیوار کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا جہاں سے باہر لان کا منظر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ جہاں مکے تاج اپنی فوٹو گرافی میں مصروف تھی۔ ہال کی نسبت لان میں رش زیادہ تھا، اسے بیٹھے کچھ ہی ٹائم ہوا ہوگا جب اس سے کچھ فاصلے پر موجود خالی کرسی پر کوئی شخص آن بیٹھا۔ کرسی ایسی جگہ رکھی گئی تھی جہاں اوپر شیڈ تھا کچھ اس شخص نے کرسی کو تھوڑا سا ترچھا کر لیا جو بھی تھا اس کا چہرہ مکمل طور پر

قریب موجود کرسٹل کی چھوٹی سی میز پر رکھا ہی تھا کہ اسے سامنے بیٹھے شخص نے آواز دے کر مخاطب کیا۔

''زرک آفریدی ہمارے نئے فارسٹ آفیسر۔''

زرک نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا تو وہ شخص پھر سے بول اٹھا۔

''میرا خیال ہے میں نے آپ کو بالکل درست پہچانا ہے۔''

''جی بالکل لیکن میرا خیال ہے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

وہ کوئی نامی گرامی شخصیت نہ تھا جسے کسی ایسی پارٹی میں کوئی جاننے والا مل جائے اور یہ بھی بات زرک کے لیے حیرت کا باعث تھی۔

''پہچاننے کے لیے جاننا ضروری ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے آپ مجھے نہیں جانتے۔'' سامنے موجود شخص نے اطمینان سے اپنی ٹانگیں لمبی کرتے ہوئے کرسی سیدھی کی اور بولا۔ ''ویسے کیا آپ کو مسٹر شاہ سے کوئی خاص کام ہے جو آپ کافی دیر سے انہیں یہاں وہاں تلاش کر رہے ہیں۔''

''نہیں نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔'' جانے کیوں زرک کچھ بوکھلا سا گیا۔

''میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ شخص کون ہے جس کی غیر موجودگی میں بھی ایسی عالی شان پارٹی ہوتی ہے کہ لوگ ایک عرصہ تک یاد رکھتے ہیں۔''

''اوہ!'' سامنے بیٹھے شخص نے اپنے ہونٹ سکوڑے۔

''ویسے بائی دا وے آپ جانتے ہیں مسٹر شاہ کون ہیں؟ آیا وہ اس پارٹی میں بذاتِ خود موجود ہیں یا نہیں۔'' زرک نے پرتجسس انداز میں سوال کیا۔

''ہاں۔'' دوسری جانب سے مختصر جواب آیا۔

''کہاں ہیں وہ؟'' زرک جلدی سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہارے سامنے۔'' اس شخص کا اطمینان بھرا جواب زرک کو حیران کر گیا۔

''مطلب یہ کہ میں ہی شاہ ہوں جسے تم اتنی دیر سے یہاں وہاں تلاش کر رہے ہو۔'' وہ اٹھ کر زرک کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا۔

چھ فٹ سے کچھ نکلتا ہوا قد، سرخ و سفید رنگت، تقریباً چالیس سال کے لگ بھگ۔ چہرے پر سادہ سی مسکراہٹ سجائے سامنے کھڑا شخص شاہ تھا۔ زرک کو یقین ہی نہ آیا۔ اس کا لہجہ اس قدر نرم و ملائم تھا جس میں غرور و تکبر اور کروفر نام کی کوئی چیز اسے نظر نہ آئی، شاید یہ ہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس قدر نوازا تھا۔ اس کی شخصیت کو دیکھتے ہی پہلا تاثر زرک کے ذہن میں یہ ہی آیا۔

''یقین نہیں آیا نا۔'' زرک کو حیران کھڑا دیکھ کر شاہ ہنس دیا۔

''ایکسکیوزمی سر! میں آپ کے ساتھ ایک تصویر لینا چاہوں گا ایک یادگار تصویر جو یہاں سے جانے کے بعد میں اپنے دوستوں کو دکھا سکوں۔'' وہ فوراً سے پیشتر اپنے مطلب کی بات پر آ گیا۔

''سوری ینگ مین! میں کسی کے ساتھ فوٹو نہیں بنواتا جس کی کچھ وجوہات ہیں جو کبھی زندگی رہی تو ہو سکتا ہے تم سے شیئر کر لوں کیونکہ مجھے لگ رہا ہے کہ آنے والے کچھ دنوں میں شاید ہم اچھے دوست بن جائیں۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں رکا نہیں، بلکہ لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا زرک ساکت کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا اسے یقین تھا یہ جن لوگوں کے درمیان سے گزر کر گیا ہے ان میں سے بھی کوئی یہ نہ جانتا ہوگا کہ ان کے پاس سے گزرنے والا شخص کوئی اور نہیں اس پارٹی کا میزبان شاہ ہے۔

☆☆☆

ٹائم اسکوائر وہ واحد جگہ تھی جہاں آتے ہی وہ زندگی کی تمام تلخیاں بھول جایا کرتی تھی۔ اس کا دل چاہتا، یہاں آنے کے بعد گھر واپس ہی نہ جائے، ہمیشہ اسے یہاں آ کر خوشی ہوتی۔ وہ اتنے سالوں میں جانے کتنی دفعہ ٹائم اسکوائر آئی تھی اسے یاد نہ تھا مگر وہ جب بھی یہاں آتی ایک بالکل نئے ریسٹورنٹ میں لنچ کرتی۔ اس نے اتنے سالوں میں کبھی بھی ایک ریسٹورنٹ میں دوسری بار کھانا نہیں کھایا تھا مگر حیرت تھی کہ آج تک ریسٹورنٹ کی تعداد ختم نہ ہوئی تھی اور شاید یہ ٹائم اسکوائر کی ایک بہت بڑی خوبی تھی جو ہمیشہ اسے اپنی جانب متوجہ کرتی۔ ابھی بھی اس کی تمام ضروری شاپنگ ختم ہو گئی تھی وہ گاڑی میں بیٹھی۔ ڈرائیور موڑ مڑ کر جیسے ہی مین روڈ پر آیا یک دم بارش شروع ہو گئی۔

''ڈرائیور گاڑی روک دو۔'' باہر روڈ پر گرنے والی بارش کی بوندوں نے اسے بے خود کر دیا اور وہ بے اختیار ہی بول اٹھی اس کی آواز سنتے ہی ڈرائیور نے بریک لگا دی ڈرائیور اس تک آتا اس سے پہلے وہ خود گاڑی سے اتر کر فٹ پاتھ کی جانب بڑھ گئی۔ ایسی حرکت بیگم صاحبہ نے پہلے کبھی نہ کی تھی، ڈرائیور گھبرا گیا وہ ویسے بھی ارباز سے بہت ڈرتا تھا فوراً گاڑی پارک کر کے سیجل کے پیچھے آیا۔

''بیگم صاحبہ میرے لیے کیا حکم ہے؟'' وہ مودب انداز میں اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''تم گھر جاؤ میں خود ہی آ جاؤں گی۔'' اتنے سالوں میں پہلی بار سیجل نے اس سے ایسی فرمائش کی تھی جو اس کے لیے ناقابل یقین تھی، وہ واپس ضرور پلٹا مگر گھر جانے کے لیے نہیں بلکہ پارک کی ہوئی گاڑی میں جا بیٹھا، وہ سیجل کو اس طرح تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ فٹ پاتھ پر چلتی سیجل کے ذہن میں جانے کیا آیا اس نے جھک کر اپنی چپل اتاری اور ہاتھ میں پکڑ لی، اسے بارش میں ننگے پاؤں چلنا ہمیشہ ہی بہت اچھا لگتا تھا وہاں تو وہ مٹی والے پانی میں بھی خوش و خرم کتنی دیر تک ننگے پاؤں گھومتی تھی، یہاں تو روڈ اور پانی دونوں بہت شفاف تھے۔ اس نے اپنے پاؤں بہتے پانی میں رکھ دیے۔

''ارے ارے کیا کر رہی ہو دیکھو تمہارے خوب صورت پاؤں مٹی سے لتھڑ گئے۔'' یہ آواز خیام کی تھی اس نے چونک کر یہاں وہاں دیکھا لمبے چوڑے گورے چٹے انگریز اس کے چاروں جانب رواں دواں تھے مگر ان میں سے کوئی بھی چہرہ خیام کا نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا اس کے کانوں میں آج بھی خیام کی آواز گونجتی تھی۔

جانے یہ محبت مرتی کیوں نہیں، اسے یکدم غصہ آ گیا ''اے محبت، تو نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا، مجھے تن تنہا، تہی دامن کر دیا اب تو میرا پیچھا چھوڑ دے۔''

وہ رودی بارش میں گرتا پانی اور اس کے آنسو سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے اس کے قدم بوجھل ہو گئے اس سے قبل کہ وہ تھک کر بے دم ہو کر وہیں بیٹھ جاتی سیل کی تیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اس نے جلدی سے ہینڈ بیگ کی زپ کھولی فون نکالا، دس مس کال جو ساری کی ساری ارباز کی تھیں۔

''اوہ..... یہ مجھے کیوں فون کر رہا تھا۔'' اس نے حیرت سے فون کی اسکرین کو تکا جو یک دم پھر سے جگمگا اٹھی۔

''ارباز کالنگ۔'' اس نے فوراً سے پیشتر لیس کا بٹن دبایا اور فون اپنے کان سے لگا لیا۔

''کہاں ہو تم؟'' دوسری جانب اس کے بولنے کا بھی انتظار نہیں کیا گیا۔

''میں.....'' وہ جیسے یک دم ہوش کی دنیا میں واپس آ گئی گھبرا کر یہاں وہاں دیکھا اسے سمجھ ہی نہ آیا وہ کہاں کھڑی ہے۔

''پتا نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''واٹ..... تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے کہیں نشہ میں تو نہیں ہو۔'' ارباز کے چلاتے ہی اس کے عین سامنے بیٹھا خیام چونک اٹھا نظر اٹھا کر ارباز کے چہرے کی جانب دیکھا جو غصہ سے سرخ ہو چکا تھا چڑھے ابرو، ناک کے پھولے نتھنے یہ ثابت کر رہے تھے وہ شدید غصہ میں ہے۔

''تمہیں بتایا تھا کہ آج میرا ایک دوست آ رہا ہے۔ اسے اسپیشلی تم سے ملنا ہے اور تم ہو کہ دوپہر سے بنا بتائے غائب اور پھر جانے کب سے فون کر رہا ہوں

تم وہ بھی رسیو نہیں کر رہیں۔''

''میں بھول گئی تھی۔'' وہ بمشکل خود کو پرانی یادوں کے حصار سے کھینچ کر باہر لائی تھی۔

''اب تم ہو کہاں؟'' اس کے لہجے کی سختی ابھی بھی برقرار تھی، خیام نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''پتا نہیں شاید ٹائم اسکوائر سے آگے والی روڈ ہے لیکن مجھے اس وقت سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کہاں ہوں۔'' سچ تو یہ تھا کہ اس کا دماغ ماضی سے حال میں آنے کو آمادہ ہی نہ تھا۔

''راستہ نہیں پتا تھا تو کس نے کہا تھا روڈ پر اس طرح تفریح کرنے کے لیے۔'' وہ چبا چبا کر بول رہا تھا۔ خیام یک دم اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''مہارانی صاحبہ! اب آپ وہیں رکیں میں ڈرائیور سے کہتا ہوں تمہیں پک کرے کیونکہ وہ بے وقوف آدمی وہیں کہیں گاڑی پارک کر کے تمہاری واپسی کا انتظار کر رہا ہے۔ نہیں جانتا کہ بیگم صاحبہ راستہ بھول گئی ہیں۔''

فون بند کر کے اس نے ڈرائیور کا نمبر ملایا اسے کچھ ہدایات دیں اور پھر سامنے کھڑے خیام پر ایک نظر ڈالی۔

''ارے آپ کہاں جا رہے ہیں بیٹھیں سیجل بس ابھی آنے ہی والی ہوگی۔''

''مجھے کوئی کام یاد آ گیا میں پھر کبھی آؤں گا تو ان سے ضرور ملوں گا۔ آئی ایم سوری، آپ میری طرف سے معذرت کر لیجیے گا۔'' اس نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا۔

کوئی شخص سیجل سے اس انداز میں گفتگو کر سکتا ہے یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ بیوی ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ جب دل چاہے عورت کی عزت اتار کر پاؤں تلے روند دی جائے۔ خیام کا جی بھر آیا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا لونگ روم کا شیشے کا دروازہ دھکیلتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''زرک!.....زرک!'' مسز مارگریٹ زور زور سے دروازہ پیٹنے کے ساتھ اس کا نام بھی پکار رہی تھیں وہ فوراً سے پیشتر باہر نکل آیا۔

''جی آنٹی خیریت ہے کیا ہوا؟''

''جلدی نیچے آؤ۔ باہر شاہ صاحب آیا ہے اسے تم سے ملنا ہے۔'' وہ پھولی سانسوں کے درمیان بولیں۔

''مجھ سے ملنے۔'' زرک اس قدر حیران ہوا کہ چپل پہننا ہی بھول گیا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتا آنٹی مارگریٹ کی تقلید میں مین گیٹ کی جانب آ گیا۔

''وہ آج تک کبھی کسی سے نہیں ملا اسے کوئی نہیں جانتا پھر وہ تم سے ملنے کیسے آ گیا، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔'' بولتے بولتے آنٹی نے گیٹ کھول دیا جس کے بالکل سامنے یونیفارم میں ملبوس ایک شخص کھڑا تھا جو غالباً شاہ کا سیکیورٹی گارڈ تھا۔ گیٹ سے کچھ فاصلے پر ایک بڑی سی کالی گاڑی موجود تھی جس کے تمام شیشے بھی کالے تھے وہ گارڈ سے کچھ کہے بنا ہی اس گاڑی کی جانب بڑھ گیا جس میں یقیناً شاہ موجود تھا۔ مسز مارگریٹ اپنے گیٹ کے درمیان حیرت سے منہ کھولے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ وہ جیسے ہی گاڑی کے قریب پہنچا پیچھے والی کھڑکی کا شیشہ خود بخود نیچے ہو گیا اس کے عین سامنے گاڑی کے دوسری جانب نظر آنے والا چہرہ یقیناً شاہ کا تھا۔

''السلام علیکم سر!'' وہ کھڑکی کے نزدیک آ گیا۔

''وعلیکم اسلام! میں نے کہا تھا کہ شاید ہم آنے والے کچھ دنوں میں اچھے دوست بن جائیں میری بات یاد ہے یا بھول گئے۔'' شاہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یاد ہے سر ایسی قیمتی باتیں بھولنے کے لیے نہیں ہوتیں۔'' شاہ کے خوش گوار موڈ نے اسے خاصا پرسکون کر دیا۔

''گڈ تو پھر کل شام ہم دوبارہ ملاقات کر رہے ہیں۔'' شاہ نے اسے دیکھتے ہوئے آہستہ سے اطلاع دی۔

''میں تمہیں یہاں خود انوائٹ کرنے آیا ہوں کل تم میرے گھر ڈنر کرو گے لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے ساتھ، تمہاری وہ دوست ضرور ہو گی جو اس دن مسز مارگریٹ کے کارڈ پر آئی تھی۔'' وہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔

''مکے تاج.....'' زرک نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں جانتا اس کا نام کیا تھا البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ چہرہ ان چند لوگوں میں سے ایک تھا جنہیں ملنے کے لیے میں ہمیشہ بے تاب رہا۔'' وہ کیا کہہ رہا تھا زرک کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''تو پھر تم کل آ رہے ہو نا مکے تاج کے ہمراہ میرے غریب خانے کو رونق بخشنے۔'' شاہ کا انداز سوالیہ تھا۔

''جی سر ضرور۔''

''میں انتظار کروں گا۔'' اس کے جواب دیتے ہی گاڑی آگے بڑھ گئی اور وہ اپنی جگہ اس وقت تک کھڑا گاڑی دیکھتا رہا جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

☆☆☆

''یہ تمہارا ٹکٹ ہے اگلے ماہ کی دس تاریخ کا۔'' ارباز نے سفید لفافہ اس کے سامنے میز پر لا رکھا۔

''میں اور سوزن اسی ویک شادی کر رہے ہیں میں نے اپنی زندگی کے پندرہ قیمتی سال تمہیں دیے لیکن حاصل کچھ نہ ہوا ہم دونوں آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں سے پندرہ سال قبل ہمارا یہ سفر شروع ہوا تھا۔'' وہ کیا کہنا چاہتا تھا سیجل بنا کہے سمجھ چکی تھی۔ ارباز کا لب و لہجہ ہمیشہ کی طرح اجنبی تھا لیکن اس کے الفاظ سیجل کے دل میں ترازو ہو گئے اسے حیرت ہوئی کیا گزرے پندرہ سال صرف ارباز کے لیے قیمتی تھے؟ کیا اس نے اپنے پندرہ سال کا زیاں نہیں کیا؟ کیا عورت کی زندگی میں ان لمحوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جو وہ ایک مرد کے ساتھ گزارتی ہے کیا نقصان صرف مرد کا ہوتا ہے؟ کیا شوہر کے حقوق پورے کرنا صرف بیوی کی ذمہ داری ہے؟ کیا شوہر پر بیوی کا کوئی حق نہیں ہوتا؟ وہ یہ سب جاننا چاہتی تھی اس سے پوچھنا چاہتی تھی مگر جانتی تھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا اسی لیے خاموشی سے بنا کچھ کہے ہاتھ بڑھا کر ٹکٹ اٹھایا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی کیا کھویا کیا پایا۔ سود و زیاں کا ہر لمحہ اپنا حساب لیے بنا گزر گیا تھا۔

☆☆☆

''مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' وہ مکے تاج کی جانب دیکھتا ہوا بولا جو ابھی ابھی شاہ کے گھر سے اس کے ساتھ ڈنر کر کے واپس لوٹی تھی اور یہ ان کا تیسرا ڈنر تھا شاہ کے ساتھ۔

''کون سی بات؟'' مکے تاج نے دیکھا وہ شش و پنج کی کیفیت میں گھرا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے زرک کیا سوچ رہے ہو؟'' وہ مکے تاج کو کچھ پریشان سا دکھائی دیا۔

''یہ شاہ ہر ویک اینڈ پر ہمیں اپنے گھر انوائٹ کرتا ہے جہاں تمہارے اور میرے سوا کوئی نہیں ہوتا۔''

''ہاں تو پھر کیا ہوا؟'' مکے تاج اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ نہ پائی۔

''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے وہ ایک تنہائی پسند شخص ہے جو لوگوں سے زیادہ گھلنا ملنا پسند نہیں کرتا پھر ہم سے اتنی دوستی بڑھانے کی وجہ مجھے کچھ ہضم نہیں ہو رہی۔''

''شاید وہ اپنی تنہائی سے تھک گیا ہے مجھے تو کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔'' مکے تاج اس ساری گفتگو کا یہی نتیجہ اخذ کر سکی۔

''نہیں مجھے کچھ اور ہی لگ رہا ہے۔'' اس نے مکے تاج کے صبیح چہرے پر ایک نگاہ ڈالی۔

''مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے وہ تمہیں پسند کرنے لگا ہے۔'' بالآخر دل کی بات زرک کے لبوں تک آ ہی گئی۔

''واٹ.....'' مکے تاج کو اس کی بات سنتے ہی

''کیا بکواس کر رہے ہو تم؟'' اسے زرک کی بات خاصی بری لگی۔

''یہ بکواس نہیں، سچ ہے جو میں نے محسوس کیا اور تمہیں بتا دیا اب تمہاری مرضی بے شک تم میری بات مانو یا نہ مانو۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے مکے تاج کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں ہلکا سا غصے کا تاثر پھیل چکا تھا۔

''اب جب تم اس کے گھر جاؤ تو دیکھنا وہ تمہیں کتنی پیار بھری نظروں سے دیکھتا ہے۔''

یہ سب وہ تھا جو زرک نے تین چار ملاقاتوں میں محسوس کیا۔

''تمہیں کوئی بڑی غلط فہمی ہو رہی ہے، زرک جسے تم پیار سمجھ رہے ہو وہ شفقت ہے جو مجھے ہمیشہ اس کی نظروں میں اپنے لیے دکھائی دی میں ایک عورت ہوں اور عورت کسی بھی مرد کی غلط نظروں کو فوراً پہچان لیتی ہے اور شاہ ایسا شخص بالکل نہیں ہے اس کے بارے میں لگایا جانے والا تمہارا اندازہ بالکل غلط ہے۔'' وہ زرک کی ہر بات کی تردید کرتے ہوئے بولی۔

''اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ ہم پر اس قدر مہربان کیوں ہے۔ کیا تمہیں نہیں لگتا کہ اس سب کے پیچھے کچھ ایسا ہے جو ہم جان نہیں پا رہے۔''

''مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔ میرا جہاں تک خیال ہے رشتوں کی کمی اسے ہماری طرف کھینچ لاتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے تم جو کہہ رہی ہو وہ ٹھیک ہو۔'' زرک نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی بات ختم کی اور دل نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے مکے تاج کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

☆☆☆

''میرا خیال ہے کہ تمہیں ہر بات بھلا کر ارباز سے صلح کر لینی چاہیے۔'' بھابی نے ایک بار پھر اسے منانے کی کوشش کی۔

''کس بات کی صلح بھابی؟ میری اس سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔'' وہ اطمینان سے جواب دیتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا لیکن بیہ خالہ تو .....'' بھابی نے اپنی بات درمیان میں ہی چھوڑ دی۔ ''خیر چھوڑو تم یہ بتاؤ واپس نیویارک کب جا رہی ہو۔''

''اتنے سالوں بعد آئی ہوں بھابی اطمینان سے ہی واپس جاؤں گی، ویسے بھی میرے واپس جانے یا نہ جانے کا فیصلہ میرے ہاتھ میں کب ہے بھابی اور بیہ خالہ آپ کو فون پر جو کچھ کہیں مجھ سے پوچھے بغیر یقین مت کیجیے گا۔'' بھابی کو اس کے چہرے پر پھیلے سکون نے خاصا حیران کیا۔

''ایک بات بتاؤ سجل تمہیں دکھ نہیں ہوتا ارباز کے دوسری شادی کے فیصلے پر۔''

''نہیں بھابی ارباز میری منزل کبھی نہ تھا وہ تو صرف راستہ میں آنے والا ایک پڑاؤ تھا جہاں میں نے رک کر اپنی زندگی کا کچھ وقت ضرور گزارا مگر وہ وقت ایسا نہ تھا جو میری یادوں کا حصہ بن سکے۔ البتہ میں نے کوشش ضرور کی تھی کہ ارباز کے ساتھ ایک صاف ستھری بے ریا زندگی کی ابتدا کروں مگر میں اس میں ناکام ہو گئی۔ میں اپنے دل کو اپنے تابع نہ کر سکی بھابی میں ہار گئی لیکن سچ یہ ہے کہ اگر ارباز مجھ سے بے لوث محبت کرتا۔ میرا احساس کرتا مجھے بیوی ہونے کا مان دیتا تو آج یقیناً صورت حال قطعی مختلف ہوتی۔'' شادی شدہ زندگی کی ناکامی اس کے لہجے میں دکھ بن کر اتر آئی اور اپنی بہنوں جیسی اس نند کے دکھ نے، بھابی کو بھی دکھی کر دیا۔

''میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی کی وہ تمام خوشیاں دے جن کی تم خواہش مند ہو۔'' بھابی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دعا دی اور اسی پل سجل کی آنکھ سے آنسو کے دو قطرے بہہ کر اس کے دامن کو بھگو گئے۔

☆☆☆

وہ کب سے مکے تاج کی تصویر سامنے رکھے اسے تکے جا رہا تھا۔ ہو بہو ویسی آنکھیں، وہی چہرہ یہاں تک کہ مسکراتے سے گال میں پڑنے والا ڈمپل بھی ویسا، کیا کوئی اس قدر بھی کسی سے مماثلت رکھ سکتا ہے وہ جتنی دفعہ اس تصویر کو دیکھتا اتنا ہی حیران ہوتا ابھی بھی وہ مکے تاج کی بڑی سی تصویر سامنے رکھے اس میں گم تھا جب اچانک بیرونی دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا، یہ وقت ملازم کے چائے لے کر آنے کا تھا۔ شاہ نے پلٹ کر نہ دیکھا وہ منتظر تھا مگر چائے کا کپ اس کے سامنے نہ آیا اسے حیرت ہوئی وہ کرسی گھما کر پلٹا اس کے عین پیچھے زرک کھڑا تھا جو حیران پریشان شاہ کے سامنے رکھی مکے تاج کی تصویر کو تکے جا رہا تھا۔

''تم کب آئے؟ کوئی کام تھا مجھ سے؟ ملازم کہاں ہیں سارے؟'' زرک کی اس طرح اچانک آمد نے اسے خاصا حیران کیا۔

''جی سر رات شاید میرا فیڈرل گورنمنٹ کا لائسنس یہاں گر گیا تھا وہ ہی لینے آیا تھا لیکن اب یہاں آ کر افسوس ہوا کاش میں نہ آتا تو کم از کم آپ کا وقار میری نظروں میں قائم رہ جاتا۔'' وہ ابھی تک میز پر رکھی مکے تاج کی تصویر دیکھ رہا تھا۔

''تم جو سمجھ رہے ہو وہ بالکل غلط ہے۔'' شاہ نے آگے بڑھ کر میز پر رکھی تصویر اٹھالی۔

''حقیقت وہ نہیں ہے جو تمہیں دکھائی دے رہی ہے۔''

''پھر میں جاننا چاہوں گا کہ حقیقت کیا ہے۔''

شاہ کی زندگی میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا جو زرک جاننے کے لیے بے چین تھا اسے لگتا شاہ کی زرک سے بڑھائی جانے والی دوستی بلا سبب نہیں ہے۔

''تم مکے تاج کو کب سے جانتے ہو؟'' شاہ کا سوال بالکل غیر متوقع تھا۔

''شاید دو سال اور کچھ ماہ پرانی دوستی ہے ہماری۔''

''اس کی فیملی کے بارے میں کیا جانتے ہو۔'' شاہ نے اسے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''کچھ زیادہ نہیں صرف یہ کہ اس کی ایک بڑی بہن ہے جو شادی شدہ ہے۔''

''ایک منٹ .....'' شاہ نے بے قراری کے عالم میں اس کی بات کاٹ دی۔

''کیا وہ نیویارک میں رہتی ہے۔'' زرک کو یقین آ گیا کہ شاہ مکے تاج کی فیملی کو جانتا ہے۔

''رہتی تو وہ امریکا میں ہی ہے لیکن یہ نہیں پتا کہاں۔''

''مجھے پتا ہے وہ نیویارک میں رہتی ہے سجل نام ہے اس کا، جس کی شادی اپنی خالہ کے گھر ہوئی تھی۔'' شاہ نے تیزی سے زرک کی بات کاٹی۔

''تم چاہو تو میری ہر بات کی تصدیق مکے تاج سے کر سکتے ہو۔ یقین جانو میں جو تم سے کہہ رہا ہوں وہ سب سچ ہے..... سو فیصد سچ جس دن میں نے مکے تاج کو پہلی بار اس گھر میں تمہارے ساتھ دیکھا تھا میں اس دن ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ سجل کی بہن ہے کیونکہ اس کی شکل اپنی بہن سے بے حد ملتی ہے اگر عمر کے فرق کو نکال دیا جائے تو دونوں جڑواں بہنیں نظر آتی ہیں۔''

زرک بنا جواب دیے اس کی ہر بات سن رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے تمہیں میری بات پر یقین نہیں آیا۔'' جیسے شاہ اس کے دل کی بات جان گیا۔

''ایک منٹ رکو میں تمہیں کچھ اور دکھاتا ہوں۔''

اس نے اپنے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ایک بڑا سا لفافہ نکالا جس میں ہاتھ ڈال کر ایک سیکنڈ کچھ ڈھونڈا اور پھر ایک تصویر نکال ٹیبل پر اسی جگہ رکھ دی جہاں کچھ دیر قبل مکے تاج کی تصویر رکھی تھی زرک چونک اٹھا وہ تصویر ہو بہو مکے تاج جیسی تھی لیکن وہ مکے تاج نہ تھی۔

''اسے غور سے دیکھو یہ مکے تاج کی بڑی بہن سجل ہے جس وقت اس کی شادی ہوئی مکے تاج اسکول کی طالبہ تھی لیکن اب اتنے سالوں بعد وہ بالکل اپنی بہن جیسی ہو گئی ہے، ہو بہو سجل۔''

''لیکن ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے سر آپ سجل کو کیسے جانتے ہیں؟ کیا آپ مکے تاج کی

کوئی رشتہ دار ہیں؟'' سیجل کے حوالے سے اسے شاہ کا رویہ بہت عجیب لگا۔

''نہیں۔''

''تو پھر آپ سیجل کو کیسے جانتے ہیں؟''

''سیجل دنیا کی وہ واحد لڑکی ہے جس کے سوا میں کسی کو نہیں جانتا وہ میرا سب کچھ ہے۔'' شاہ کے لہجہ میں دنیا بھر کی محبت سمٹ آئی۔

''میری زندگی، میری جان، میری روح میرے جینے کی واحد وجہ صرف اور صرف سیجل ہی ہے۔'' شاہ کا ہر انکشاف زرک کے لیے حیران کن تھا۔

''دنیا نے اسے مجھ سے بے شک چھین لیا مگر میرے دل سے اسے کوئی نہیں نکال سکا وہ آج بھی میرے دل کی ملکہ ہے وہ کہتی تھی اسے برف باری پسند ہے میں نے اس کے لیے یہاں محل بنوایا، لندن میں ایک اپارٹمنٹ لیا اسے پھول اور خوشبو پسند تھی میں نے اپنا محل پھولوں سے بھر دیا اسے جو، جو پسند تھا میں وہ سب کچھ یہاں لے آیا سوائے خود اس کے جو مجھے تڑپنے کے لیے اس دنیا میں تنہا چھوڑ گئی۔''

بات کرتے کرتے شاہ نے ایک سسکی سے بھری زرک کو محسوس ہوا وہ رو رہا ہے۔

عشق کرتا تو دن رات اسے سوچتا
اور کچھ ذہن میں آ گیا تو خسارہ ہو گا

اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ زرک کے دل کو تڑپا گئے۔

کون ہوتا ہے یہاں ہجر کے سناٹوں میں
میرے جیسے ہی کوئی ہجر کا مارا ہو گا

''پلیز سر آپ روئیں مت۔'' زرک نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کروانے کی کوشش کی۔

''تم مکے تاج کو بتانا کہ میں خیام علی شاہ ہوں مجھے یقین ہے وہ ضرور مجھے جانتی ہوگی اسے بتانا کہ سیجل کی محبت نے مجھے اتنی کامیابی بخشی کہ میں ایس کے انٹر پرائزز کا مالک بن گیا۔ میں نے پچھلے پندرہ سالوں میں دنیا کی ہر چیز حاصل کی سوائے سیجل کے جو مجھے نہ ملی۔ ارباز پارٹیز کا شوقین تھا میں نے صرف سیجل کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اس سے دوستی کی، اسے اپنی اس پارٹی میں انوائٹ کیا مگر افسوس وہ سیجل کو نہیں لایا جانتے ہو پورے چودہ سال چھ ماہ اور پندرہ دن ہو گئے ہیں میں نے سیجل کو نہیں دیکھا۔''

بولتے بولتے اس کی آواز مدھم ہو گئی وہ اب باقاعدہ میز پر سر رکھے سسک رہا تھا۔ زرک بنا کچھ کہے بیرونی دروازہ کھولے خاموشی سے باہر نکل آیا اتنی بے لوث محبت جس کے لیے کوئی شخص اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دے اس کے پاس ایسی محبت کی کوئی مثال نہ تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا سیجل خوش قسمت تھی یا بدنصیب جو خیام جیسے محبت کرنے والے شخص کو چھوڑ کر نیویارک جا بسی لیکن ایک بار وہ سیجل کو خیام سے ملوائے گا ضرور۔ یہ سوچتا اپنے دل میں یہ عہد کرتا وہ آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

''مجھے پتا لگ گیا شاہ کون ہے؟'' مکے تاج کے اس انکشاف پر زرک نے کسی خاص دل چسپی کا اظہار نہیں کیا اور خاموشی سے اخبار پڑھتا رہا۔

''میری بات سن رہے ہو نا زرک۔ میں جان گئی ہوں شاہ کون ہے؟'' زرک کے دل چسپی نہ لینے پر وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

''جب پتا لگ ہی گیا ہے تو مجھے بھی بتا دو۔'' زرک اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

''مجھے یقین ہے جب تم اس کے بارے میں اصل بات جانو گے نا تو اتنے ہی شاکڈ ہو گے جتنا میں ہوئی تھی۔'' مکے تاج سسپنس پھیلاتے ہوئے بولی۔

''اچھا......'' زرک کو ہنسی آ گئی۔

''اتنی پہلیاں مت بجھواؤ یار۔ اب بتا بھی دو کہ آخر یہ شاہ ہے کون؟''

وہ جاننا چاہتا تھا کہ مکے تاج شاہ کے بارے میں کیا جانتی ہے۔

''شاہ ایک اسمگلر ہے۔ لڑکیاں اسمگل کرتا ہے دبئی اور بہت سے دوسرے ممالک میں اس کا یہ کاروبار ہے اور تم نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا اس کی مجھ پر نظر تھی۔ تھینک گاڈ کہ میں بچ گئی۔'' وہ جو بولنا شروع ہوئی تو چپ ہی نہ ہوئی۔

''ایک منٹ، ایک منٹ!'' زرک نے اسے ہاتھ اٹھا کر مزید بولنے سے روکا۔

''تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟'' وہ تو سمجھا تھا شاید مکے تاج جان چکی ہے کہ درحقیقت شاہ اس کی بہن سیجل کی بچھڑی محبت ہے مگر یہاں تو کہانی ہی الٹی نکلی۔

''بس مجھے بھی کسی نے بتا ہی دیا۔'' اس نے اطمینان سے اپنی ٹانگیں لمبی کرتے ہوئے جواب دیا۔

''جس نے بھی بتایا ہے انتہائی فضول بات بتائی ہے یہ ایک ایسی بات جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ ہی پیر۔ یہ ایک اتنا گھٹیا الزام ہے جو تم بنا جانے شاہ پر لگا رہی ہو جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔'' زرک کو یک دم ہی غصہ آ گیا مکے تاج حیران رہ گئی۔

''تمہیں یہ بتاتا ہوں شاہ کون ہے کیونکہ میں تم سے زیادہ اسے جان گیا ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم کسی خیام کو جانتی ہو جو تمہاری بڑی بہن سیجل کے ساتھ پڑھتا تھا۔''

''ہاں مگر تم اسے کیسے جانتے ہو؟'' مکے تاج نے حیرت سے دریافت کیا۔

''دراصل خیام کا پورا نام خیام علی شاہ ہے اور کل کا خیام آج کا مسٹر شاہ ہے جو ایس کے انٹر پرائزز کا مالک ہے۔''

اس کے ساتھ ہی زرک نے اسے ہر بات بتا دی اور جیسے جیسے وہ سب کچھ بتاتا گیا مکے تاج کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟'' وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''خود شاہ نے اس وقت

گھر کسی کام سے گیا اور وہ تمہاری تصویر اپنے سامنے رکھے بیٹھا تھا اسی وقت مجھے پتا چلا کہ تمہاری بڑی آپی کا نام سیجل ہے جو شکل میں بھی بالکل تمہارے جیسی ہیں۔ تم دونوں کی شکل میں اتنی مماثلت تھی کہ ایک پل کو تو میرے لیے بھی فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ ان میں سے مکے تاج کی تصویر کون سی ہے۔''

''اوہ تم صحیح کہہ رہے ہو۔ آپی بالکل میرے جیسی ہیں لیکن قسمت دیکھو خیام جیسے محبت کرنے والے شخص کو چھوڑ کر ارباز جیسا اوباش انسان ان کا مقدر بن گیا۔'' وہ انتہائی دکھ سے بولی۔

''یہ ہی نصیب ہے مکے تاج۔ اس میں جو لکھا ہو وہی ہمیں ملتا ہے اور اگر ہم اسے بدلنا چاہیں تو کوشش کرنا پڑتی ہے اس لیے تم بھی کوشش کرو اگر ہو سکے تو اپنی بہن کا نصیب ایک بار پھر سے بدل دو۔'' زرک کی بات سنتے ہی مکے تاج نے اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ ساری بات سمجھ گئی ہو کیونکہ اپنے سے دس بارہ سال بڑی بہن کو سمجھانا مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہ تھا اس سوچ نے مکے تاج کو خاصا مطمئن کر دیا۔

☆☆☆

سیجل جب سے پاکستان آئی تھی ایک عجیب سی خاموشی نے اس کے سارے وجود کو گھیر رکھا تھا ایسے لگتا تھا جیسے وہ چپ کی بکل مارے اپنا آپ اس کے اندر چھپائے بیٹھی ہے۔ گم صم، ساری دنیا سے بے زار، جہاں بیٹھ جاتی کتنی کتنی دیر وہاں ہی بیٹھے رہتی جب تک کوئی اسے آواز دے کر نہ بلاتا، اور بھابھی کو تو اس کی حالت دیکھ دیکھ کر بیبہ خالہ پر اتنا غصہ آتا کہ دل چاہتا فون کر کے بے نقط سنائیں۔

مگر مجبور تھیں کیونکہ اس مسئلے پر ابھی تک امی کی طرف سے مکمل خاموشی تھی، ایسے میں اگر وہ نند کی ہمدردی میں کوئی حرکت کرتیں تو خدشہ تھا بدلے میں کچھ غلط ہونے کی پاداش تا عمر، ان کے لیے طعنہ بن جاتی، ساری نیکی خاک میں مل جاتی اور ہمیشہ یہ سننے کو ملتا کہ نند کا گھر اجاڑ دیا اور یہ ہی سوچ ابھی تک بھابھی

شکر کیا کہ گھر میں پھیلی اس بے نام خاموشی کو توڑنے کے لیے مکے تاج اپنے ٹور سے واپس آ گئی اور اس کے آتے ہی گھر میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی کیونکہ وہ عادتوں کے حساب سے اپنی بڑی بہن سے قطعی مختلف تھی، ابھی بھی مکے تاج ناشتا کرنے کے ساتھ ساتھ کسی سے فون پر باتیں کرنے میں مصروف تھی جب شہنیلا خاموشی سے کرسی کھسکاتی اس کے سامنے آ بیٹھیں۔ مکے تاج کو محسوس ہوا کہ وہ کسی الجھن کا شکار ہیں اس لیے اس نے جلدی جلدی اپنی ٹیلی فونک گفتگو ختم کر کے بھابھی شہنیلا کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''کیا بات ہے بھابھی ...... آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں؟''

''کیا بتاؤں؟ سیجل کی خاموشی دیکھ دیکھ کر دل ہول رہا ہے جب سے واپس آئی ہے نہ کچھ بولتی ہے نہ ڈھنگ سے کھاتی ہے ہر وقت چپ چاپ کسی کونے میں پڑی آنسو بہاتی رہتی ہے سچ جانو تو مجھے تو اس کی یہ حالت دیکھ کر اتنا افسوس ہوتا ہے کہ دل چاہ رہا ہے فون کر کے بیبہ خالہ کو ٹھیک ٹھاک سنا دوں مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتی ہوں کہ کہیں بات زیادہ نہ بڑھ جائے۔''

''خیر انہیں تو فون کرنا بالکل بے کار ہے اس لیے کہ جو ماں اپنے بیٹے کی درست تربیت نہ کر سکے، وہ کسی کی بیٹی کا کیا لحاظ کرے گی۔'' بولتے بولتے مکے تاج رک گئی جب اس کی نظر اندر داخل ہوتی سیجل پر پڑی، بھابھی نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور اجڑی ہوئی سیجل کو دیکھ کر تاسف سے سر ہلانے لگیں جبکہ مکے تاج کرسی سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی بہن کے قریب آ کھڑی ہوئی اور نہایت پیار سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے قدرے مسکرا کر بولی۔

''آپا! ...... میں دو دن بعد پھر سے سوات جا رہی ہوں ابھی میرا کچھ کام باقی ہے اور میرا خیال ہے

جائیں سوات کا حسن دیکھ کر آپ کو امریکا بھول جائے گا۔'' مکے تاج کی بات اس قدر غیر متوقع تھی کہ سیجل کے ساتھ ساتھ شہنیلا بھی چونک اٹھیں۔

''لیکن میں تمہارے ساتھ جا کر وہاں کیا کروں گی تم تو اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ گی ایسے میں۔''

''میرا کام ایسا نہیں ہے۔ جو آپ کی وہاں موجودگی سے متاثر ہو۔'' سیجل کی نیم رضامندی کو محسوس کرتے ہی، مکے تاج نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ ''بس آپ اپنی تیاری کر لیں ہم نے دو دن بعد صبح نو بجے یہاں سے نکلنا ہے۔'' بات کرتے کرتے مکے تاج نے بھابھی کی جانب دیکھا جن کے چہرے پر چھایا سکون اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ وہ بھی مکے تاج کی بات سے متفق ہیں اور مکے تاج کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ پھر اس نے بھابھی کے ساتھ مل کر اگلے دن تک سیجل کی تمام پیکنگ مکمل کی اور ساتھ ہی زرک کو بھی فون کر دیا کہ وہ جلد ہی اپنے ساتھ سیجل کو لے کر وادی حسن واپس لوٹنے والی ہے اور اس خبر کے ساتھ ہی زرک سراپا انتظار کی تصویر بن گیا کیونکہ وہ دل سے چاہتا تھا کہ ایک دفعہ اس ہستی سے ضرور ملاقات کرے جس کی محبت نے شاہ جیسے آدمی کے دل میں آج تک اپنے ڈیرے ایسے ڈالے ہیں کہ وہ بندہ اسی کا ہو کر رہ گیا۔

☆☆☆

پنڈی سے یہاں تک کا سفر بے شک تھکا دینے والا تھا مگر جیسے ہی وادی سوات شروع ہوئی سیجل سب کچھ بھول کر اس کے حسن میں اس قدر محو ہوئی کہ کب وہ مکے تاج کے ساتھ اس کی رہائش گاہ پہنچی اسے پتا ہی نہ چلا۔

''آ جائیں آپی، میں فی الحال یہاں ہی رہتی ہوں۔'' جب وہ کافی دیر تک گاڑی سے باہر نہ نکلی تو مکے تاج نے اس کا بازو ہلا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''بہت خوب صورت جگہ ہے یہ۔'' گاڑی سے

ہریالی سیب کے بڑے بڑے درخت، کچھ درخت آڑو کے بھی تھے، ان سے آتی خوشبو، سیجل نے لمبی سانس کھینچ کر اس خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔

''میرا خیال ہے آپ کا نیویارک اس سے زیادہ خوب صورت ہے۔'' مکے تاج اس کا ٹرالی بیگ گھسیٹتی ہوئی آگے کی جانب بڑھ گئی۔

''نہیں جو حسن یہاں ہے وہ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔''

''آپی آپ شام کو میرے ساتھ زرک کے گھر جائیں گی تو یہاں کا حسن بھی بھول جائیں گی وہ جس کاٹیج میں رہتا ہے وہاں سے دریائے سوات کا منظر اتنا دل موہ لینے والا نظر آتا ہے کہ بندہ پہلی بار دیکھے تو سچ میں پاگل ہی ہو جائے۔''

''اچھا پھر تو میں چاہوں گی جلد ہی شام ہو اور میں تمہارے ساتھ زرک کے گھر جاؤں۔'' سیجل ہلکا سا مسکرا دی، مکے تاج نے پلٹ کر دیکھا اسے اپنی بہن کے چہرے پر ٹینشن سے پاک مسکراہٹ کافی عرصہ بعد نظر آئی تھی، اس کا دل خوش ہو گیا۔

''کاش آپی کے لیے جو کچھ میں اور زرک سوچ رہے ہیں وہ بنا کسی مشکل کے ممکن ہو سکے۔'' دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کرتی وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

فون کب سے بج رہا تھا سیجل نے بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے اسکرین پر ایک نظر ڈالی۔ ''ارباز کالنگ'' پورے کروفر کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ دو ماہ بعد آنے والی ارباز کی اس فون کال نے اسے کوئی خوشی نہ دی اس نے فون دوبارہ تکیے کے نیچے رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں۔ بے رخی کسی بھی انسان کی موت ہے ارباز کی بے رخی نے اسے مار دیا تھا، اس کا دل ختم ہو چکا تھا۔ فون پھر سے بج اٹھا جسے مکمل طور پر نظر انداز کیے وہ اٹھ کر باہر ٹیرس پر آ گئی جہاں بالکل سامنے پھلوں کا باغ اس قدر حسین لگ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے والی ساری کلفت بھول گئی۔

سیجل، مکے تاج کے ساتھ زرک سے ملنے آئی

تھی چاروں طرف ہریالی سے گھرا یہ کاٹیج اسے بے حد پسند آیا اس وقت جب وہ کاٹیج کے لان میں بیٹھی کافی پی رہی تھی کہ داخلی دروازہ کی گھنٹی بج اٹھی، مکے تاج نے ایک نظر زرک پر ڈالی جو باہر کا گیٹ کھولنے جا رہا تھا وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آپی میں واش روم جا رہی ہوں۔'' وہ نہیں چاہتی تھی کہ خیام اور سیجل کی پندرہ سال بعد ہونے والی اس ملاقات میں کوئی تیسرا فرد موجود ہو۔

''اچھا ......'' اسے جواب دے کر سیجل جانے کن سوچوں میں گم ہو گئی جب اس کے سامنے والی کرسی پر کوئی بیٹھا۔

''مکے تاج نے بتایا تھا کہ تمہارے بیڈ روم کی کھڑکی سے دریائے سوات ......'' بولتے بولتے اس نے جو نگاہ اوپر اٹھائی تو بولنا ہی بھول گئی، اس کے سامنے زرک کی کرسی پر کوئی اور بیٹھا تھا، اسے لگا وہ خیام ہے اس نے اپنے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اسے محسوس ہوا شاید وہ پاگل ہونے لگی ہے اپنے بربادی کے دہانے پر پہنچے گھر کی ٹینشن نے اس کے حواس چھین لیے ہیں، یہ ہی سبب تھا جو اسے ہر دوسرا فرد خیام دکھائی دیتا تھا۔

''کیسی ہو سیجل؟''

''خیام کا چہرہ، اس کی آواز جانے کیوں آج بھی میرا پیچھا کہیں چھوڑتی جانے میں نے محبت کیوں کی؟ ساری زندگی کا ایک درد پال لیا۔''

اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں پر گرا لیا وہ سسک رہی تھی۔

''پلیز سیجل اپنا چہرہ مت چھپاؤ مجھ سے، تم نہیں جانتیں تمہیں دیکھنے کی چاہ لیے میں در در پھرا ہوں۔'' کوئی اس کے قدموں میں آ بیٹھا وہ چونک اٹھی۔ ایک دم جو سر اوپر اٹھایا تو اس کا تخیل حقیقت کا روپ دھارے بالکل سامنے بیٹھا تھا، اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔

''خیام!'' اس کے لبوں سے سرسراتی آواز نکلی۔

"یقین کرلو کہ جو تم دیکھ رہی ہو وہ سچ ہے۔" اس نے سجیل کے دونوں ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیے۔

"میں تخیل نہیں، کوئی خواب نہیں، کوئی خیال نہیں، میں ایک حقیقت ہوں میں تمہارا خیام ہوں جسے وقت نے تم سے دور ضرور کیا مگر ختم نہیں کیا جو آج بھی تمہاری چاہ میں زندہ جو صرف تمہارا ہے۔ سجیل مان لو کہ ہم دونوں صرف ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں اب ہمارے درمیان کوئی نہیں آ سکتا تم میری ہو سجیل صرف میری۔"

آہستہ آہستہ بولتا وہ اپنی گمبھیرتا بکھیر رہا تھا، سجیل سب کچھ بھول گئی وہ کون تھی؟ اس کا ارباز سے کیا رشتہ تھا؟ اسے کچھ یاد نہ رہا، یاد رہی تو صرف محبت جو اس کے سامنے مجسم موجود تھی۔ اس سے قبل کہ وہ عشق کے سمندر میں کود جاتی، موبائل کی تیز وائبریشن اسے دریائے عشق کے کنارے سے کھینچ کر باہر لے آئی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے قریب رکھا سیل اٹھایا وقاص بھائی کا نمبر اسکرین پر جگمگا رہا تھا، اس نے جلدی سے یس کا بٹن دبایا لرزتے ہاتھوں سے فون کانوں سے لگا لیا۔

"ہیلو۔" اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

"کہاں ہو تم ارباز کا فون رسیو نہیں کر رہیں وہ جانے کب سے تمہیں فون کر رہا ہے۔" ان دونوں کی محبت کے درمیان پھر ارباز آ گیا۔

"میں گھر پر نہیں تھی۔" اس کا جواب نہایت مختصر تھا۔

"اچھا اب جب وہ تمہیں فون کرے تو اس کی بات سن لینا اسے تم سے کوئی ضروری بات کرنا ہے۔"

"اچھا۔" اس نے خاموشی سے اسکرین بند کر دی۔ اسے بھابھی نے آج ہی بتایا تھا کہ بیہ خالہ نے فون کر کے کہا ہے کہ اگر سجیل اسی ہفتہ نیویارک واپس نہ آئی تو ارباز اس کے پیپرز بھیج دے گا جس کا مطلب تھا طلاق جو کسی مشرقی لڑکی کے لیے موت سے کم نہ تھی۔ یہ ہی وجہ تھی جس نے سجیل کے پورے گھر کو لرزا دیا تھا اس کے باپ، بھائی کی خواہش تھی کہ وہ واپس چلی جائے، اس کی ماں کا کہنا تھا اپنا گھر بسانے کے لیے عورت کو ہی قربانی دینا پڑتی ہے۔ وہ کس قربانی کی بات کر رہی تھیں آج تک سجیل سمجھ نہ پائی وہ تو یہ بھی نہ سمجھ پائی کہ اس کا گھر اب ہے کہاں اس گھر میں، اس کے نام نہاد بیڈروم میں سوزن آ چکی تھی وہاں تو اس کی گنجائش تھی ہی نہیں پھر بھی ہر فرد چاہتا تھا کہ وہ واپس چلی جائے۔

"میں سب جانتا ہوں سجیل ارباز نے تمہیں کبھی وہ محبت نہ دی جس کی تم حق دار تھیں وہ ایک عیاش شخص تھا جسے تمہاری قدر نہ تھی۔" وہ خیالوں میں گم تھی کہ شاہ کی آواز کان سے ٹکرائی۔

"دیکھو سجیل اب دنیا سے مت ڈرو اگر اسے اپنی مرضی سے شادی کرنی ہے تو تمہیں بھی حق ہے اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا چھوڑ دو اسے مت جاؤ نیویارک واپس، میں آج بھی تمہارا وہ ہی خیام ہوں جو تمہاری خاطر ساری دنیا چھوڑنے کو تیار ہے بس صرف ایک بار آزما کر دیکھو۔"

"مجھے جانا ہوگا۔" اس کا دل گھبرایا وہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تم سے پھر ملوں گی خیام ابھی میرا دل میرے قابو میں نہیں ہے۔" وہ رو رہی تھی ایک طرف خیام کو پانے کی چاہ اور دوسری جانب گھر کی بربادی کا دکھ اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ خوشی منائے یا غم، مشرقی عورت کا یہ ہی المیہ تھا اپنے گھر ختم ہونے کا دکھ اسے صدیوں بے چین رکھتا تھا۔

"سب کچھ بھول جاؤ سجیل میں تمہارے ساتھ ہوں۔" خیام نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ہونے کا یقین دلایا۔

"میں جانتی ہوں خیام، تمہارے ساتھ ہونے میں مجھے کوئی شک نہیں۔" اس نے کندھے پر رکھے خیام کے ہاتھ کو تھام لیا۔

"چھوڑ دو اسے جو تمہارا نہیں لوٹ آؤ واپس میں آج بھی تمہاری راہ تک رہا ہوں کسی کی پروا مت کرو سجیل کچھ مت سوچو سوائے اس کے کہ تمہیں لوٹ کر میرے پاس آنا ہے۔"

"میں آؤں گی خیام بس مجھے کچھ وقت دو۔"

اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں تیز تیز چلتی گیٹ کی جانب آ گئی، مکے تاج اسے اکیلا جاتا دیکھ کر، اس کے پیچھے لپکی، اسے لگا اگر وہ سجیل کے پیچھے نہ گئی، اسے جا کر نہ تھاما تو شاید وہ بے دم ہو کر وہیں نہ گر جائے وہ اپنی بہن کو کسی بھی حال میں گرنے سے بچانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

"ارباز سے کہیں مجھے طلاق دے دے کیونکہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب مجھے واپس نہیں جانا تھک گئی ہوں بھابھی میں قید تنہائی کاٹتے کاٹتے اب میری ہمت جواب دے گئی ہے۔"

ساری رات کی کشمکش کے بعد بالآخر وہ فیصلہ کر کے ایک نتیجہ پر پہنچ گئی اور صبح اٹھتے ہی خیام سے بات کرنے کے بعد اس نے پہلا فون بھابھی کو کیا تاکہ وہ یہ خبر گھر کے دیگر افراد کو دے سکیں۔

"تم نے اچھی طرح سوچ لیا سجیل ایسا نہ ہو کل کو پچھتانا پڑے۔"

بھابھی نے ایک بار پھر اپنے تئیں کوشش کی کسی طرح سجیل کا نام نہاد گھر بچا کر اسے خاندان بھر میں سرخرو کر دیا جائے۔

"دیکھو سجیل یہاں کوئی نہیں جانتا کہ ارباز، سوزن سے شادی کرنا چاہتا ہے اور پھر اس کے پاس اتنا بینک بیلنس ہے کہ وہ دو چھوڑ چار بیویاں بھی رکھ سکتا ہے اور مرد کی دوسری یا تیسری شادی اب کوئی اتنا بڑا مسئلہ بھی نہیں رہا کہ اسے ایشو بنا کر اپنا گھر برباد کر لیا جائے تم میری خالہ زاد کو تو جانتی ہو نا جن کے ہسبینڈ ان کے اوپر دو دو سوتن لے کر آئے لیکن دیکھو آج بھی اپنے گھر اپنے شوہر کے ساتھ آباد ہیں۔"

"اگر آپ اسے آباد ہونا کہتی ہیں تو معاف کیجیے مجھے ایسا آباد نہیں ہونا۔"

خیام کی محبت نے اسے اپنے ہونے کا احساس دلا دیا تھا۔

"ایک بار پھر سوچ لو کہیں ایسا نہ ہو بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے۔" وہ اپنے بڑے ہونے کا فرض بخوبی نبھا رہی تھیں۔

"میں پچھلے بیس سالوں سے پچھتا رہی ہوں بھابھی اب اگر مزید پچھتانا پڑا تو بھی کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا۔"

بھابھی سمجھ گئیں وہ کسی فیصلے پر پہنچ چکی ہے۔

"بہرحال میں تمہیں مزید سوچنے کا مشورہ دوں گی ورنہ پھر جیسے تمہاری مرضی۔" فون بند کرنے سے پہلے بھابھی نے ایک بار پھر اپنی بات دہرانا ضروری سمجھا۔

"ٹھیک ہے بھابھی میں کوشش کروں گی آپ کے مشورہ پر عمل کرنے کی۔" وہ اب ان سے مزید بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

زرک نے دیکھا شاہ بہت خوش ہے، آج صبح جب وہ واک کرتا ہوا شاہ پیلس کے سامنے سے گزرا تو اس کا وسیع و عریض گیٹ کھلا ہوا تھا جس کے بالکل سامنے خیام شاہ کھڑا تھا اس سے قبل کہ گیٹ کیمپرا سے بند کر دیتا۔ شاہ کی نگاہ باہر کھڑے زرک پر پڑی۔

"ارے باہر کیوں کھڑے ہو اندر آ جاؤ۔" نہ چاہتے ہوئے بھی زرک کو اندر جانا پڑا۔

"مجھے آج اپنے بیڈروم کا فرنیچر تبدیل کرنا ہے جانتے ہو کیوں؟" زرک نے دیکھا اس کے سادہ اور بے ریا چہرے پر چھائی خوشی بالکل کسی بچے کی مانند تھی جسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ انیس کے انٹر پرائزز کا مالک خیام علی شاہ ہے۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرا بیڈروم بلیک کلر میں تھا اور سجیل کو کبھی بھی بلیک کلر اچھا نہیں لگا وہ شروع سے لائٹ کلر پسند کرتی ہے اس لیے آج میں نے اپنے سارے بیڈروم میں وائٹ فرنیچر ڈلوانا ہے اور مجھے امید ہے سجیل یہ دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔"

"اللہ تعالیٰ، آپ دونوں کو ایسے ہی خوش رکھے۔" زرک نے بے اختیار دعا دی۔

نے بتادیا تھا کہ آپی نے سب کی مخالفت کے باوجود ارباز سے خلع کا کیس کورٹ میں دائر کردیا ہے بقول اس کے خیام کی محبت نے سجیل کو بہت بہادر بنا دیا تھا۔

زرک کی دی گئی دعا نے شاہ کو خوش کردیا جس کا اندازہ اس کا چہرہ دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

"آمین۔" زرک کی خلوص دل سے دی جانے والی دعا کے جواب میں خیام کا آمین اس کے دلی جذبات کا مکمل عکاس تھا۔

☆☆☆

زندگی کبھی اتنی آسان نہیں ہوتی جتنی ہم اسے سمجھ لیتے ہیں اور ایسا ہی سجیل کے ساتھ ہوا وہ جو سمجھی تھی کہ ارباز اور سوزن کی شادی نے اسے خیام کے قریب کردیا ہے محض ایک غلط فہمی ثابت ہوئی جس کا اندازہ خلع کا پہلا نوٹس ملتے ہی بیہ خالہ کی پاکستان آمد تھی جن سے مل کر سجیل کو اندازہ ہوا کہ وہ ایک بار پھر سے بدل چکی ہیں یا شاید انہیں سانپ کی طرح کینچلی بدلنے کی عادت تھی یہ ہی وجہ تھی جوان کے چہرے پر پھیلی شفقت بھری مسکراہٹ سجیل کو ذرا متاثر نہ کرسکی بلکہ اسے حیرت ہوئی کہ سگے رشتے بھی اپنے مفاد کی خاطر کتنا گر جاتے ہیں اور اس کے خیال پر تصدیق کی مہر بھابھی کی طرف سے دی جانے والی اطلاع نے لگا دی۔

"سوزن، ارباز کو چھوڑ کر جا چکی ہے۔"

"اوہ۔" بیہ خالہ کی پاکستان آمد کا مقصد وہ ایک ہی پل میں سمجھ گئی اور طنزیہ مسکرادی، بھابھی نے اس کا چہرہ دیکھا اور آہستہ سے بولیں۔

"ارباز تم سے صلح کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنے سابقہ رویہ پر خاصا شرمندہ ہے۔"

یعنی ایک بار پھر سے ارباز، دو محبت کرنے والوں کے درمیان آچکا تھا یہ ہی وجہ تھی کہ بھابھی کی بات سنتی سجیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ انہیں کیا جواب دے۔

"اور وہ تم سے فون پر بات کرنا چاہتا ہے۔"

سجیل کی خاموشی نے بھابھی کو پھر سے حوصلہ بخشا اور وہ بول پڑیں۔

"سوری بھابھی! مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی۔" جواب دیتے سے سجیل کو اپنی وہ تمام اذیت بھری زندگی یاد آگئی جو ارباز نے اسے شادی کے نام پر بخشی تھی اور اب وہ مزید اس اذیت کو برداشت کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پا رہی تھی۔

☆☆☆

زرک باہر لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا جب شاہ کی بڑی سی گاڑی اس کے کاٹیج کے سامنے رکی اور زرک کے ساتھ ساتھ مسز مارگریٹ بھی چونک اٹھیں کیونکہ وہ اس طرح بنا اطلاع دیے کبھی بھی زرک سے ملنے نہیں آیا تھا، ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر خیام شاہ باہر نکلا تو زرک چائے کا کپ، سامنے رکھی میز پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے باہر کی جانب لپکا جبکہ شاہ کاٹیج کے گیٹ سے اندر داخل ہوگیا تھا اور زرک کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے بے تابی سے بولا۔

"پلیز زرک، میری مکے تاج سے بات کروا دو۔" اس کے لہجہ میں کچھ ایسا تھا کہ زرک چونک اٹھا۔

"خیریت ہے سر آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟"

"سجیل کا فون دو روز سے بند ہے جبکہ آپا کل میرے پاس پہنچ رہی ہیں اور ہم سجیل سے ملنے جانا چاہ رہے ہیں ایسے میں۔"

عالم اضطراب میں شاہ نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور زرک کے چاروں طرف پھیلی رات کی رانی کی خوشبو میں ایک اداسی سے رچ گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا آس پاس جھومتے بڑے بڑے درخت بھی دم سادھے شاہ کی دلی بے چینی کو محسوس کر رہے ہیں زرک نے بنا کوئی جواب دیے اپنا سیل نکالا اور مکے تاج کا نمبر ملا کر کان سے لگالیا جب تیسری ہی بیل پر اس نے فون اٹھالیا۔

"مجھے آپی سے بات کرنی ہے۔" بنا تمہید زرک نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"ان کی طبیعت خراب ہے اور وہ ابھی کسی سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"

"کیا ہوا انہیں۔" بات کرتے ہوئے زرک نے شاہ پر ایک نظر ڈالی جس کے چہرے پر چھائی بے چینی میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔

"نروس بریک ڈاؤن، دراصل وہ اب ارباز کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں۔" مکے تاج نے ایک گہری سانس بھری۔ "اور ایسے میں گھر کا کوئی فرد بھی ان کا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہر فرد اپنی عزت کا رونا رو کر انہیں ایک بار پھر سے اس اندھے کنویں کی نذر کرنا چاہ رہا ہے جہاں سے وہ پہلے ہی بڑی مشکل سے باہر نکلی ہیں، ساتھ ہی مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں کیوں انہیں اپنے ساتھ سوات لے کر گئی۔ شاید اگر وہ خیام سر سے نہ ملتیں تو حالات قدرے مختلف ہوتے چلو اللہ حافظ میں پھر تم سے بات کروں گی۔"

اپنی بات ختم کر کے مکے تاج نے فون بند کردیا، زرک کو محسوس ہوا وہ کچھ عجلت میں تھی شاید کوئی آ گیا تھا بہر حال وہ اپنی بات ختم کر کے فون بند کر چکی تھی اور اب مسئلہ زرک کے لیے تھا کہ وہ یہ سب شاہ کو کیسے بتائے۔

اے عشق تونے یہ کیا کیا
زندگی جینے والوں کو تباہ کر دیا
کیا ملا بچھے، ہنستے چہروں کی ہنسی چھین کر
غم عاشقی نے جنہیں رلا دیا
اے عشق تو نے یہ کیا کیا

☆☆☆

خیام کب سے کھڑکی میں کھڑا ڈوبتے سورج کا نظارہ کر رہا تھا جو گہرے اورنج رنگ میں پہاڑ کے دوسری جانب ڈوبنے کو تیار تھا، ایسے میں باہر سے آتی آڑو اور سیب کی خوشبو نے بھی جیسے ماحول کو بوجھل کر دیا سچ تو یہ تھا کہ دل خوش نہ ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا ایسا ہی خیام کے ساتھ بھی ہوا اور ان ہی اداسی کے لمحات میں اس کا فون بج اٹھا جس میں نظر آتے نمبر کو دیکھ کر وہ جیسے ایک بار پھر سے جی اٹھا، عالم بے قراری میں یس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگا لیا۔

"جانِ خیام، کہاں تھیں تم اتنے دنوں سے۔"

"مجھے معاف کردو خیام!" سجیل رو رہی تھی۔

"شاید میں ایک بار پھر سے ہار گئی، اس سماج اور رسم و رواج کے ہاتھوں ایک بار پھر سے بک گئی میرے اپنوں کی محبت نے مجھے ایک بار پھر سے لوٹ لیا کہ....."

"کیا ہوا سجیل، پلیز رو مت، تمہارا رونا مجھے بہت تکلیف دیتا ہے۔" خیام جیسے تڑپ اٹھا۔

"یہ رونا تو اب میرا مقدر بن گیا، میرے نصیب میں لکھا جا چکا ہے اس طرح سسک سسک کر زندگی گزارنا۔" وہ پھر سے سسکی اور اب خیام کے الفاظ بھی کہیں کھو گئے۔

دور افق کے اس پار سورج ڈوب چکا تھا اور خیام کے چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا اور اس اندھیرے کو چیرتی سجیل کی آواز۔

"میں ارباز کے پاس واپس جا رہی ہوں تم مجھے بھول جانا اور کوئی اچھی لڑکی دیکھ کر شادی کرلو۔"

خیام نے فون بند کردیا اب اسے کچھ نہ سننا تھا اور نہ کچھ کہنا تھا زندگی جیسے اس کے لیے ختم ہوگئی کاش سجیل اسے دوبارہ نہ ملی ہوتی اور اس سوچ کے ساتھ ہی جیسے اس کا دماغ سن ہوگیا اور وہیں رکھی کرسی پر بیٹھ کر رونے لگا۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب عائشہ کی آنکھ کھلی تو دیکھا ساتھ والا بیڈ خالی ہے۔

"یہ بیہ کہاں گئی؟" سوچ میں ڈوبی عائشہ پاؤں میں چپل پھنسائے کمرے سے باہر نکلیں تو دیکھا بیہ لاؤنج کے صوفے پر فون کان سے لگائے بیٹھی ہیں، لاؤنج میں پھیلی ملگجی روشنی کے ساتھ وہ شاید پنکھا کھولنا بھی بھول گئی تھیں۔ انہوں نے چاہا آگے بڑھ

اپنی جگہ رک جانے پر مجبور کر دیا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تم نے ہر بات کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔'' ضرور معاملہ کچھ سنگین تھا جس کا اندازہ بیہ خالہ کی غصہ بھری آواز سن کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

''دیکھو ارباز تمہاری حرکتوں کی وجہ سے میں پہلے ہی یہاں کافی ذلیل ہو چکی ہوں اب مزید کوئی ڈرامہ مت کرو۔'' ان کی سمجھ میں کچھ کچھ آنے لگا ویسے بھی پچھلے دو دنوں سے بیہ خالہ کچھ ابھی ابھی سی تھیں اب ان کے لیے وہاں خاموش کھڑے رہنا مشکل ہو گیا اور وہ تھوڑا سا آگے بڑھ کر بیہ کے سامنے آ گئیں جو اپنی پریشانی میں سب کچھ نظر انداز کیے بیٹھی تھیں۔

''کہاں ہے سوزن میری بات کراؤ اس سے۔'' بات کرتی بیہ خالہ کی نظر اچانک ہی امی پر پڑی تو وہ جیسے بوکھلا گئیں۔ ''ٹھیک ہے تم اس سے پیچھا چھڑاؤ۔ اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' جملہ ختم کرتے ہی انہوں نے فون بند کر دیا جبکہ عائشہ کو مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہ تھی اور وہ خاموشی سے پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔

☆☆☆

''زرک..... زرک۔'' مسز مارگریٹ کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے اتر آیا۔

''جلدی جا کر دیکھو، سنا ہے رات کسی وقت شاہ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے ابھی اس کا ملازم آیا تھا تمہیں بتانے، وہ لوگ شاید اسے اسلام آباد لے گئے ہیں۔''

مسز مارگریٹ کی جانب سے دی جانے والی اطلاع کافی خوف ناک تھی وہ ننگے پاؤں باہر کی جانب دوڑا، دیکھا دریا کے اس پار شاہ پیلس کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ جہاں اندر ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی شاید خزاں آ گئی تھی، یہ ہی وجہ تھی جو سارا لان ٹنڈ منڈ درختوں سے بھرا عجیب ہیبت ناک منظر پیش کر رہا تھا چاروں موسموں سے عشق تھا۔ اسے تو خزاں کے پیلے پتے بھی حسین لگتے تھے مگر آج شاید شاہ کی بیماری نے اس کے اندر کے ہر موسم کو ویران کر دیا تھا۔ زرک نے دیکھا سامنے ہی شاہ کے ملازمین کھڑے تھے نہایت اداس اور اپنے مالک کے لیے دکھی، اسے دیکھتے ہی زرگل آگے بڑھا اور بولا۔

''بڑی آپا، صاحب کو اسپتال لے گیا ہے ابھی ہم نے ان کو فون کیا وہ آئی سی یو میں ہے آپ ہمارے صاحب کے لیے دعا کرو اللہ ان کو صحت دے زندگی دے۔'' زریاب نے دیکھا زرگل رو رہا تھا اس کے پاس تسلی کے کوئی الفاظ نہ تھے اس لیے خاموشی سے زرگل کے کندھے پر ہاتھ رکھا جو زرک کی جانب سے دی جانے والی ایک خاموش تسلی تھی اور پھر اسپتال کا نام پوچھ کر گھر آ گیا، جہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے مکے تاج کو فون کر کے شاہ کے بارے میں بتایا اور پھر اپنی گاڑی نکال کر شہر جانے والے راستہ کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

اس نے بے دلی سے الماری کا پٹ کھولا اور پھر دوبارہ بند کر دیا اس کا جی ہی نہ چاہا کہ وہ واپس جانے کے لیے اپنا سامان پیک کرے ویسے بھی نہ جانے کیوں کل رات سے اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا ایسے جیسے کچھ ہونے والا ہوا بھی بھی وہ اسی انہونی کے خوف میں ابھی کھڑی تھی جب دروازہ کھول کر یکے تاج اندر داخل ہوئی سجل نے دیکھا وہ کچھ پریشان تھی۔

''آپی.....'' سجل کے قریب آ کر وہ رک گئی۔

''سوری آپی مجھے معاف کر دیں، کیونکہ میں نے آپ کی دوبارہ ملاقات خیام سر سے کروادی ورنہ آپ دونوں تو اپنی اپنی زندگیوں میں راضی بہ رضا ہو چکے تھے۔''

سجل نے دیکھا وہ رو رہی تھی، سجل کے دل کو جیسے کچھ ہوا اور وہ جلدی سے بولی۔

''تم رو کیوں رہی ہو؟'' اس کا اس طرح بلک

''زرک کا فون آیا تھا۔'' اپنے آنسو صاف کرتے مکے تاج دھیرے سے بولی۔

''پھر.....'' سجل کے لہجہ میں چھپی بے چینی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

''خیام سر کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ کل رات سے آئی سی یو میں ہیں۔''

''کیا؟'' سجل کو لگا جیسے اس کے سینے میں سانس کہیں پھنس گیا ہے وہ زور زور سے کھانسی، جب اسی پل امی کمرے میں داخل ہوئیں تو ایک نظر زمین پر بیٹھی بلکتی ہوئی سجل پر ڈالی اور تیزی سے چلتی اس کے پاس کھڑی ہوئیں۔ ''رومت بیٹا۔'' اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی امی نے جانے کس بات کا دلاسا دیا۔

''ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم دوبارہ امریکہ واپس نہیں جاؤ گی اور یہ بات میں نے بیہ سے بھی کہہ دی ہے وہ غصہ میں ہمارا گھر چھوڑ کر بڑے بھیا کے ہاں چلی گئی ہے اور اب وہی ہو گا جو تم چاہو گی۔''

اس کے دل کی حالت سے بے خبر امی بولے جا رہی تھیں جبکہ سجل نے تو شاید ان کی کوئی بات سنی ہی نہیں، اس کے آنسو تھے جو مسلسل بہتے جا رہے تھے اس کے کان تو شاید مکے تاج کی بات سننے کے بعد سماعت سے محروم ہو چکے تھے یا شاید اسے اب کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ اس کی زندگی کا کیا جانے والا ایک اور اہم فیصلہ اس کے حق میں تھا یا نہیں، اس لمحہ اس کے تو جسم کا ذرہ ذرہ دعا گو تھا۔ وہ اپنے رب کے حضور جھکی خیام کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی اور اس کی حالت سے بے خبر عائشہ، بیٹی کو اپنے سینے سے لگائے الگ شرمندہ تھیں کہ بلاوجہ اپنی بچی ایسے نااہل لوگوں میں بیاہی جو اپنوں کی قدر کرنا نہیں جانتے تھے۔

☆☆☆

زرک نے شیشے کے اس پار سفید لباس میں لیٹے شخص پر ایک نظر ڈالی جو اس لمحہ بالکل تنہا تھا، اسے حیرت ہوئی شاہ کی دعوت میں شرکت کے خواہش مند لاکھوں افراد میں سے آج کوئی بھی یہاں نہ تھا شاید اسپتال کے آئی سی یو میں پڑا ہے۔ وہ سب تو اس کے دعوت نامہ پر آنے والے لوگ تھے تو آج پھر کیسے آ جاتے جب انہیں کسی دعوت نامہ کا کارڈ بھی نہ ملا تھا سوائے اس کی بوڑھی ماں اور بہن، بہنوئی کے وہاں کوئی بھی نہ تھا جبکہ آئی۔ سی یو میں بھی جانا منع تھا۔ وہ خیام جو ساری زندگی دنیا سے خود کو چھپا کر جیا کہ اسے سجل کی تلاش تھی اور آج جب وہ سجل تک پہنچ کر ایک بار پھر سے خالی ہاتھ، تنہا رہ گیا تو شاید اس احساس تنہائی نے اس کے دل سے جینے کا احساس ہی چھین لیا اور اس کا دل دھڑکنا بھول گیا اور اس لمحہ شاہ کی بے بسی کے احساس نے زرک کو خون کے آنسو رلا دیا محبت کسی کو اس طرح برباد بھی کر سکتی ہے، کوئی نہ جانتا تھا کہ سجل کے عشق نے شاہ کو آج کن حالوں تک پہنچا دیا۔

زرک نے شیشے کی دیوار کو اپنے ہاتھ سے چھو کر دیکھا ٹھنڈی یخ دیوار کے اس پار لیٹا شخص بھی شاید اتنا ہی ٹھنڈا ہو چکا تھا بے اختیار اس کے دل سے شاہ کی زندگی کے لیے دعا نکلی اور ساتھ ہی آنکھ سے آنسو بہہ نکلا جب کوریڈور کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا، زرک نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو۔ ساکت ہو گیا کیونکہ اندر داخل ہونے والا کوئی اور نہیں سجل تھی جس کے عقب میں مکے تاج بھی موجود تھی انہیں دیکھتے ہی زرک کو یقین ہو گیا کہ اب شاہ جی اٹھے گا کیونکہ وہ اس کی زندگی کے روپ میں سجل کو دیکھ چکا تھا جو آپا کے گلے لگ کر بری طرح رو رہی تھی۔

☆☆☆

آج ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا خیام آہستہ آہستہ زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا پہلے دن تو اپنی آنکھیں کھولتے ہی سجل کو دیکھ کر اسے یقین نہ آیا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ حقیقت ہے مگر جب یقین آیا تو اس کی دنیا ہی بدل گئی اور پھر اس کے دل میں جنم لینے والی زندگی کی خواہش نے اس کے جسم میں ایک انوکھی توانائی بھر دی۔ ڈاکٹرز حیران تھے کہ دن بدن موت

کا کمال تھا جس نے خیام کے دل کو ایک بار پھر سے دھڑکن بخش دی یا شاید اس کے دل کی دھڑکن ہی سجل کے نام سے چلتی تھی ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے جتنی زندگی اس کے نام لکھی تھی وہ چاہ کر بھی ختم نہ ہو سکتی تھی صرف ایک بریک تھا جو اس کی زندگی میں آیا تھا اور اب زندگی پھر سے رواں دواں ہو گئی تھی ایک ایسے انجانے خوف کے ساتھ کہ اگر سجل چلی گئی، ایک بار پھر مجھے چھوڑ گئی تو کیا ہو گا، یہ خوف دل میں لیے خیام آہستہ آہستہ زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا اور سجل تو جیسے ساری دنیا بھلائے دن رات اسپتال کے اس کمرے میں ہی موجود تھی جہاں خیام کا علاج چل رہا تھا اور اس میں سب سے زیادہ اس کا ساتھ عائشہ نے دیا جواب اپنی بیٹی کو مزید دکھ نہ دینا چاہتی تھیں۔

آج پھر فون بج رہا تھا اور ایک بار پھر اس کی اسکرین پر وہی نمبر جگمگا رہا تھا جو ہر دفعہ سجل کو موت کے کنارے پہنچانے کا سبب بنا۔ کچھ دیر تو اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کرے بالآخر کپکپاتے ہاتھوں سے سجل نے یس کا بٹن دبا کر فون اپنے کان سے لگا لیا جب کہ اس کی زبان کوئی بھی لفظ ادا کرنے سے قاصر، گونگی ہو چکی تھی یہاں تک کہ شاید وہ اپنی قوت گویائی کے ساتھ ساتھ قوت سماعت بھی کھو چکی تھی کیونکہ فون کے دوسری جانب سے کوئی آواز ابھی تک اس کے کان سے نہ ٹکرائی تھی سوائے ہوا کے ہیبت ناک شور کے۔ اسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا، اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو چکی تھی یقیناً وہ خوف زدہ تھی۔ کچھ انہونی کے احساس نے شاید اس کی سانس بند کر دی تھی جب ایک مدھم سی آواز اس کے کان سے ٹکرائی جو یقیناً ارباز کی تھی۔

"ہیلو ...... ہیلو ...... سجل کیا تم لائن پر موجود ہو۔" وہ جیسے ایک دم چونک گئی۔

"آں ...... ہاں ......" بمشکل اس کے حلق سے ٹوٹا پھوٹا سا ایک لفظ برآمد ہوا۔

"سوری سجل مجھے معاف کر دینا، سوزن واپس

خوش ہیں اور میں یہ بات مما کو بتا چکا ہوں مگر جانے کیوں وہ ایک بار پھر سے بضد ہیں کہ میں تمہیں واپس لے آؤں جبکہ اب میں ایسا نہیں کر سکتا اس لیے میں نے تمہیں طلاق نامہ بھیج دیا ہے جو شاید کل تک تمہیں مل جائے۔"

"طلاق نامہ ......" ساری گفتگو میں یہ ہی ایک لفظ سجل کی سمجھ میں آیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے جب کہ ارباز اس کا کوئی بھی جواب سنے بنا فون بند کر چکا تھا شادی سے طلاق تک کا یہ سفر اس نے کیسے طے کیا تھا یہ کوئی نہ جانتا تھا البتہ معاشرے کا المیہ یہ ضرور تھا کہ طلاق یافتہ عورت پر انگلی اٹھانے والے ہاتھ چاروں طرف دکھائی دیتے ہیں اور ان ہاتھوں کے خوف نے سجل کو ایک بار پھر سے رلا دیا۔

☆☆☆

خیام اور سجل کی زندگی کے الجھے دھاگے آہستہ آہستہ سلجھتے گئے، وہ زندگی جسے الجھنے میں چند گھڑیاں لگی تھیں اب سلجھانے میں زمانے گزر گئے اور بالآخر سجل خیام تک پہنچ ہی گئی۔ البتہ اس رشتہ پر بیبہ خالہ نے بہت واویلا کیا اور پورے خاندان میں ببانگ دہل یہ اعلان کرتے ہوئے وہ ذرا خوف زدہ نہ ہوئیں کہ سجل اپنے پرانے عاشق کی خاطر ارباز کو چھوڑ کر واپس آئی ہے اب ان کی بات پر کسی نے یقین کیا اور کسی نے نہیں، ان سب سے قطع نظر زرک کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ خیام شاہ جیسا پراسرار کردار کھل کر دنیا کے سامنے آ گیا۔

ولیمہ شاہ پیلس میں منعقد کیا گیا جہاں شہر کی ساری کریم موجود تھی اور ہر شخص شاہ سے مل کر بے حد خوش تھا اور سب سے زیادہ خوش شاہ تھا جسے محبت حاصل ہو گئی، وہ محبت جس کے فراق میں اس نے اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال گنوا دیے اور زرک، شاہ کو دیکھتے ہوئے مسلسل ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔ آج اگر شاہ کو سجل نہ ملتی تو شاید اس کے مرتے دم تک کوئی

بستر پر وہ تنہا پڑا تھا ویسے ہی تنہا اس دنیا سے چلا جاتا۔

لیکن آج سجل سے شادی کے ساتھ ہی وہ دنیا کے سامنے آ گیا تھا لوگ جان گئے تھے۔ کے ایس کے انٹرپرائزز کا مالک کون ہے؟ وہ اتنا عرصہ سجل کی خاطر خود کو چھپا کر جیا اور آج سجل کی خاطر ہی دنیا کے سامنے آ گیا وہ چاہتا تھا کہ سب سے پہلے سجل اس کے بارے میں جان پائے، اس کی وہ جدوجہد جو محبت میں ناکامی کے بعد ایک کامیاب انسان بنا گئی یہ راز سجل کے بعد اگر کوئی جانتا تھا تو وہ زرک تھا جو خیام شاہ کی بیرون ملک کی جانے والی ایک طویل جدوجہد کی اس داستان سے آگاہ تھا جس سے گزر کر خیام شاہ کندن میں ڈھل گیا اور اب یہ سجل کا نصیب تھا جو وہ ارباز سے گزرتی ہوئی ایک بار پھر اپنی محبت کو پا گئی اور اس کی جھولی مرادوں سے بھر گئی۔

خوشی کے ان لمحات میں کھوئی سجل، خیام کو اپنے سامنے ہنستا ہوا دیکھ رہی تھی جب اس کا فون ایک بار پھر سے بج اٹھا اس نے چونک کر اسکرین پر ایک نظر ڈالی جہاں جگمگانے والا نمبر یقیناً ارباز کا تھا سجل نے نہ چاہتے ہوئے بھی یس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگا لیا۔

"ہیلو سجل تم میری آواز سن رہی ہو۔" ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی جلدی میں تھا جس کا اندازہ اس کے عجلت بھرے انداز کو سن کر لگایا جا سکتا تھا۔ گہری سانس بھرتے ہوئے سجل آہستہ سے بولی۔

"سوری میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا دراصل میں خیام کو اس شادی کی مبارک دینا چاہ رہا تھا مگر وہ میرا فون ریسیو نہیں کر رہا۔"

"خیام کو ......" سجل نے حیرت سے دہرایا یہ خیام کو کیسے جانتا ہے؟ وہ سوچ میں ڈوب گئی جب ارباز کی آواز اسے سوچ کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔

"ہاں تم شاید نہیں جانتیں میں اسے پچھلے کچھ سالوں سے جانتا ہوں اور یقین جانو وہ ایک بہت اچھا انسان ہے اور مجھے امید ہے کہ تمہیں بہت خوش رکھے گا کیونکہ اپنی بچھڑی محبت کا دکھ میں نے ہمیشہ اس

کی پلکوں سے جھلکتے دیکھا تھا اور تم خوش نصیب ہو جس سے خیام شاہ نے محبت کی، یقین جانو اگر میں یہ جانتا کہ تم ہی اس کی وہ محبت ہو جس نے اسے قید تنہائی کاٹنے پر مجبور کر دیا تو شاید بہت پہلے تمہیں اس تک پہنچا دیتا اپنی وے اب بھی جو ہوا بہت اچھا ہوا۔"

ارباز ابھی بھی کچھ کہہ رہا تھا سجل کو سنائی نہ دیا کیونکہ اس کے آس پاس ایک دم ہی میوزک کا شور بڑھ گیا تھا لہٰذا خدا حافظ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

اسے آج یقین ہو گیا کہ نیت سچی ہو تو منزل ضرور ملتی ہے مگر شاید ہر انسان خیام کی طرح قسمت کا دھنی نہیں ہوتا جسے اپنی کھوئی ہوئی محبت دوبارہ واپس مل جائے اور یقیناً خیام کے ساتھ ساتھ وہ بھی خوش نصیب تھی جسے ایک طویل کٹھنائیوں کے بعد خیام کا ساتھ نصیب ہوا۔

اس سوچ کے ساتھ ہی سجل نے ایک سکون بھری سانس لیتے ہوئے اپنی آنکھیں موند لیں اور اس کے چہرے پر پھیلی آسودگی نے دور سے خیام کو بھی شانت کر دیا اور زندگی ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا دی۔

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

میمونہ صدف

اور قفل ٹوٹ گیا

''مائیں اس واسطے تھوڑی بیٹوں کو بیاہتی ہیں کہ شادی کے بعد ان کے ساتھ ان کی بیویوں کی بھی ذمہ داری نبھائیں..... کم از کم اپنے بال بچوں کی ذمہ داریاں تو خود پوری کریں۔'' مہتاب بانو سر جھکائے مٹر چھیل رہی تھیں تو زرینہ بیگم ہمیشہ کی طرح بھابھی کی اس قدر خدمت گزاری پر کھول رہی تھیں۔

عتیقہ بہو گھر پر نہ تھی تو زرینہ بیگم کو موقع ہاتھ لگا تھا بھابھی کو سمجھانے کا اور اندر کمرے میں کھڑی نئی بہو کو لگا کہ اسے سنایا جارہا ہے، جتایا جارہا ہے۔ پل بھر میں دل بوجھل اور آنکھیں جل تھل ہوئیں۔ عتیقہ تو بڑی بہو ہونے کے ساتھ مہتاب بانو کی بھتیجی بھی تھی اور وہ ٹھہری خاندان کے باہر سے لائی ان چاہی بہو.....

''نئی دلہن! میں تو پل بھر کی مہمان ہوں لیکن جانے سے پہلے اتنا کہے دیتی ہوں یہ جو تیری ساس ہے نا بڑی اللہ والی ہے۔ بڑا مشکل وقت دیکھا اور صبر سے کاٹا ہے۔ ہوں تو نند مگر جی بھر کے چاہتی ہوں بھابھی کو کہ یہ ہیں ہی چاہے جانے کے لائق..... مگر نہ شوہر نے قدر کی، نہ بیٹوں بہو نے..... تُو قدر کرنا.....'' پان منہ میں رکھ کر چباتے زرینہ بیگم شائستہ کو سمجھاتے اپنا سامان سمیٹ رہی تھیں اور وہ خالی نظروں سے دیکھتی سر ہلا رہی تھی۔

پھر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ صبح جاتیں۔ سب کے لیے پسند کے ناشتے بن رہے ہیں، اب میٹھے، نمکین پکوان، کپڑے دھوئے جارہے ہیں، استری ہوکر الماریوں میں رکھے جارہے ہیں۔

عتیقہ کی حبیب سے پسند کی شادی تھی اور اس بات کو گزرے سات برس ہو چلے تھے۔ خاموش اور کام میں جتی پھوپھو سے وہ بخوبی واقف، فائدہ اٹھاتے گھر کی ملکہ بن بیٹھی۔ گھر بھر میں اسی کا حکم چلتا کہ وہ حاکمانہ طبیعت کی مالک تھی اور اس لیے بھی کہ مہتاب بانو ایک عرصے تک محکوم رہ رہ کر عادی ہو چکی تھیں۔

شائستہ کی منصفانہ طبیعت کو گوارا نہ تھا کہ ساس سارے گھر کا کام کیے جائے اور وہ آرام کرے سو زبردستی ان کے کاموں میں مددگار بننے لگی۔ پہلے پہل مہتاب بانو بھاگ بھاگ کر اس کے کام کرتیں تو وہ سخت شرمندہ ہوتی۔ غور کرنے پر واضح ہوا کہ محبت کے بجائے خوف ہے جو انہیں بھگائے رکھتا ہے، جیسے وہ عتیقہ سے ڈرتی تھیں، اس سے بھی ڈرگئی تھیں۔ شائستہ نے اپنے نرم لہجے، ساس کے خیال رکھنے اور کاموں میں پیش پیش رہنے سے ثابت کیا کہ وہ عتیقہ نہیں ہے تو محبت خوف پر غالب آگئی۔

''آپ بھابھی سے اس قدر ڈرتی کیوں ہیں؟'' وہ ساس سے پوچھ رہی تھی جو خود عتیقہ کے آگے دب جاتی تھی۔

مرنے کا ڈر ہونا چاہیے۔''

''آپ بڑی ہیں گھر کی، حکم آپ کا چلنا چاہیے۔'' وہ بھڑکا نہیں، سمجھا رہی تھی۔

''یہ کام کرنا مجھے نہ آیا۔''

''اتنا کام کرتی ہیں تو تھکتی نہیں ہیں؟''

''میرا جسم اس تھکاوٹ کا عادی ہو چکا ہے۔''

''اپنا آپ منوائیں، خود کو بے مول خود ہی کریں گی تو بے مول ہی رہیں گی۔'' انہوں نے بغور نئی بہو کو دیکھا اور سر جھکا لیا، وہ انہیں تیس سال پرانے بھولے وہ اسباق یاد کروا رہی تھی جنہیں وہ بڑی مشق کر کے بھولی تھیں۔

☆❁☆

جب سے مہتاب بانو کی شادی ہوئی تھی انہوں نے اپنا دل مار لیا تھا، مارنا پڑ گیا تھا۔ ایک کھاتے پیتے، کھلے ڈلے ماحول سے بیاہ کر وہ ایک ایسے گھرانے میں آئی تھیں جہاں گن گن کر ضروریات پوری کی جاتیں۔ مسائل بہت، وسائل محدود..... شوہر سخت مزاج اور واحد چاہت کہ جو جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کیا جائے۔ گھر کی بڑی بہو کے کاندھوں پر وہ بوجھ لاد دیا گیا جو اب تک ساس کے کاندھوں پر

تھا، انہوں نے چپ اوڑھ لی اور خدمت میں گم ہوگئیں شوہر کی، دیور نندوں، ساس سسر کی۔

ماں باپ کے گھر جس نیند سے آنکھ نہ کھلتی اب اس نیند کو ترس گئی تھیں۔ پکوان کے سب ہی ذائقے بھول گئیں جن کو پکانے میں کبھی طاق تھیں کہ مہینے کے اختتام پر سسرال میں روٹی سالن کی قلت پڑ جاتی، اچھی غذا، اچھا لباس دیگر آسائشات سب خواب ہوا۔

انہوں نے ماں باپ کے ہاں جانا ہی ترک کردیا کہ وہاں کی پرآسائش زندگی انہیں رلاتی، ترساتی تھی۔ گھر بسانا تھا تو شوہر کے گھر دل لگانا اور پیچھے کو بھول جانا تھا۔ ہر روز یہ سبق وہ خود کو پڑھاتیں اور روز ہی بھول جاتیں۔ روز دل مارتیں اور روز نئی خواہشات جنم لیتیں۔ اتنا وقت لگ گیا انہیں اس نئے ماحول میں ڈھلنے میں کہ حبیب گود میں آچکا اور طیب کوکھ میں۔ ان کا گھر تو بس گیا تھا مگر دل اجڑ گیا تھا، اپنا آپ شوہر اور سسرال کے نام کرڈالا۔ اپنی پسند ناپسند بھول گئیں، خواہش کس شے کا نام ہے یاد نہ رہا۔ خاموش رہ رہ کر الفاظ کھو بیٹھیں اور اب میں سال کے طویل عرصے بعد ان سے پھر کہا جارہا تھا کہ وہ خود کے لیے جینا سیکھیں۔ عتیقہ بہو کی قمیص تُرپائی کرتے ہوئی انہوں نے ماضی سے خود کو نکالا اور نماز کے لیے وضو کرنے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆❁☆

گھر کے کام کاج میں مہتاب بانو اور شائستہ ایک دوسرے کی مدد کرتیں عتیقہ کے حکم پر چلی جاتیں۔ کیا پکانا ہے، کہاں جانا ہے، کیا آنا ہے، کسے بلانا ہے سب عتیقہ بتاتی۔ وہ چند ماہ قبل بیاہ کر آئی تھی، پھر بھی یہ حکم بجالانا کٹھن لگ رہا تھا ساس کی ہمت کی داد دیتی جو بہو کے احکامات پچھلے سات برس سے سنتی مانتی آرہی تھیں۔ وہ کام کر کر کے تھکنے لگتی تو لگتا ایک دن وہ بھی مہتاب بانو سی بن بیٹھے گی۔ کام کرنے والی گونگی، تو ہول اٹھتی۔ کام اتنا زیادہ بھی نہ تھا، بہوؤں میں تقسیم ہوجاتا تو آسانی سے نپٹ سکتا تھا مگر یہ کرتا کون؟ گھر کی بڑی بولنے پر آمادہ نہ تھیں اور بہو کام کرنے پر۔

"میں مزید اس گھر میں رہی جہاں سانس لینے پر پابندی ہے تو جان سے جاؤں گی۔" چڑ کر میاں سے کہہ ہی ڈالا۔

"بھابھی کو عادت ہے حکم چلانے کی۔"

"وہ بہو ہیں تو میں بھی بہو ہوں، پھر وہ حاکم اور میں محکوم کیوں؟"

"اماں کو دیکھو۔"

"میں اماں نہیں بن سکتی۔"

"ہم الگ ہو تو جائیں مگر اماں کا کیا ہوگا؟"

"وہ ہمارے ساتھ جائیں گی، میں انہیں یہاں نہیں چھوڑوں گی۔"

"وہ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گی۔"

"مانا کہ وہ بھتیجی اور میں غیر ہوں مگر ان سے زیادہ اماں کا خیال ہے مجھے۔" اسے برا لگا تھا، طیب خاموش ہوگیا اور شاید خاموش ہی رہتا جو شائستہ امید سے نہ ہوتی تو..... اب اس ماحول میں اسے رکھ کر ذہنی اذیت سے گزارنا گوارا نہ رہا تو علیحدگی کا فیصلہ سب کو سنا ڈالا۔ سب حیران اور اماں پریشان تھیں۔

"پھوپھو میرے ساتھ رہیں گی، کیوں پھوپھو؟" مہتاب بانو نے اس تحکم بھرے سوال پر غلام ہوتے، سر جھکاتے، قفل لگالیا۔ وہ اپنے بارے میں سوال نہ اٹھا سکیں تو وہ ان کے لیے کیسے لڑتی، جھکے سر اور بند لبوں والی اس باندی پر اسے جی بھر کر غصہ بھی آیا اور ترس بھی۔

"گھر ٹوٹ جائے گا....." وہ اسے روکنے آئی تھیں۔

"گھر نہ کہیں، عتیقہ کی سلطنت کہیں۔"

"طیب دور ہوجائے گا۔"

"کبھی تو اپنے بارے میں بھی سوچ لیں، زندگی آپ کی تو فیصلہ بھی آپ کا ہونا چاہیے۔ کب تک ڈر کر دوسروں کے مطابق زندگی گزاریں گی۔"

چھوڑوں ان در و دیوار کو؟" وہ اردگرد نظریں دوڑاتیں اسے ان ہی در و دیوار میں مقید لگیں۔

"یہ گھر نکل چکا آپ کو، اب اگلنے کا وقت ہے۔ نکالیں خود کو یہاں سے، خود پر اتنا بوجھ مت ڈالیں، رحم کریں۔" وہ ہاتھ جوڑتے انہیں منا رہی تھی اور وہ اٹھ کر صحن کی جانب جارہی تھیں۔ سارے کام بکھرے پڑے تھے کرنے کو، شائستہ تاسف سے انہیں جاتا دیکھ کر سامان باندھنے لگی۔

☆❁☆

نم آنکھوں سے بھرا ٹرک جاتا دیکھ رہی تھیں اور شائستہ انہیں..... عتیقہ ڈھٹائی سے ساس کے آنسو نظر انداز کرتی انہیں کاموں کی تفصیل بتا رہی تھی۔ اس کی بلا سے کوئی آئے جائے، اگلے روز اکا دُکا سامان اور طیب شائستہ کو نکلنا تھا اور اس رات مہتاب بانو سو نہیں سکی تھیں، کچھ کاموں کی تھکاوٹ اور کچھ دل پر دھرا بوجھ۔

"میں آپ جیسی صابر پوری زندگی نہیں بن سکتی تھی، یہاں رہتی تو پاگل ہوجاتی۔" وہ رات کو پانی پینے اٹھی تو ساس کی سسکیاں سن کر ان کے آگے ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہوگئی۔

"میں سمجھتی ہوں....." وہ ایسی پنچھی تھیں جو قفس میں رہ رہ کر پرواز بھول چکا تھا۔

"پھر یہ کیوں نہیں سمجھتیں اماں کہ جینے کا حق آپ کو بھی ہے..... کیوں نہ ایک پہلی اور آخری بار اپنے لیے سوچیں؟"

وہ خاموش تھیں جیسے ہمیشہ خاموش رہی تھیں۔

اگلے روز طیب گاڑی میں سامان رکھ رہا تھا جب مہتاب بانو ایک بیگ اٹھائے چلی آئیں، وہ حیران ہوا۔

"ہمیشہ کے لیے جارہی ہوں تو خالی ہاتھ تو نہ جاؤں گی نا۔" شائستہ اور طیب بے یقینی سے انہیں تکنے لگے تو عتیقہ کو سکتہ ہی ہوگیا۔

"جب طے ہے کہ مجھے کسی ایک بیٹے اور بہو کے ساتھ رہنا ہے تو میں اس کا انتخاب کیوں نہ کروں جو مجھے انسان سمجھے۔ صبر کا بند ٹوٹ بھی جایا کرتا ہے جب بوجھ بڑھ جائے اور اب میں مزید بوجھ نہیں سہار سکتی۔" اتنے سالوں کا لگا قفل ٹوٹ ہی گیا آخر۔

پہلی بار انہوں نے اپنے لیے سوچا تھا، آگے تو یوں بھی ان کی بہو کو سوچنا تھا۔ جو پرائی ہو کر بھی کیسی اپنی تھی۔

☆☆

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

…کھتا… اسے غصہ تو اس بات کا زیادہ تھا کہ التمش نے سونیا کی

ناولٹ

تنزیلہ ریاض

غم ہے یا خوشی ہے تو

آٹھویں اور آخری قسط

دوستو! اب اگر میں یہ کہوں گا کہ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔ تو آپ کہیں گے ماسٹر جی نے بھی گھسی پٹی باتیں شروع کردی ہیں لیکن یہی گھسی پٹی باتیں ہمارے معاشرے کی بہت بڑی حقیقت ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دنیا واقعی چڑھتے سورج کی پجاری ہے۔ آگے ہی آگے جانے والے کے عقب میں قطار خود ہی بن جایا کرتی ہے جبکہ پیچھے جانے والے کو کوئی مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔ التمش بھی آگے جارہا تھا۔ بہت آگے جارہا تھا۔ اس صورت حال میں زرمین اور میڈم تہمینہ اسے نظر انداز نہیں کرسکتی تھیں کیونکہ التمش مال دار ہی نہیں ہوا تھا بلکہ مشہور بھی ہوگیا تھا۔ وہی کام جو زرمین کو اس کی زندگی سے نکالنے کا باعث بنا تھا، اسی کام کے باعث وہ اس کی زندگی میں واپس آگئی تھی۔

میں جانتا ہوں اب آپ سوال کریں گے کہ پھر اس کا کیا ہوا جو ”محراب“ سے ”ال محراب“ ہوئی تھی۔

اس سے پہلے کہ میری بہو آجائے۔ آئیں آج آپ کو اس کے بارے میں بتا ہی دیتا ہوں۔

☆☆☆

”التمش آپ یہ بتائیں مجھ پر چوڑی دار پاجامہ جچے گا یا سگریٹ پینٹ؟“ صبا نے اس کے سامنے گھوم کر کہا۔ زرمین کے چہرے پر ناگواری چھلکی تھی۔ التمش نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ اس کا فگر اچھا تھا۔ نوعمری کا ایک الہڑ پن بھی تھا۔ وہ کھلکھلا بھی رہی تھی اور التمش کے سامنے کمر پہ ہاتھ رکھے اپنا آپ دکھا بھی رہی تھی۔

”تم اتنی سرو قد ہو کہ تمہیں تو سب کچھ جچے گا بھی لیکن سگریٹ پینٹ فیشن میں ہے۔ شارٹ شرٹ کے ساتھ اچھی لگتی ہے تو وہی بنالو۔“ التمش نے اسے دیکھتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔ صبا نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ وہ زرمین کے تایا ابو کی بیٹی اور طوبٰی کی سب سے چھوٹی بہن تھی۔ وہ اسی سال فرسٹ ائیر میں آئی تھی۔ اس کے وجود پر نوعمری کا ایک سحر تو تھا ہی لیکن گزشتہ کچھ مہینوں میں اس نے خوب قد کاٹھ نکالا تھا۔ وہی صبا جو پہلے بچی کی طرح ٹریٹ کی جاتی تھی اب ایک خوب صورت دوشیزہ کے سراپے میں ڈھل گئی تھی۔ اس کی باتیں ابھی بچکانہ طرز کی ہی تھیں لیکن دیکھنے میں وہ بڑی بڑی سی لگنے لگی تھی۔ سارے خاندان میں یہ تذکرہ چل رہا تھا کہ صبا خوب صورتی میں خاندان کی سب لڑکیوں کو پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ زرمین اس بات سے قطعی متفق نہیں تھی اور اپنے علاوہ اسے خاندان تو خاندان پوری دنیا میں ہی کوئی خوب صورت نہیں لگتا تھا۔ اسے صبا کی ادا اور سوال دونوں ہی سخت زہر لگے۔

”یہ کیا بکواس ہے۔ تم لوگ کب مینرز سیکھو گے۔ جب بھی التمش سے ملتے ہو، ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہو۔ میں کیسی لگ رہی ہوں۔ مجھ پر کیا سوٹ کرے گا۔ میں کیسے کپڑے بناؤں۔ ارے اگر اتنا ہی شوق ہے۔ فیشن کا تو بوتیک پر جاؤ نا۔ گھر میں

ناگواری مخفی نہیں رکھی۔

چند منٹ پہلے اس کی دور کی ایک کزن نے کچھ اسی طرح کا سوال التمش سے کیا تھا اور التمش نے بھی مفصل جواب دے کر انہیں مطمئن کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ اسے پہلے ہی اس بات پر غصہ آیا ہوا تھا۔ صبا کے استفسار نے اسے مزید تاؤ دلا دیا۔ التمش نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا جس سے وہ مزید چڑ گئی۔

''اور التمش تم بھی یہ مفت مشورے دینے والا شادی دفتر بند کردو پلیز۔ یہ لوگ تو باز آنے والی نہیں ہیں۔ تم کیوں اپنا نقصان کرتے ہو۔ ان سب کو اتنا ہی شوق ہے تو بطور کلائنٹ تمہاری بوتیک پر جائیں نا۔'' وہ سابقہ انداز میں بولی جو التمش کو بالکل اچھا نہیں لگا۔

وہ آج زرمین کے ساتھ اس کے تایا کے گھر آیا ہوا تھا۔ تایا ابو اور تائی امی کی شادی کی سالگرہ تھی اور انہوں نے بطور خاص التمش کو مدعو کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے اب خاندان میں متوقع داماد سمجھتے ہوئے عزت و تکریم دی جانے لگی تھی۔ اسی لیے اس نے زرمین کو کوئی سخت جواب نہیں دیا تھا مگر اسے زرمین کا انداز برا لگا۔

زرمین کی سب کزنز التمش کو کافی پسند کرتی تھیں لیکن یہ بات اب زرمین کو ناگوار گزرنے لگی تھی۔ یہ ان کی خاندانی عادت تھی۔ وہ سب فیشن کی دل دادہ اور لاتعداد کپڑے بنانے کی شوقین تھیں۔ ہر ملاقات، واٹس ایپ پیغامات اور فون پر کی جانے والی باتوں میں نوے فیصد زیر بحث لایا جانے والا مواد کپڑوں.....ان کے ڈیزائنز اور ڈیزائنرز کے گرد ہی گھومتا رہتا۔ ایسی صورت حال میں التمش سے ملنے کے بعد سب ہی اسے گھیر کر کھڑی ہو جاتیں اور گفتگو فیشن سے لے کر بس بلوشات کے گرد گھومتی رہتی۔

التمش بھی ان کی گفتگو میں مکمل دلچسپی لیتا اور انہیں مشورے دیتا تھا ساتھ انہیں سمجھاتا تھا کہ انہیں اپنے قد کاٹھ کے مطابق کیسے لباس منتخب کرنے چاہئیں۔ التمش کو تو یہ سب بُرا نہیں لگتا تھا بلکہ ایسے تمام موقعوں پر وہ گردن اکڑا کر اور سر اٹھا کر کچھ طنزیہ اور کچھ فخریہ انداز میں میڈم تہمینہ کی جانب ضرور دیکھتا مگر زرمین کی برداشت جواب دینے لگی تھی۔

''اچھا چھوڑیں کپڑوں کی باتیں۔ یہ بتائیں۔ آپ کو زرمین کی کون سی بات سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔ مجھے تو ان کی ہائیٹ بہت امپریسو لگتی ہے۔ کاش میں بھی اتنی لمبی ہو جاؤں۔'' صبا نے بچکانہ انداز میں کہا مگر زرمین اس کے تعریف کرنے پر بھی زیادہ خوش نہیں ہوئی۔

''ارے تم تو پہلے ہی کافی لمبی ہو۔ مزید لمبی ہو کر کیا کرو گی۔'' التمش نے ملائمت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ اس کا مقصد زرمین کے اس رویے کا ازالہ کرنا تھا جو چند لمحے پہلے اس نے صبا کے ساتھ برتا تھا۔ وہ اس کو بالکل چھوٹے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتا تھا۔

''لمبی لڑکیاں کانفیڈینٹ ہوتی ہیں۔ خوب صورت بھی۔ ان کی شخصیت میں کچھ الگ سا ہوتا ہے جو بہت اٹریکٹو لگتا ہے۔ آپ ان کو کسی بھی چیز میں بیٹ (شکست نہیں دے سکتے) نہیں کر سکتے۔'' وہ اپنی عمر کے حساب سے ہی تجزیہ کر رہی تھی۔ التمش ہنسا۔

''یہ سب پرانے زمانے میں ہوتا تھا بھئی۔ اب کون پوچھتا ہے لمبی لڑکیوں کو۔ اب تو انٹرنیٹ کا دور ہے، اب لوگ فائبر آپٹکس کی نہیں مائیکرو فائبر آپٹکس کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ مائیکرو چیزیں دنیا پر راج کرنی ہیں آج کل۔ میں تو خود ایک مائیکرو وومن کی وجہ سے یہاں پہنچا ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے صبا کو تسلی دے رہا تھا لیکن یہ بات بھی زرمین کو بُری لگ گئی۔

''ظاہر ہے تم تو یہی کہو گے کیونکہ دنیا پر ہی نہیں تمہارے حواسوں پر بھی مائیکرو چیزیں کچھ زیادہ ہی راج کرنے لگی ہیں۔ ظاہر ہے چار فٹ دس انچ کے ساتھ تین سال گزارے ہیں تم نے۔ اثر تو ہونا ہی تھا۔''

التمش نے یک دم مڑ کر مکمل توجہ کے ساتھ اسے دیکھا۔ اسے یہ ذکر یہاں اچھا لگا تھا اور نہ ہی اس کا مقصد سمجھ میں آیا تھا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے دیکھتا ہی رہا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ زرمین خائف ہوئی۔ التمش نے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن جتا ضرور دیا تھا کہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی۔

زرمین اس کے انداز پر مزید آگ بگولا ہو گئی تھی مگر چپ ہو گئی۔ وہ یہ بات بھولی تو نہیں تھی لیکن اس کا التمش سے مزید بحث کرنے کا ارادہ بھی نہیں تھا مگر جب معمول کے مطابق التمش نے اسے رات کو کال کی اور یہی بات دہرا دی تو وہ اپنا غصہ چھپا نہیں پائی تھی۔

''تم، بہت ان فرینڈلی اور روڈ سی ہوتی جا رہی ہو زرمین!'' زرمین پہلے ہی خفا تھی، اس کے الزام پر مزید خفا ہو گئی۔

''اپنے رویے پر غور کیا ہے کبھی۔ عجیب نظر باز سے ہو گئے ہو۔ جہاں دل چاہتا ہے منہ اٹھا کر اپنا لنڈا بازار کھول لیتے ہو۔'' وہ خود کو یہ کہنے سے روک نہیں پائی تھی۔ التمش ابھی اس حملے سے ہی نہیں سنبھلا تھا کہ وہ مزید بولی۔

''جب دیکھو جس سے دیکھو۔ تم یہی باتیں کرتے رہتے ہو۔ کبھی پاجامے غرارے ڈسکس کر رہے ہوتے ہو اور کبھی کرتے ساڑھیاں۔ تمہیں عجیب نہیں لگتا۔'' اس کے لہجے میں جو کرختگی تھی وہ التمش کو فون پر بھی صاف دکھائی دی۔

''یہ عجیب کام میرا کاروبار ہے۔ میں رزق کماتا ہوں اس سے اور میں خود نہیں کھولتا اپنی دکان، تمہاری سب کزنز اور آنٹیاں ہی مجھے گھیر کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور میں بھی صرف تمہاری وجہ سے بیچ چوراہے میں اُن سے یہ سب باتیں ڈسکس کرتا ہوں ورنہ میرا کیا دماغ خراب ہے کہ وہ سب باتیں جن کے لیے لوگ میری بوتیک پر آنے کے لیے ہفتوں پہلے کال کر کے ٹائم لیتے ہیں اور اچھے خاصے روپے دیتے ہیں۔ وہی باتیں مفت میں کرتا پھروں۔ تمہیں اتنا ہی اعتراض ہے تو بول دو نا اپنی سب آنٹیوں کو کہ وہ نہ کیا کریں مجھ سے یہ سب باتیں۔'' وہ بے حد ناراض ہوا۔

اسے غصہ تو اس بات کا زیادہ تھا کہ التمش نے سونیا کی حمایت میں پورا ایک جملہ کیوں بولا تھا مگر اس سے متعلق مزید بات کرتے ہوئے اس کی انا پر حرف آتا تھا تو غصہ وہ اس طرف نکالنے لگ گئی تھی۔

''ان کو تو میں منع کر ہی دوں گی لیکن تم بھی ہر ایک کے لباس کو اوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے یہ سمجھانا بند کر دو کہ ان کے فگر پر اونچی ہیل جچے گی یا چھوٹی۔ ان کا فگر غرارے والا ہے یا لہنگے والا۔ جس سے بھی ملتے ہو اس کے لباس کی فکر میں گھلنے لگتے ہو تم۔'' اس کی آواز میں تلخی سی گھلی تھی اور انداز ایسا تھا کہ التمش کو لگا وہ اس کے کردار پر حملہ کر رہی ہے۔

''کیا بکواس ہے۔ تمہارا مطلب ہے میں اتنا ہی ویلا ہوں کہ لوگوں کے لباس کو اوپر سے نیچے تک دیکھتا رہتا ہوں۔ اتنا نظر باز اور فلرٹ نہیں ہوں میں۔ تم نے سمجھا کیا ہے مجھے۔'' وہ غرا کر بولا تھا۔ اس کی بلند آواز سے زرمین کو بھی اپنے نارواروے کا احساس ہوا۔

''میری بات سنو التمش! یہ وقت ان باتوں کے کرنے کا نہیں ہے۔ تم میرا اسٹوفف سمجھ ہی نہیں رہے ہو۔ میں تمہارے کردار میں کیڑے نہیں نکال رہی۔ میں تمہیں کچھ اور سمجھانا چاہ رہی ہوں۔ کل ملیں گے نا تو میں تفصیل سے سمجھاؤں گی۔'' اس نے کہا۔

''جی نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے کچھ

سمجھانے کی۔ تم خود کو سمجھاؤ یہ بات کہ التمش وہ کام کبھی نہیں کرتا جو اس پر بجتا نہیں ہے۔ بائے۔" اس نے کہا اور کھٹک سے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

"المحر اب" اس نے وزیٹنگ کارڈ کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان پھنسا رکھا تھا اور کب سے بس اس کی جانب دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے میں مگن تھی۔ تین سال پہلے جب اس نے اپنے برانڈ کو "محراب" سے "المحر اب" کیا تھا تو اسے محسوس بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ کوئی بہت بڑی یا اہم بات ہو سکتی ہے۔ اُس وقت بس وہ التمش کی مدد کرنا چاہتی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس میں اس کا بھی فائدہ پنہاں ہے۔ گھر سے نکل کر کام کرنے میں جو خدشات اسے ساہیوال میں لاحق تھے وہ کراچی میں نہیں ہو سکتے تھے۔ کراچی ایک بڑا شہر تھا، وہاں کام کے مواقع زیادہ تھے اور پھر خواتین کے لیے بھی حالات زیادہ موافق تھے۔ اسے اپنے والدین کی جانب سے اجازت بھی اسی بنا پر مل گئی تھی کہ التمش بھی ساتھ کام کر رہا تھا۔ یہ ایک باہمی رضامندی سے کیا گیا فیصلہ تھا جس میں برابر نفع انہیں ملتا رہا تھا لیکن اب وہ التمش کے ساتھ کام کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس میں اسے تکلیف ہوتی تھی۔ یہ والی تکلیف اس درد جیسی نہیں تھی جو دانت کے ٹوٹنے یا چوٹ لگ جانے کے باعث ہوتی ہے۔ یہ تو ایک نہ نظر آنے والا درد تھا، یہ ایک عجیب سی تکلیف تھی جس کا منبع و مرکز بھی دل تھا، جسے چھپانے کو مورچہ بھی دل میں ہی بنانا تھا اور اسے برداشت بھی دل نے ہی کرنا تھا۔

"میں دل کو اگر اتنے کاموں پر لگا دوں گی تو باقی معمولات زندگی کیا بنا دل کے نبٹاؤں گی۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے۔"

وہ کئی مرتبہ خود کو سمجھا چکی تھی اور اب بھی کارڈ کو تکتے ہوئے وہ اسی عزم کا اعادہ کر رہی تھی۔ اس نے وہ کارڈ میز پر اپنے سامنے رکھا اور پین ہولڈر سے سیاہ مارکر اٹھا لیا۔ اس نے مزید کوئی لمحہ سوچنے میں صرف نہیں کیا تھا بلکہ "المحر اب" کے پہلے دو حروف "ال" کو بہت بے دردی سے ننھی ننھی لکیریں کھینچ کر سیاہ کر ڈالا تھا۔ اب "ال" چھپ گیا تھا اور باقی کا محراب موجود رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے مزید اس کارڈ کو دیکھتی رہی۔ اس کا دل ایک لمحے کے لیے ڈوبا تھا۔ اسے تو کاغذات میں بھی التمش سے اس طرح سے الگ ہو جانا مشکل ہو رہا تھا چہ جائیکہ حقیقت میں راستے الگ کرنا۔ اس نے ایک دم ہی ان دو حروف پر لگی سیاہی کو مٹانا چاہا۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ وہ یک دم اپنی ان بچکانہ اور جذباتی حرکات سے اکتا گئی۔

"یہ کاروبار ہے اور کاروبار میں یہ سب چلتا رہتا ہے۔ ٹیک اٹ ایزی محراب بی بی۔ ٹیک اٹ ایزی۔" اس نے پھر خود کو سمجھایا اور پین دوبارہ ان دو حروف پر رگڑنے لگی۔ یہ کام نبٹا کر ابھی وہ دوسری سانس بھی نہ لے پائی تھی کہ التمش ٹھک ٹھک کرتا سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا۔

"کیا کر رہی ہو؟" اس نے آتے ہی بنا کوئی سلام دعا کیے بس سوال پوچھا۔

سونیا ایک جھٹکے سے اٹھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ التمش اس کے ہاتھ میں یہ کارڈ دیکھے۔ اس نے بعجلت وہ کارڈ میز پر پڑی ایک کرافٹ بک کے نیچے چھپا دیا۔

"خوشاب سے مال آ گیا ہے۔ ان کی پیمنٹ کلیئر کروا دو۔" اس کی جانب دیکھے بنا وہ کھلتی ہوئی سامنے ہینگ ہوئے ملبوسات کی جانب متوجہ ہو گئی۔ کام کا بوجھ بھی کافی بڑھ گیا تھا۔ برائیڈل ویئرز کے ان کے پاس بہت آرڈرز آ رہے تھے۔ ان کی گوٹے والی رینج پر انہیں کافی آرڈرز مل رہے تھے جو خوشاب سے تیار ہو کر آتے تھے۔

"یار تم کام کے علاوہ بھی کوئی بات کر لیا کرو۔ مجھے دیکھتے ہی تم فرمودات قائد دہرانے لگتی ہو بلکہ چلتی پھرتی "کام کام اور کام" کی عملی تفسیر نظر آنے لگتی ہو۔" التمش چڑ کر بولا۔ وہ رات ذرمین سے ہونے والی باتوں کی وجہ سے پہلے ہی کچھ اکتایا ہوا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن کیا کروں۔ میں تو ایسی ہی ہوں۔" وہ اب بھی اس کی طرف دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔ لہجے میں شکست سی محسوس ہو رہی تھی۔ التمش کو کچھ عجیب لگا۔ وہ تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والی لڑکی تھی۔ التمش کی بات سے فوراً متفق ہو جانا اس کی شان کے خلاف تھا۔

"کیا بات ہے کزن۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" التمش نے بغور اس کی جانب دیکھا۔

سونیا نے آئرن کے بنے اسٹینڈ میں مزید اندر منہ گھسا لیا جہاں چار پانچ بھاری بھاری ملبوسات لٹکے تھے۔

"مجھے کیا ہونا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پیمنٹ کر دی؟" اب کی بار وہ لہجے میں مصنوعی اکتاہٹ پیدا کر کے بولی۔ وہ التمش سے کترا نہیں رہی تھی لیکن وہ جب اس کے ساتھ بات کرتی تھی تو نا چاہتے ہوئے لہجے میں تختی سی آ جاتی تھی۔ یہ ایک میکانکی عمل تھا جو اس خفگی کے ردعمل میں پیدا ہو رہا تھا جو التمش کی وجہ سے اس کے دل میں پیدا ہو رہی تھی۔

"التمش ذرمین اور میڈم تہمینہ کے ہتک آمیز رویے کو اتنی جلدی کیسے بھول سکتا ہے۔" یہ وہ سوال تھا جو وہ خود سے جتنی بار پوچھتی، اتنی بار التمش سے خفگی بڑھتی جاتی، جبکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ التمش کو اس خفگی کی بھنک بھی پڑے۔

"ہاں بھئی۔ کر دی تھی پیمنٹ۔ کل ہی کر دی تھی۔ رات کو ہی تمہیں واٹس ایپ بھی کیا تھا لیکن تم نے دیکھا ہی نہیں۔" وہ اسی کرسی پر بیٹھ گیا جہاں چند ساعتیں پہلے سونیا بیٹھی تھی۔

وہ دونوں ہی باس تھے اور دونوں ہی باس والی کرسی پر فخر کے ساتھ بیٹھتے تھے لیکن ابھی سونیا کو اس کے وہاں بیٹھنے سے بے چینی ہوئی۔ وہاں سامنے ہی تو وہ کارڈ پڑا تھا جہاں اس نے "المحر اب" کو دو حصوں میں تقسیم کر ڈالا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ التمش وہ کارڈ دیکھے۔

"میں رات کو جلدی سو گئی تھی۔" وہ ابھی بھی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

بساطِ دل

بھی عجیب شے ہے

افشاں آفریدی

قیمت -/400 روپے

فصل غم کا گوشوارہ

رضیہ جمیل

قیمت -/300 روپے

گُلِ کہسار

فرح بخاری

قیمت -/400 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اسی انداز میں بولی۔

”تم آج کل کچھ زیادہ ہی لاپروا نہیں ہوتی جارہی ہو۔ نو بجے کون سوتا ہے۔“ وہ ناک چڑھا کر بولا جیسے اسے اس کی کوتاہی پر شرمندہ کرنا چاہتا ہو۔ یہ طعنہ نہیں تازیانہ تھا۔ سونیا اب کی بار فوراً اس کی جانب مڑی۔

”ایکسکیوزمی۔ یہ لاپروا تم نے کس کو کہا ہے؟“ وہ دو قدم چل کر اس کے قریب آئی۔

”تمہیں ہی کہا ہے کیونکہ تم ہی لاپروائی برتنے لگی ہو۔ کہاں تو رات کے دو دو بجے تک ہاٹ گلیو اور بٹن لے کر بیٹھی رہتی تھیں محترمہ اور کہاں نو بجے ہی آرام فرمانے چل دیتی ہیں۔ رات نو بجے ہی فون بند کرکے سو جایا کروگی تو چل گیا یہ کاروبار۔ مجھے تو تمہارا مستقبل کچھ زیادہ اچھا نظر نہیں آرہا۔ تمہارے حصے میں صرف خسارہ ہی آئے گا۔ جو میں یہاں سے بیٹھے ہوئے بھی دیکھ سکتا ہوں۔“ اسی بے تکلف انداز میں بات کررہا تھا جس میں کرتا آیا تھا۔ سونیا یک دم مڑی۔

”تمہیں صرف میرا خسارہ نظر آرہا ہے۔ میرا مستقبل اچھا نہیں لگ رہا تمہیں اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟“ وہ نہایت خفا لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ اَتش ذرا بھی خائف نہ ہوا۔ وہ اسے ایسے ہی چڑا کر لطف لیتا تھا۔ اس نے ناک چڑھائی۔

”ظاہر ہے۔ تمہارے حصے میں ہی خسارا آئے گا۔ میں اور زرمین تو مزے سے یہ بوتیک چلائیں گے۔ عیش کریں گے۔ تم کیا کروگی؟ بہت اکیلی رہ جاؤ گی سونیا بی بی۔ لیکن سب تمہاری ہی غلطی ہے۔ کتنا سمجھاتا تھا تمہیں کہ احتشام کے بارے میں سوچو۔ اچھا لڑکا ہے لیکن افسوس۔“ وہ کرسی کو گول گول گھما رہا تھا۔ اطمینان و سکون اس کے ہر انداز سے ٹپک رہا تھا۔ یہ وہی باتیں تھیں جو ان کا معمول رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو طعنے دے کر سکون ملتا تھا انہیں لیکن سونیا کے ساتھ معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ اسے اَتش کی بات سخت بری لگی اس کا دل چاہا اس بات کا جواب غرا کر دے۔ اتنا غرا کر کہ وہ یہاں سے فوراً چلا جائے۔

”اچھا۔ ویسے تمہاری خاطر میں دوبارہ بات کرسکتا ہوں اس سے۔ میری بات ٹالے گا نہیں وہ۔ کیا کہتی ہو؟“ وہ لاپروا سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

سونیا کی آنکھیں بے اختیار بھرنے لگیں۔ اتنی ہتک آمیز باتیں اس نے کسی کی برداشت نہیں کی تھیں۔ دنیا میں واحد اس کی امی تھیں جو اس کا دل دکھا دیتی تھیں اور وہ خاموشی سے رو دھو کر سب بھول جایا کرتی تھی لیکن یہ رعایت صرف اس کی امی کے لیے مختص تھی۔ ہر ایک کو اتنی اہمیت اس نے کبھی نہیں دی تھی۔ اسے دنیا میں صرف ایک چیز سے نفرت تھی۔ وہ کسی کے سامنے کمزور نہیں پڑتی تھی۔ اسے اپنے حوصلے پر ہمیشہ مان رہا تھا۔ اسے اپنے دل کو سنبھالنا بھی آتا تھا اور دل ٹوٹنے کے اسباب کو درگزر کرنا بھی وہ بخوبی جانتی تھی لیکن یہ معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ یہاں اس کا دل اس کا حریف تھا۔ یہاں اپنی ہی ذات مدمقابل تھی۔ وہ اگر خود سے جیت جاتی تو پھر ساری دنیا کو جوتے کی نوک پر رکھ دیتی۔ لیکن کوشش کے باوجود اس سے یہ ہو نہیں پارہا تھا سو دل کی نافرمانی کا دکھ، دل کے ٹوٹ جانے سے کہیں زیادہ تھا۔

اس نے تمام تر ہمت مجتمع کی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا تاکہ اَتش کو ایک شٹ اپ کال دے سکے۔ وہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر وہی دوستانہ مگر استہزائیہ مسکراہٹ جو اسے تلملا دیتی تھی۔ اسے اپنی جانب دیکھتا پاکر اَتش مزید مسکرایا۔ سونیا کو اس کی یہ مسکراہٹ بے رحم لگی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اس کے الفاظ ضائع ہوجائیں گے۔ اس نے یک دم میز پر پڑا اپنا تھیلا نما بیگ اٹھایا۔ اور بنا کچھ کہے سیڑھیوں کی جانب چل دی۔ اَتش اسے جاتا دیکھتا رہا۔ اسے لگا تھا وہ مذاق کررہی ہے لیکن جب وہ سیڑھیاں اترنے لگی تو اَتش کو احساس ہوا کہ وہ جارہی ہے۔

”ارے کیا ہوا۔ کیوں جارہی ہو۔ اچھا بھئی نہیں کرتے بات احتشام سے لیکن اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے۔“ وہ لپک کر اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک لمحے میں ہی اسے سیڑھیوں میں جالیا تھا۔ وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ سونیا کے لیے واپسی کا راستہ بند ہوگیا — اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں وہی دبی دبی سی شرارت۔

”میں تمہاری رائے کا احترام کرتا ہوں۔ احتشام کے علاوہ بھی کئی بہت اچھے دوست ہیں میرے۔ وہ تو احتشام سے دشمنی ایسی رہی کہ اس کی بھلائی کی خواہش ہی دل میں نہیں اٹھتی۔ اس لیے بس اصرار کرتا رہتا ہوں لیکن خیر تمہیں نہیں پسند۔ تو اب نہیں کہوں گا۔ مگر تم آؤ تو سہی۔ چند اور ایسے مہربان بھی ہیں ابھی لسٹ میں۔ جن کو مزا چکھانے کے خواب میں بچپن سے دیکھ رہا ہوں۔“ وہ بے تکلفی سے فضول بول رہا تھا۔ اسے دوبارہ واپس چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ بھی تھامنا چاہا۔

سونیا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچا۔ اَتش کو اب اس کے بدلے ہوئے رویے کا احساس ہوا۔ سونیا کا رویہ ہتک آمیز لگا تھا اسے۔ اتنی کرختگی پہلے کبھی سونیا کے رویے میں محسوس نہیں کی تھی اس نے۔ اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا پھر وہ ناسمجھی کے سے عالم میں مصنوعی ہنسی ہنسا۔

”کیا بات ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ کیا ہوا ہے؟“ وہ حیران بھی تھا۔ سونیا کو اس کی اس حیرانی پر مزید غصہ آیا۔

”راستے سے ہٹو۔“ اس نے بنا اس کی جانب دیکھے سخت لہجے میں کہا۔ اَتش پیچھے نہیں ہٹا تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے، مسکراہٹ کی جگہ تحیر اور تجسس اُمڈ آیا تھا۔ وہ بغور سونیا کے چہرے کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔

”میں نے کہا اَتش میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔“ اب کی بار وہ مزید جارحانہ انداز میں بولی۔ تحیر اور تجسس کی جگہ اب تفکر بھی چہرے پر در آیا تھا۔ اس نے گہری سانس بھری پھر وہ ایک طرف ہوگیا۔ چہرے کے اعصاب تن گئے تھے لیکن کندھے جھک سے گئے۔

”او کے۔ ایز یو وش۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا۔ سونیا کا دل مزید ٹوٹ گیا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی۔

☆☆☆

”مجھے بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔ اب کون سی قیامت آگئی ہے کہ یوں میری موت کا غم منا رہی ہو؟“ میڈم تہمینہ نے زرمین کا بے زار چہرہ دیکھ کر سوال کیا تھا۔ وہ کب سے اسے اپنے ساتھ کسی چیریٹی ڈنر پر چلنے کا کہہ رہی تھیں لیکن وہ منہ بنائے بس ٹی وی کے آگے بیٹھی تھی۔ بال بھی بکھرا رکھے تھے اور صبح سے لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ انہیں بیٹی کی اس لاپروائی سے بہت چڑ ہوتی تھی جبکہ زرمین بھی ان کی ایک ہی بات کی تکرار سے چڑ سی گئی۔

”ایک تو آپ بات بات میں میرے پیچھے پڑ جایا کریں۔ میں نے کب کہا ہے کہ کچھ ہوا ہے۔ اب کیا میں اپنے ہی گھر میں اپنے ہی کمرے میں خاموشی سے بیٹھ بھی نہیں سکتی۔“ وہ تنک کر بولی تو میڈم تہمینہ کے چہرے کا زاویہ مزید بگڑا۔

”ویسے زرمین ہے تو بالکل اپنی دادی جیسی۔ احسان فراموش اور خود غرض۔ اپنا کام ہو تو مما جی۔ ممی جی کرتے کرتے آگے پیچھے پھرتی رہے گی۔ لیکن جب مجھے بھی تجھ سے کام پڑ جائے تو تیرے منہ پر بارہ ہی بج جاتے ہیں۔“ وہ شکوہ کررہی تھیں، زرمین نے لاچاری سے ان کی بات کو ہضم کیا۔

”میں کہہ تو رہی ہوں آپ کو کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن آپ میری بات سمجھیں۔ تب نا۔“ وہ زچ سی ہو کر بولی۔

”چل اب یہ طعنہ دے دے ماں کو کہ میں تیری بات نہیں سمجھتی حالانکہ میں تیرے ہر مسئلے کو بنا کہے سمجھ جاتی ہوں لیکن جب میری باری آتی ہے تو، تو — گونند کی طرح اپنے بیڈ سے لگ کر بیٹھ جاتی ہے۔ ایک ذرا سی بات ہے۔ آدھ گھنٹے کے لیے چلنا ہے بس۔ اَتش کو دیکھ کر دیبا بھی خوش ہوجائے گی اور اس کے کلائنٹ بھی بڑھ جائیں گے۔“ وہ اسے اُکسا رہی تھیں۔ اَتش کے ذکر پر زرمین نے چونک کر انہیں

دیکھا۔
"التمش کا یہاں کیا ذکر۔ آنٹی دیبا اسے دیکھ کر کیوں خوش ہوں گی۔ وہ کھوئے والا فالودہ ہے کیا؟" زرمین کو یہ ذکر ہی پسند نہیں آیا۔

آنٹی دیبا، میڈم تہمینہ کی بچپن کی سہیلی تھیں۔ شہر کے پانچ پوش اور پانچ ہی متوسط علاقوں میں ان کے اپنے پارلرز تھے۔ ان کے پارلرز اچھا بزنس کرتے تھے لیکن وہ مطمئن نہیں ہوتی تھیں۔ ان کی طبیعت میں بچپنا سا تھا۔ اسی لیے زرمین ان سے بڑا خار کھاتی تھی۔

"اوہو۔ یہی تو کہہ رہی ہوں کب سے۔ بحریہ میں پارلر کی نئی برانچ کھول رہی ہے آج وہ۔ مجھے بھی انوائٹ کیا پھر کہنے لگی تجھے لے کر ضرور آؤں۔ میں کہہ بیٹھی کہ زرمین کی بات بھی پکی ہوگئی ہے۔ التمش کا ذکر کر دیا میں نے کہ بڑا اچھا ہے میرا ہونے والا داماد۔ مشہور ڈیزائنر ہے تو کہنے لگیں کہ اسے بھی لے کر آؤں۔ میں نے انکار بھی کیا لیکن وہ تو پیچھے ہی پڑ گئی کہ تجھے اور التمش کو لے کر آؤں۔ اب میں ہاں کہہ بیٹھی ہوں انہیں۔" وہ تفصیلی جواب دینے کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی دیکھ رہی تھیں۔ زرمین کی پیشانی پر تیوریاں پڑنے لگیں۔

"ماما حد کرتی ہیں آپ بھی۔ آپ کو ضرورت کیا تھی ایسی کمٹمنٹ کی۔" وہ انہیں گھور کر بولی — میڈم تہمینہ بیٹی کے رویے سے ہرٹ ہوئیں۔

"اوہو۔ ایسی کونسی بڑی بات ہوگئی۔ آدھ گھنٹے کی تو بات ہے۔" وہ چمک کر بولیں۔ زرمین نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں چلی جاتی ہوں آپ کے ساتھ۔ لیکن التمش کو رہنے دیں۔" بالآخر اس نے جیسے ہار مان لی تھی

"نہیں زرمین! التمش کو ساتھ لے چلتے ہیں۔ دیبا کے یہاں خوب شو شا بڑھے گی ہماری۔ تجھے تو پتا ہی اسے اور اس کی سہیلیوں کو کپڑے لتے کا کیسا اندھا شوق ہے۔ دیکھنا سب کیسے واری صدقے جائیں گی — تیرے اور — اس کے آگے پیچھے پھرتی رہیں گی۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ اس نے اپنی ٹانگوں پر پڑا لحاف ایک طرف کیا اور ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا لیں۔

"اسی بات کا تو خدشہ ہے مجھے کہ سب اس کے آگے پیچھے پھریں گی۔ یہی بات تو بُری لگنے لگی ہے مجھے التمش کی۔ عجیب سی عادت ہوگئی ہے اس کی۔ جہاں دیکھو، جب دیکھو۔ جس کے سامنے دیکھو بس یہی تماشا لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہر وقت یہی غور کرتا رہتا ہے کہ کس نے صحیح لباس پہنا ہوا ہے اور کس نے نہیں۔ بندہ پوچھے تمہیں اتنی ٹینشن کیوں ہے اگر کسی نے کوئی آؤٹ ڈیٹڈ لباس پہن بھی لیا تو...... مگر نہیں جی۔۔ وہ سب کو مشورے دیں گے کہ یہ نہ پہنیں اور یہ پہنیں۔" وہ ان کی جانب دیکھے بنا جیسے اپنا دل ہلکا کر رہی تھی۔ میڈم تہمینہ کو اس کی پریشانی کی وجہ مکمل طور پر سمجھ میں نہیں آئی۔

"تو اس میں بُری بات کیا ہے۔ وہ اتنا اچھا ڈیزائنر ہے اور مشہور بھی ہوگیا ہے اب تو...... کسی کو مشورے دیتا ہے تو روپے بھی تو لیتا ہے اس کام کے۔ مفت تو نہیں کرتا۔" وہ رسانیت بھرے لہجے میں بولیں۔ زرمین نے پھر سر جھٹکا

"نہیں۔ مجھے بس اچھا نہیں لگتا۔ ایک تو کام بھی اچھا نہیں ہے اور پھر وہ لڑکی۔ وہ تو ہر وقت سوار رہتی ہے اس کے حواسوں پر۔" اس نے اپنا دُکھ ان کے سامنے اُگل ڈالا — میڈم تہمینہ نے بغور اسے دیکھا۔

"کون سی لڑکی۔" وہ سمجھی نہیں تھیں کہ زرمین کے دل میں اصل خدشہ کیا پل رہا ہے۔

"وہی۔ سو...... نیا......" وہ ناک چڑھا کر اور منہ بگاڑ کر بولی۔ میڈم تہمینہ اس کے اس اعتراض پر مزید الجھ گئیں۔

"اب وہ کیا کہتی ہے تجھے۔" ان کے اس سوال پر زرمین کچھ نہیں بولی۔ اس کی خاموشی سے وہ ناراض ہوئیں۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہا زرمین! تجھے لڑکی پر اعتراض ہے یا التمش کے کام پر۔ اگر تو یہ سب دیبا کے ہاں نہ جانے کے بہانے ہیں تو صاف صاف بتا دے نا۔" وہ سخت ناراض ہوئیں۔ زرمین نے گردن موڑ کر انہیں گھور کر دیکھا پھر سر جھٹک کر کچھ کہے بنا باتھ روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

"میرے پاپا ایک باقاعدہ تقریب کرنا چاہتے ہیں تمہارے آنر میں تاکہ خاندان میں سب لوگوں کو پتا چل جائے ہمارے ریلیشن شپ کا۔" یہ اسی رات کی بات تھی۔ زرمین نے اسے اپنی آنٹی دیبا کے یہاں تو انوائٹ نہیں کیا تھا لیکن فون پر ہی اپنے رویے پر ایکسکیوز ضرور کر لیا تھا۔ وہ کچھ شرٹس کے ڈیزائنز تیار کر رہا تھا۔ کانوں میں بلیو ٹوتھ لگائے بظاہر وہ زرمین سے باتیں کر رہا تھا لیکن دھیان رنگ دار پنسل اور کاغذوں میں ہی الجھا تھا۔ یہ ڈیزائن اس نے کچھ دن پہلے ہی رف اسکیچز بنا کر سونیا سے ڈسکس کیے تھے۔ اسے وہ ڈیزائنز اچھے لگے تھے لیکن وہ زبانی جمع خرچ والی باتوں میں آنے والی لڑکی نہیں تھی۔

"تم پرا پر لے آؤٹ وغیرہ بنا کر دکھاؤ گے تو مجھے زیادہ اچھی طرح سمجھ آئے گی۔" اس نے کہا تھا اور اس دن سے ہی التمش نے دوبارہ ان ڈیزائنز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ ڈیڈ لائن سے پہلے کبھی اپنا کام مکمل نہیں کر پاتا تھا جبکہ سونیا ان باتوں سے چڑتی تھی۔ اب چونکہ اسے ایسے محسوس ہوا تھا کہ سونیا ناراض ہے تو اس نے وہ ڈیزائن مکمل کرنے شروع کر دیے تھے۔ اسے لگا تھا کہ شاید سونیا اس کی کام چوری کی وجہ سے ناراض ہے جس کا وہ طعنہ ہر وقت اسے دیتی تھی۔

"ابھی کوئی کسر رہ گئی ہے لوگوں کو بتانے میں۔ سب کو پتا چل تو چکا ہے۔ ہر دوسرے روز تو تمہارے ہاں پارٹی میں موجود ہوتا ہوں میں۔" وہ پنسل سے بنائی گئی شرٹس کے کٹس بنا رہا تھا۔ اسے ہر حال میں یہ کام آج ہی مکمل کرنا تھا۔ اس کا دھیان فون اور زرمین کی آواز سے زیادہ اپنے سامنے پڑی چیزوں میں تھا۔

"پاپا چاہتے ہیں کہ باقاعدہ انگیج مینٹ وغیرہ کی جائے۔ وہ تمہیں اپنے بزنس سرکل میں انٹروڈیوس کروا دیں گے تو تمہیں فائدہ ہوگا نا۔ پاپا کے دبئی اور آسٹریلیا میں بہت کانٹیکٹس ہیں۔" وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بتا رہی تھی۔ التمش نے چند لمحے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

"آئیڈیا تو اچھا ہے۔ ہم پہلے بھی دبئی میں کلائنٹس کے لیے کام کر چکے ہیں۔ مگر بہت چھوٹے پیمانے پر۔ میں سونیا سے بات کروں گا اس کے متعلق۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ زرمین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ سونیا درمیان میں کہاں سے آگئی۔ بات میری اور تمہاری ہو رہی ہے اور تم نے بیچ میں چار فٹ دس انچ کا فاصلہ حائل کر لیا ہے۔" التمش ہنسا۔ اسے لگا زرمین مذاق کر رہی ہے۔

"ہاہا...... یہ فاصلہ تو ہمارے درمیان ہمیشہ ہی رہے گا مائی ڈیئر۔ مگر اس کے سامنے مت کہنا۔ وہ بُرا مان جائے گی۔" زرمین نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

"میری بلا سے مانتی رہے بُرا۔ مجھے تو ویسے ہی بہت رُوڈ لگتی ہے وہ۔" اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔ التمش نے اچنبھے سے اس کا یہ جملہ ہضم کیا۔

"ارے یار! ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ بہت سپر قسم کی لڑکی ہے۔" التمش وضاحت کرنا چاہ رہا تھا مگر زرمین کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"تمہیں لگتی ہوگی سپر۔ مجھے تو بالکل پسند نہیں ہے۔ ٹھگنی، ملگجی سی اور دوبارہ یہ مت کہنا کہ وہ ہمیشہ ہمارے درمیان موجود رہے گی۔ میں تو کسی کو برداشت نہیں کر سکتی تمہارے میرے درمیان میں اور اس چار فٹ دس انچ کو تو بالکل بھی نہیں۔ زہر لگتی ہے مجھے۔" اس کا انداز اس قدر حقارت بھرا تھا کہ التمش کو معاملے کی سنجیدگی کا احساس ہوا۔

"ایسا نہیں ہے یار! بہت کمال لڑکی ہے۔ تم

اس سے ذرا بات وات کیا کرو۔ تب ہی تمہیں اس کی خوبیوں کا اندازہ ہوگا۔'' زرمین نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی اور اب اس کا لہجہ کرخت تھا۔

''میں کیوں بات وات کروں گی اس سے اور تم بھی پلیز یہ الیکشن کیمپین بند کردو۔ تم اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے بھی ملا دو گے تو مجھے فرق نہیں پڑے گا۔ جو مجھے نہیں پسند بس پھر وہ نہیں پسند۔'' زرمین نے بالآخر دل کی بات کہہ ڈالی۔

اپنی ماما سے تفصیلی بات کرنے کے باوجود وہ اس موضوع پر مطمئن نہیں ہو پائی تھی۔ اسے واقعی التمش کے کام اور اس لڑکی سے بہت الجھن ہونے لگی تھی۔ اس نے فون کرنے سے پہلے سوچا تھا کہ وہ التمش سے کسی تیسرے شخص کی وجہ سے لڑائی نہیں کرے گی لیکن سونیا کا ذکر اس کے منہ سے سنتے ہی وہ پھر آگ بگولا ہوگئی۔

''لیکن کیوں زرمین!'' التمش کچھ حیران ہوا۔

''اتنا حیران ہو کر یہ مت جتاؤ کہ میں کچھ انہونی بات کر رہی ہوں۔ یاد کرو التمش یہ وہی لڑکی ہے جسے تم سخت ناپسند کرتے تھے، یہ وہی لڑکی ہے جسے تم عجیب عجیب ناموں سے پکارا کرتے تھے اور اب تم حیران ہو کر پوچھ رہے ہو۔ کیوں زرمین!'' اس کی آواز میں ناگواری اور تلخی ایک ساتھ سنائی دی تھی التمش کو۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی سیاہ پنسل کو روک کر ذرا حیرانی سے اس انداز کو ہضم کیا۔

''یار وہ سب پرانی باتیں تھیں۔ تب میری اس سے زیادہ بات چیت بھی نہیں تھی۔ میں اس کے متعلق زیادہ جانتا بھی نہیں تھا۔'' زرمین نے اسے بات پوری کرنے کا موقع پھر نہیں دیا۔

''اور اب تم اس کے متعلق بہت زیادہ جانتے ہو بلکہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جانتے ہو۔'' زرمین کے لہجے میں جو کرختگی اور طنز کی آمیزش تھی اس نے التمش کو غصہ دلا دیا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو۔ صاف صاف کہونا۔'' وہ پنسل کو میز پر پھینکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ زرمین کی آواز چند لمحے تک سنائی نہ دی۔ التمش نے بھی اس کے بولنے کا انتظار کیا مگر جب کوئی آواز سنائی نہ دی تو اس نے فون کی جانب دیکھا۔ کال کٹ چکی تھی۔ ایک ہی موضوع پر یہ ان کی دوسری لڑائی تھی۔

''یہ نیا ڈرامہ شروع ہوگیا ہے۔'' التمش اس کے رویے سے اُلجھ سا گیا تھا۔

☆☆☆

''میری بیٹی کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' ابو نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ وہ چونک کر مڑی پھر دل ہی دل میں خود کو ٹوکتے ہوئے ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

''جی ابو۔ بالکل فٹ۔ آپ بتائیں کیسی طبیعت ہے؟'' وہ مصنوعی انداز میں کھل کر مسکرائی تھی۔ ابو کے چہرے پر جو تاثرات اور پھر مسکراہٹ چمکی۔ اس نے سونیا کو کچھ خجل سا کر دیا۔ ان کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ جھوٹ سے بہلائے نہیں جاسکتے۔ وہ اسی انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے قریب آبیٹھے۔

''میں کب سے دیکھ رہا ہوں کہ میری بیٹی فراغت سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہے۔ کچھ بھی نہیں کر رہی۔ آس پاس کاغذ بکھرے ہیں، نہ دھاگے اور یہ نارمل حالات میں تو یہ ممکن ہے نہیں۔ مجھے تو ٹھیک سے یاد بھی نہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کو اس طرح فارغ بیٹھے کب دیکھا تھا۔ شاید تب جب میری پیاری بیٹی کو ٹمپریچر ہوگیا تھا یا جب دانت کے درد کی وجہ سے میری پیاری بیٹی کی آنکھیں بھی درد کرنے لگی تھیں اور ہاں یاد آیا ایک بار جب میری بیٹی کے ہاتھ پر چوٹ لگ گئی تھی اور قینچی اٹھانا مشکل ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ تو میری یادداشت میں کوئی ''ایسا'' لمحہ نہیں جب میں نے اپنی لاڈلی بیٹی کو اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا دیکھا ہو۔ دن کے چوبیس گھنٹے کام کی فکر میں مبتلا رہنے والی میری پیاری بیٹی بنا کسی وجہ کے یوں نہیں بیٹھ سکتی۔'' وہ مسکراتے ہوئے ہی کہہ رہے تھے۔ سونیا نے کوشش کی کہ وہ مسکرائے لیکن ممکن نہ ہوا۔ اس کے چہرے کے تاثرات مزید بوجھل ہوگئے۔

ابو اس کی جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ بہت محبت کرنے والے انسان تھے۔ تین بیٹیوں کو بے حد فخر سے پروان چڑھایا تھا انہوں نے۔ بیٹیوں سے بات کرتے ہوئے وہ ہر جملے میں ''میری بیٹی یا میری پیاری بیٹی۔'' کے الفاظ کی اتنی تکرار کرتے تھے کہ پہلی بار سننے والا بے زار ہو جاتا تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ میری بیٹیاں میری متاعِ حیات ہیں اور متاعِ حیات کا تذکرہ تو مسلسل کرنا ہی چاہیے۔

سونیا کا دل چاہا ایک دم سے ان کے شانے پر سر رکھے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ وہ بہت صابر اور ہمت والی لڑکی تھی لیکن یہ جذباتی دھچکا اسے سہنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ پہلی بار اس قسم کی جذباتی توڑ پھوڑ کا شکار ہوئی تھی۔ وہ بظاہر بہت بہادری سے سب کچھ برداشت کر رہی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پیارے ابو اسے اتنا اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس کی حرکات و سکنات سے ہی بین السطور پڑھ سکتے ہیں۔ اس نے ہونٹ پھیلائے اور اپنی پوری ہمت مجتمع کر کے مسکراہٹ چہرے پر سجا لینے کی ایک اور کوشش کی۔

''یہ تو مبالغہ آرائی ہوگئی ابو۔ وہ بھی حد سے زیادہ۔ چند گھنٹوں کو چوبیس گھنٹے کون کہتا ہے۔ لیکن یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ نے ایک مصرعے کو پورا دیوان سمجھ لیا۔'' وہ مصنوعی بشاشت کو لہجے میں سمو کر بولی۔

ابو سابقہ انداز میں اس کے چہرے کی جانب دیکھتے رہے۔ چہرے پر مسکراہٹ ابھی بھی تھی لیکن اب مسکراہٹ میں ایک کھوج تھا، ایک تجسس تھا اور ایک تفکر کی پرچھائیں تھی۔ اپنے باپ کی آنکھوں میں اپنی ذات کے لیے تفکر ہی تو اسے نہیں چاہیے تھا۔ وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس کے لیے انہیں بہلانا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

''اچھا آپ کو میں اس طرح سے بیٹھی اتنی پریشان کر رہی ہوں تو چلیں آئیں مل کر کچھ بناتے ہیں۔ وہ بناتے ہیں وائٹ چکن کڑاہی۔ وہ جس میں صرف دہی اور کالی مرچ ڈال کر آپ الگ سے کچھ جنتر منتر پڑھتے ہیں۔ اسی لیے تو میں اور امی بناتے ہیں تو کوئی ذائقہ نہیں آتا۔ لیکن جب آپ بناتے ہیں تو بے انتہا ذائقے والی بنتی ہے۔'' اس نے پھر مصنوعی بشاشت کا سہارا لیا۔ ابو نے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر وہ بھی جس طرح دھیرے سے اس کے ساتھ آبیٹھے تھے، اسی طرح دھیرے سے اٹھ گئے۔

''کہتے تو اسے بھی مبالغہ آرائی ہی ہیں۔ لیکن میری پیاری بیٹی کو سب معاف ہے۔'' وہ کہہ رہے تھے لیکن چہرے کے تاثرات دیکھ کر سونیا چور سی بن گئی۔

دونوں باپ بیٹی کو ہی اندازہ تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔ ابو اس کا غم زدہ چہرہ پڑھ سکتے تھے، یہ احساس اسے مزید رنجیدہ کر گیا۔ وہ ان سے کچھ چھپا نہیں سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں بھر آنے کے قریب تھیں لیکن اس نے آنسو آنکھ سے بھی چھپا لیے اور دل ہی دل میں خود کو ملامت کی۔

''جی نہیں۔ مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ آپ واقعی بہت عمدہ بناتے ہیں۔ اچھا ایسا کرتے ہیں میں بناتی ہوں آج۔ پھر امی کو چکھائیں گے۔ آپ دیکھ لیجیے گا انہیں بالکل پسند نہیں آئے گی۔ آپ ذرا بیٹھیں ان کے پاس۔ میں کچن میں جاتی ہوں۔'' نم آنکھوں سمیت وہ عجلت بھرے انداز میں کہتی کچن کی جانب چل دی تھی۔ اس کے ابو اپنے کمرے کی جانب چل دیے۔

''محراب کو کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے مہناز بیگم سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔ وہ کچھ چونکیں پھر استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھا جو انہیں اچھا نہیں لگا۔

''آپ اس کی ماں ہیں۔ کیا آپ کو اندازہ نہیں ہو رہا کہ وہ کچھ الجھی ہوئی ہے۔'' انہوں نے جتا کر کہا تھا۔

مہناز بیگم نے ناک چڑھائی۔ وہ پہلے ہی سارے زمانے سے خفا تھیں۔

کراچی آبسنے میں ان کا اپنا مفاد چھپا تھا۔ انہیں لگا تھا اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کینیڈا سے واپسی پر عطیہ خاتون نے یقین دہانی ہی اتنی کروائی تھی کہ بچے آپس میں گھل مل گئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ گزشتہ تین سالوں میں نظر بھی یہی آرہا تھا کہ ان کا دیرینہ خواب پورا ہونے کے قریب ہے مگر پھر ایک لڑکی زرمین ظاہر ہوگئی اور اب ایسا لگنے لگا تھا کہ سب کچھ جو وہ سوچتی آئی تھیں، کسی دیوانے کے خواب جیسا تھا۔ اس دن تو انہیں ایک شدید جھٹکا لگا جب ان کی اپنی بیٹی نے ان کے سامنے انکشاف کیا کہ اسے زرمین کی بہت پہلے سے خبر تھی اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ انتش کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ ان کا دل چاہا وہ سب سے پہلے سونیا کو ہی دو تھپڑ لگائیں کہ جب وہ یہ سب جانتی تھی تو پھر ساہیوال سے کراچی آکر خواہ مخواہ انتش کے ساتھ بزنس شروع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ سونیا سے اس قدر ناراض تھیں کہ ان کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس سے کلام کریں۔ اسی لیے مجازی خدا کے منہ سے شکوہ انہیں مزید بُرا لگا۔

"وہ نہیں الجھتی کسی بات سے بھی۔ وہ آپ کی لاڈلی بیٹی۔ ٹھنڈا آتش فشاں ہے۔ اگر خاموش بیٹھی ہے تو شام کو دیکھیے گا۔ کوئی پھڑکتا ہوا بیگ یا لباس تیار کر کے سامنے رکھ دے گی اور ہم سوچتے رہ جائیں گے کہ یہ آخر کرتی کیسے ہے۔" بظاہر وہ بیٹی کی تعریف کر رہی تھیں لیکن ایسے، جیسے نا کرتیں تو اچھا تھا۔ اصغر صاحب کو ان کی بات مزید بُری لگی۔

"وہ اداس نظر آتی ہے۔ اداسی سمجھتی ہیں آپ؟ دل دکھایا ہے کسی نے اس کا۔ مجھے اس کی نم آنکھیں نظر آرہی ہیں تو آپ کو کیوں نظر نہیں آرہیں۔" وہ سخت ناراض ہو کر بولے۔ مہناز بیگم کو ان کے لہجے سے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا، ورنہ وہ بلند آواز میں کم ہی بات کرتے تھے۔

"ارے کہہ دیا ہوگا کسی نے کہ تمہارا قد چھوٹا ہے۔ آپ کو پتا ہی ہے اس کا۔ آپ پریشان مت ہوں۔" مہناز بیگم نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی حالانکہ وہ دل ہی دل میں ان کے سخت لہجے سے خود الجھ گئی تھیں۔ اصغر صاحب کی پیشانی پر موجود تیوریاں گہری ہو گئیں اور ان کا لہجہ پہلے سے زیادہ سخت ہوا۔

"میں اس کو جانتا ہوں۔ اسی لیے پریشان ہوں اور یاد رکھیں ایسی بے سر و پا باتیں پریشان نہیں کرتیں میری بیٹی کو۔ ایسی تربیت نہیں کی ہم نے اس کی۔ قد کاٹھ رنگ روپ جیسی خرافات میں اُلجھ کر وقت ضائع کرنے والوں میں سے نہیں ہے میری بیٹی۔" وہ لمحہ بھر کے لیے رُکے پھر مزید بولے۔

"بات وہی ہے۔ جو آپ سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہ رہیں۔ دریا مشرق کی جانب بہتے بہتے بنا کسی وجہ کے شمال یا جنوب کی جانب بہنے لگے تو اس کا کارن کوئی بڑا طوفان ہوا کرتا ہے۔ طوفان سمجھتی ہیں آپ۔" انتہائی طنزیہ لہجے میں کہنے کے بعد ایک لمحہ کا توقف مزید کیا گیا۔

"بات کریں اپنے بھائی سے۔ کیا ارادے ہیں ان کے۔ مجھے یہ سب کچھ بہت نامناسب لگنے لگا ہے اب۔ اس لیے واضح بات کرنا بے حد ضروری ہے اور آپ ایک بات یاد رکھیے گا۔ میں نے کبھی اپنی بیٹیوں کے لیے خسارے کا سودا نہیں کیا اور کسی کو کرنے بھی نہیں دوں گا۔"

ان کی بات پر مہناز بیگم سُن سی ہو گئیں۔ وہ کیا جتانا چاہ رہے تھے اور کیا سمجھانا چاہ رہے تھے، انہیں سب سمجھ میں آگیا۔ وہ ان کے کسی معاملے میں نہیں بولتے تھے لیکن جب بھی بولتے تھے وہ پتھر کی لکیر کی طرح اٹل اور حتمی ہوتا تھا۔

"میں خود بات کروں گا ماسٹر جی سے۔" وہ دو ٹوک انداز میں کہہ رہے تھے

☆☆☆

"کیا بنا رہی ہیں صبح صبح؟" انتش انہیں کافی دیر سے کافی عجلت میں دیکھ رہا تھا، اسی لیے سوال کر دیا۔ اتوار کا دن تھا۔ اس کی مصروفیت بھی شام کی تھیں اور ویسے بھی طبیعت بے زار سی تھی سو وہ گھر پر ہی موجود تھا۔

اتوار کے دن وہ اپنی آؤٹ لیٹ شام کو کھولتے تھے لیکن دیر کشاپ بند رہتی تھی۔ اس کے اور سونیا کے درمیان جو تلخی پیدا ہوئی تھی، وہ اب تک قائم تھی اور زرمین سے جھگڑا ابھی تازہ ہی تھا لیکن عجیب بات تھی کہ اسے زرمین کے ساتھ ہونے والے جھگڑے کی جتنی ٹینشن تھی، اس سے کہیں زیادہ وہ سونیا کے رویے سے الجھا ہوا تھا۔ اس نے سونیا کو اور سونیا نے اس کو دوبارہ کوئی کال کی تھی نہ ہی واٹس ایپ پر پیغامات کے ذریعے کوئی گفتگو ہوئی تھی۔ انتش اس کو باور کروانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے جبکہ سونیا نے تو کوئی پروا ہی نہیں کی تھی، جس کا اسے دل ہی دل میں غصہ بھی تھا۔ اس بات کو کئی دن گزر چکے تھے اور گزشتہ تین سالوں میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ ان کے درمیان اتنی دیر رابطہ منقطع رہا ہو۔

"میں کوفتے بنا رہی ہوں۔ چھوٹے گوشت کا قیمہ ہے۔ بہت ذائقے والے بنیں گے۔ اس لیے مہربانی فرما کر تم آج کھانا گھر پر ہی کھانا۔" انہوں نے اسے تفصیل بتا کر ترغیب دی۔

"ارے واہ! اب تو کھانا گھر پر کھانا ہی پڑے گا۔ ساتھ روٹی بنائیں گی یا چاول اُبالیں گی؟" اس نے بات برائے بات پوچھا تھا کہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"وہ تو بعد میں دیکھوں گی جب سونیا وغیرہ سب آجائیں گے۔ ان سے پوچھ کر فیصلہ کروں گی۔ کیا پتا تمہارے پھوپھا چاول کھانا پسند نہ کریں۔" انہوں نے بتایا تھا۔ انتش نے ان کی جانب دیکھا۔

"پھوپھا آرہے ہیں؟ کھانے پر؟" اسے کچھ حیرانی ہوئی۔

پھوپھو نزدیک ہی رہتی تھیں اور اکثر ہی شام کی چائے پر ان کے یہاں پائی جاتی تھیں لیکن پھوپھا کا آنا اور وہ بھی کھانے کے وقت واقعی ایک اہم معاملہ تھا۔

"کیوں۔ تمہیں بتایا نہیں سونیا نے۔" انہوں نے اس انداز میں کہا تھا جیسے یقین ہو کہ وہ یہ بات پہلے سے جانتا ہے۔ سونیا سے اس کی ناراضی نہ چل رہی ہوتی تو شاید اسے یہ بات پہلے سے پتا ہی ہوتی لیکن اب تو دونوں جانب سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"بہت خوب۔ یعنی اب اپنے ہی گھر کی باتیں مجھے باہر والے بتایا کریں گے۔" اس نے چوکر سوال کیا۔ عطیہ بیگم نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ انہیں "لفظ" باہر والے۔" بہت چبھا تھا۔

"وہ باہر والی نہیں ہے۔ ہماری اپنی ہی بچی ہے۔" انہوں نے جتایا۔

اونہہ۔ اتنی سڑی ہوئی۔ مغرور۔ آپ کی اپنی بچی۔" اس نے مزید بُرا سا منہ بنایا پھر جس کرسی پر بیٹھا تھا اسے ان کی جانب موڑ کر بولا۔

"ویسے۔ وہ جتنی مغرور ہے نا۔ واقعی آپ کی بچی ہی لگتی ہے۔ بالکل آپ کی طرح کے نخرے ہیں اس کے اور سمجھتی خود کو وہ بھی مہارانی جودھا بائی ہی ہے۔" اس نے بہت دن بعد انہیں اس طرح سے چوانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اسے مغرور کہنا تو زیادتی ہے۔ مغرور تو بالکل نہیں ہے۔ ہاں پُر اعتماد ہے۔ پروا نہیں کرتی کسی چیز کی۔ جو کام کرنا ہے وہ کر کے دم لیتی ہے۔" وہ اسے سراہ رہی تھیں۔

"امی ویسے اقرباء پروری ختم ہے آپ پر۔ آپ کے منہ سے کبھی میرے لیے تو ایسے الفاظ نہیں نکلے۔ میرے دشمنوں کو سراہنے میں آپ ہمیشہ سب سے پہلے آجاتی ہیں۔" وہ جس انداز میں کہہ رہا تھا اس سے عطیہ بیگم کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی کہ اس کے انداز میں شرارت تو تھی لیکن پہلے جس طرح اس ذکر پر وہ واقعی انتہائی کوفت سے چار فٹ دس انچ کہہ کر منہ بنا لیا کرتا تھا ایسا کوئی تاثر اس کے چہرے پر نہیں اُبھرا تھا بلکہ اس کی دلچسپی ظاہر کرتی تھی کہ وہ اس کے ذکر کو انجوائے کر رہا ہے۔

"یہ بات نہیں ہے۔ تم میرے بیٹے ہو، تم سے زیادہ اچھا تو کوئی نہیں ہے میرے لیے۔" وہ جانے کس موڈ میں تھیں کہ بیٹے کو بھی سراہنے لگیں حالانکہ اسے تو ہمیشہ ہی تنقید کی زد پر رکھتی تھیں وہ۔ انتش کے چہرے کے تاثرات مزید طنزیہ ہو گئے جبکہ وہ مزید کہہ

رہی تھیں۔

''لیکن مجھے وہ ابتدا سے ہی اسی لیے اچھی لگتی ہے کہ اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا اعتماد ہے۔ جس بات کا تہیہ کر لیتی ہے اسے پورا کر کے دم لیتی ہے حالانکہ تمہاری ڈکشنری کے حساب سے چلا جائے تو واقعی وہ چار فٹ دس انچ ہی تو ہے۔ مگر چٹانوں کا سا حوصلہ ہے اس کا ورنہ خود ہی بتاؤ۔ تین سال کے قلیل عرصہ میں تم نے کسی اور کو اس طرح کسی دوسرے شہر میں آ کر کامیاب ہوتے دیکھا ہے۔ نہیں نا..... تو پھر مان لو میرے تعل کہ یہ سب اس کی وجہ سے ممکن ہوا اور دنیا تمہیں جاننے لگی ہے۔ میں اس کو اس وجہ سے اتنا پسند کرتی ہوں کہ وہ بالکل ایسی ہے جیسا آج کل کی لڑکیوں کو ہونا چاہیے۔ یقین کرو میری اگر کوئی بیٹی ہوتی نا تو میں اسے بالکل ایسا ہی دیکھنا چاہتی جیسی سونیا ہے..... اور.....'' وہ اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک کیے دیے رہی تھیں جب کال بیل گنگنا اٹھی۔

''آ گئیں ہیں محترمہ۔ آپ یہیں ختم کر دیں یہ جھوٹی باتیں۔ اس نے سن لیا تو مزید سر چڑھ جائے گی۔ پہلے ہی نخرے نہیں برداشت ہوتے ہم سے اس کے۔'' وہ کہتا گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد مہناز بیگم اور اصغر صاحب اندر آ گئے۔ عطیہ صافی سے ہاتھ وغیرہ صاف کر کے کچن سے باہر کی سمت آ گئیں۔ سونیا ان کے ہمراہ نہیں تھی۔ وہ مہناز بیگم سے ملتے ہوئے ان سے اسی کے بارے استفسار کرنے لگیں۔

''وہ کہہ رہی تھی کہ اسے ایک بہت اچھا آرڈر ملا ہوا ہے۔ کل تک مکمل کرنا ہے۔ بس اسی لیے نہیں آئی۔'' مہناز نے بتایا تھا لیکن التمش کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا ایسا کوئی آرڈر نہیں تھا جو کل ہی ڈلیور کرنا ضروری ہو۔ اسے حیرانی ہوئی۔ وہ اپنے کمرے میں آیا اور آتے ہی پہلا واٹس ایپ اسے کیا تھا لیکن چند لمحے بعد جب اس کا کوئی جواب نہ آیا تو اس نے براہ راست کال ملائی تھی۔ سونیا نے فون نہیں اٹھایا اور اس امر نے التمش کو حیران ہی نہیں پریشان بھی کر دیا۔

''ایسا کیوں کر رہی ہو تم۔'' وہ خود اچنبھے کا شکار تھا۔

☆☆☆

''سونیا کے ابا کی طبیعت کچھ اچھی نہیں رہتی۔'' مہناز بیگم نے کچھ جھجک کر بھاوج کے سامنے اُگلا۔ عطیہ بیگم نے چاول دم پر رکھ دیے تھے۔ دونوں نند بھاوج میز کے گرد بیٹھی سلاد کاٹ رہی تھیں جب انہوں نے یہ تمہید باندھی۔ بند گوبھی کاٹتے ان کے ہاتھ لمحہ بھر کے لیے رُکے۔

''کیا ہوا۔ بلڈ پریشر ہائی؟ ماشاء اللہ لگ تو ٹھیک رہے ہیں۔'' عطیہ بیگم اس تمہید کی تہ تک پہنچی نہیں تھیں۔ ویسے بھی ان دونوں کے درمیان کبھی ایسا تکلف رہا ہی نہیں تھا کہ باتیں اشاروں میں کرنے کی نوبت آتی۔ ایک ہی مسئلہ تھا۔ جو انہیں ایک دوسرے سے نظریں چرانے پر مجبور کرتا تھا۔

''بلڈ پریشر بھی ہائی۔ شوگر بھی ہائی۔ بس اوپر نیچے۔ چلتا ہی رہتا ہے یہ سب۔ بیٹی کے لیے پریشان رہتے ہیں۔'' مہناز بیگم آج دو ٹوک بات کرنے کے لیے ہی آئی تھیں اور وہ بلا وجہ کی باتیں کر کے یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

عطیہ بیگم نے جو یقین دہانی انہیں ساہیوال میں کروائی تھی وہ انہیں یاد تھی اور انہوں نے دوبارہ کبھی اسے دہرایا نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ بھاوج نے جو بھی وعدہ ان سے کیا تھا وہ اسے نبھائیں گی لیکن آنکھوں دیکھا حال بھی نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ التمش کی زندگی میں ایک لڑکی تھی جس کے ساتھ وہ بے حد بے تکلف نظر آتا تھا۔ اس لڑکی کے گھر والے التمش پر بے حد مہربان نظر آتے تھے۔ آئے روز اس لڑکی کے یہاں دعوتیں ہو رہی تھیں، ان لوگوں کو بھی فراخ دلی سے مدعو کیا جا رہا تھا۔ اس لڑکی کا ذکر گھر میں سب کے سامنے بے تکلفی اور فراخ دلی سے ہوتا تھا۔ یہ سب باتیں واضح طور پر انہیں سمجھا رہی تھیں کہ کچھ نہ کچھ ایسا ہے جو ان سے مخفی ہے۔ کچھ نہ کچھ ایسا ہے جسے انہوں نے سمجھنے میں غلطی کر دی ہے۔ کچھ نہ کچھ ایسا ہے جو ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ یہ ''میرا سلطان'' کی کوئی ''مسڈ اپی سوڈ'' نہیں تھی جو وہ یوٹیوب سے چند کلپس کے بعد ڈاؤن لوڈ کر کے دیکھ لیتیں اور وہ سب جو ان سے چھوٹ گیا تھا ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تھا، نہایت آرام سے سمجھ میں آ جاتا۔ اسی لیے اس موضوع پر واضح بات کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ دوسری جانب عطیہ بیگم کا دل ایک لمحے کے لیے ڈوبا۔ وہ خواب جو وہ اپنی بچپن کی سہیلی کی آنکھوں میں سجا آئی تھیں اسے نوچنے کا وقت آ گیا تھا۔

''اتنی اچھی بیٹی کے لیے بھی پریشان ہو سکتا ہے کوئی؟'' انہوں نے بودے سے لہجے میں کہا۔ ان میں ہمت نہیں تھی کہ سہیلی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ بات کہہ سکتیں اور مہناز بیگم ان کے انداز سے ہی سمجھ گئیں کہ وہ خدشہ جو اب سے نہیں کئی سالوں سے انہیں بے چین ہی رکھتا تھا، ابھی تک قائم تھا۔ انہوں نے کینیڈا تک کا سفر کر لیا تھا کہ شاید اس وجہ سے ان کی دلی خواہش پوری ہو جائے۔ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر واپس اس شہر میں آ بسی تھیں کہ شاید اب وہ سچ ہو جائے جو وہ سوچتی آئی تھیں لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے گہری سانس بھری۔ چند لمحے وہ سوچتی ہی رہی تھیں کہ اب انہیں کہنا کیا چاہیے۔ ایک سوچ آ رہی تھی ایک جا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحے میں سب بھول جائیں۔ رشتہ داری، دوستی یاری۔ پھر بیٹی کا چہرہ نظروں کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ کتنے پُروقار طریقے سے سب برداشت کر سکتی تھی تو وہ اتنی تجربہ کار ہو کر کیوں نہ ہمت کا دامن تھامے رکھتیں۔

''اچھا بچہ ہے التمش! لیکن میری بیٹی کی قسمت اس سے بھی زیادہ اچھی ہے۔'' عطیہ بیگم ایک لمحے کے لیے کچھ بول ہی نہ سکیں۔ دکھ تو انہیں بھی ہوا تھا۔ وہ سپنا جو دھیرے دھیرے بُنا تھا انہوں نے۔ لمحہ بھر میں ختم ہو گیا تھا۔ جیسے بس بجلی بند ہونے سے سب بند ہو جائے لیکن وہ اب مزید جھوٹ کے سہارے کسی ماں باپ کی بددعائیں نہیں سمیٹنا چاہتی تھیں۔

''میں نے بہت کوشش کی مہناز۔ لیکن ہماری بیٹی کی قسمت واقعی اچھی ہے۔'' وہ اس سے زیادہ کیا کہتیں۔ مہناز بیگم نے کوئی جواب دیے بنا بس کاٹے گئے کھیروں اور ٹماٹر کے قتلوں کو پلیٹ میں سجا کر رکھنا شروع کر دیا۔ کہنے کے لیے بچا ہی کیا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر سے یہ سوچ کر نکلا تھا کہ ورکشاپ جائے گا، وہاں سے سونیا کو پک کرے گا اور کہیں بیٹھ کر اس سے تفصیلی بات کرے گا۔ سونیا کا رویہ اسے کسی انہونی کا احساس دلانے لگا تھا۔ وہ ایسی نہیں تھی جیسی بن کر دکھا رہی تھی۔ وہ اس سے اس طرح کبھی ناراض نہیں ہوئی تھی۔ لڑائی جھگڑے، طعنے، شکوے ان کے درمیان سب چلتا تھا لیکن ناراضی یا خفگی کبھی درمیان میں نہیں آئی تھی۔ بات جس مقام سے شروع ہوتی تھی عموماً وہیں ختم ہو جایا کرتی تھی لیکن اب کی بار کچھ مختلف ہو گیا تھا۔ سونیا کئی دن سے اس سے خفا تھی اور التمش یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ اسے سونیا کی خفگی سے بے چینی ہونے لگی تھی۔

ابتدا میں تو وہ۔ نہیں تو نا سہی۔ بھاڑ میں جاؤ۔'' والا جملہ خود کو کہہ کہہ کر تسلی دیتا رہا لیکن اب اس کی برداشت ختم ہونے لگی تھی۔ اسے پتا بھی نہیں چلتا تھا اور وہ بلا وجہ واٹس ایپ کھول کر سونیا کا نمبر کھول لیتا تھا۔ اس کا لاسٹ سین چیک کرنے لگتا اور جب اسے پتا چلتا کہ وہ مسلسل آن لائن ہے لیکن اس کے میسجز کے جوابات نہیں دے رہی تو وہ جھنجلانے لگتا۔ اس کے کال کاٹ دینے کے عمل نے تو اسے بالکل ہی حیران کر دیا تھا۔ ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ بات کرنے کی بھی روادار نا رہی تھی۔ یہی سوچ کر وہ گھر سے نکلا کہ اب آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرنا ضروری ہو گیا تھا مگر گھر سے نکلتے ہی زرمین کی کال آ گئی۔ وہ مین روڈ پر پہنچا ہی تھا ابھی۔ اس نے کال ریسیو کی تو وہ اپنا ہی پروگرام بنا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"لنچ کریں کہیں۔ میرا دل چاہ رہا ہے تم سے ملنے کو۔" وہ لاڈ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی جیسے سب بھول بھال گئی ہو۔ التمش نے سکون کا سانس لیا۔ وہ دو، دو جگہوں پر لڑائی جھگڑے ایک ساتھ افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

"اپنے دل کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو تم۔ یہ ہر روز مجھ سے ملنے کے لیے کیوں بے چین ہونے لگتا ہے۔" وہ اسے چڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زرمین ہنسی۔

"یہ زرمین کا دل ہے۔ اس کی سمجھ میں ایسی باتیں آتی نہیں ہیں۔" وہ اسی کے انداز میں بولی۔ التمش بھی ہنسا۔

"اب تم نے بات ایسی کردی ہے کہ مجھے سر کے بل بھی آنا چاہیے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں ذرا مصروف ہوں۔ سونیا کی طرف جا رہا ہوں۔ وہاں سے جلدی آ گیا تو پھر ڈنر کر لیں گے ساتھ۔" اس نے اپنا مسئلہ اسے سمجھایا۔ زرمین کی آواز چند لمحوں کے لیے آنا بند ہو گئی۔

"کیا ہوا۔ سو گئی ہو کیا؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"نہیں۔ لیکن حیران ہوں۔ تم اتوار کے دن بھی اس کے ساتھ لنچ کرتے ہو؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔

"اتوار کے دن اس کے ساتھ لنچ کرنے میں کوئی مسئلہ ہے کیا؟" التمش اس کے لہجے سے متاثر ہوئے بنا پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے لیے تو خیر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ تمہارا بس چلے تو تم بریک فاسٹ، ڈنر لنچ ہفتے کے ساتوں دن اسی کے ساتھ کرو۔" وہ تنک کر بولی تھی۔ التمش کو اس کے لہجے کی تلخی بُری لگی۔ وہ اس سے اس قسم کی بات کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"مطلب؟" اس نے بھی تنک کر سوال کیا۔

"کوئی مطلب نہیں۔ تم جاؤ اپنی سونیا کے پاس۔" اس نے کہہ کر کھٹ سے فون بند کر دیا۔

التمش نے حیران ہو کر فون کی جانب دیکھا۔

"اپنی سونیا۔" یہ کہتے ہوئے زرمین کے لہجے میں جو کاٹ تھی جس نے التمش کو جتایا تھا کہ اسے بُرا لگا ہے۔ وہ چند لمحے خالی ذہن کے ساتھ سڑک پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ وہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ زرمین نے اسے مزید الجھا دیا۔ سونیا سے مل کر معاملہ حل کرنے کی بے چینی تھی تو زرمین کی ناراضی بھی اسے منظور نہ تھی۔ سونیا کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر کے اس نے زرمین کو میسج کر دیا تھا۔

"پانچ منٹ میں باہر آؤ، میں آ رہا ہوں تمہیں پک کرنے۔"

☆☆☆

"تم بتا کیوں نہیں دیتیں کہ ہوا کیا ہے؟" اس کے سامنے کھڑا سوال کر رہا تھا۔ وہ زرمین کے ساتھ لنچ کر کے اب ورکشاپ پر آیا تھا۔ زرمین کے ساتھ صلح ہو گئی تھی تو اب سونیا کی ناراضی اسے یاد آنے لگی۔

سونیا اسے دیکھ کر حیران ہوئی اور اسے بے چینی بھی ہوئی۔ التمش کا ساتھ اس کے لیے ہر گزرتے دن کے ساتھ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اسے کوئی الزام نہیں دینا چاہتی تھی کہ یہ تو یکطرفہ محبت تھی مگر پھر بھی انسان ہونے کے ناتے اسے اس پر غصہ آنے لگتا تھا۔ اس کا دل چاہنے لگتا تھا کہ وہ اسے جتا کر کہے کہ تم تو بہت ہی بودے اور کمزور انسان نکلے۔ اتنی جلدی ساری ہتک ساری بے عزتی بھول کر پھر اسی رستے پر چل پڑے جہاں سے ذلیل رسوا کر کے نکالے گئے تھے مگر پھر وہ ڈر جاتی کہ وہ کون ہوتی تھی اسے ایسے طعنے دینے والی۔ اس نے اس کے ساتھ کون سا وعدے وعید کر رکھے تھے جو وہ اسے کسی کٹہرے میں کھڑا کرتی۔ یہ اس کی اپنی زندگی تھی۔ وہ اپنا اچھا بُرا سوچ سکتا تھا لیکن وہ اب مزید اس کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے اتوار کے دن ادھر آئی تھی کہ اپنا سامان الگ کرنے کی تیاری کر سکے۔ اس نے واپس ساہیوال جانے کی پلاننگ شروع کر دی تھی اگرچہ اس نے ابھی اس سے متعلق کسی سے بات نہیں کی تھی لیکن یہ طے تھا کہ وہ مزید التمش کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ اس کے لیے آنے والے وقت میں مزید ناقابلِ برداشت ہو جاتا۔

"کاٹنے والے جوتے زیادہ دیر پاؤں میں پہنے رکھنا بے وقوفی ہوتی ہے۔" اس نے خود کو سمجھا لیا تھا۔ یہ یکطرفہ محبت کسی کاٹنے والے جوتے ہی کی طرح تکلیف دہ تھی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔ میں بس اپنی کچھ چیزیں تلاش کرنا چاہ رہی تھی۔ اسی لیے آ گئی۔ اب تم اس بات پر بھی اعتراض کرو گے۔" سونیا اسے نظر انداز کرتے ہوئے شیلفس پر پڑے ڈبے دیکھتے ہوئے بولی۔ التمش مزید اس کے سامنے آیا۔

"میں یہ نہیں پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں کیوں آئی ہو یا تم کیا کر رہی ہو۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟" التمش کا لہجہ زیادہ اچھا نہیں تھا۔

سونیا کے انداز میں موجود تکلف اور غیریت اسے سخت بُری لگ رہی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی اور اس کے ساتھ آج تک ایسا کسی نے نہیں کیا تھا۔

"کیا کر رہی ہوں میں؟" سونیا نے حیران نظر آنے کی بھرپور اداکاری کی جیسے اس کی بات بالکل نہ سمجھ پائی ہو۔ التمش زچ ہوا۔

"تم مجھے اگنور کر رہی ہو۔ ہمارے گھر بھی نہیں آئیں۔ امی یاد کر رہی تھیں تمہیں۔ میرا غصہ اب میرے ماں باپ پر نکالو گی تم۔" وہ جتا کر بولا۔ یہ کہنا اس جیسے مغرور انسان کے لیے نہایت تکلیف دہ تھا۔ سونیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر ایک اور ڈبہ اپنے سامنے کر لیا۔

"ایسا نہیں ہے التمش۔ ایسا کیوں کروں گی بھلا میں۔" وہ بے حد ملائمت بھرے لہجے میں بولی۔

التمش کو اس کی یہ ادا مزید بُری لگی۔ یہ تھا وہ غیروں والا انداز جو اسے بے حد چُبھ رہا تھا۔ سونیا اس کے ساتھ اس طرح بات نہیں کرتی تھی۔ وہ تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے جواب دیا کرتی تھی۔ ایک بات کے جواب میں دس سُنا کر ہی سکون ملتا تھا اسے اور اگر وہ یہ سب نہیں کر رہی تھی تو یقیناً اس کے پیچھے کوئی وجہ تھی۔

"تم ایسا ہی کر رہی ہو۔ آخر ہوا کیا ہے؟" اس نے جتا کر کہا پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے میز کے قریب پڑی ریوالونگ چیئر پر بٹھا دیا۔ اپنے عقب میں دیکھتے ہوئے اس نے دوسری کرسی گھسیٹی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ چند لمحے وہ اس کی آنکھوں میں ہی دیکھتا رہا۔ یہ لمحہ سونیا کے لیے بے حد مشکل تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں زیادہ دیر دیکھ نہیں پائی۔

"اچھا سوری۔ آئی ایم سوسوری۔" التمش نے کہا۔

سونیا نے ایک بار پھر اس کی نگاہوں میں دیکھا۔

"میں دوبارہ بھی تمہیں کسی کا نام لے کر نہیں چڑاؤں گا۔ احتشام کا تو بالکل بھی نہیں۔ میری توبہ۔ ماسٹر جی کی بھی توبہ۔ یعنی میری بھی توبہ اور میرے ابا کی بھی توبہ۔ اب تو مان جاؤ۔"

"ایسے مت کہو التمش۔ پلیز۔ ناراض نہیں ہوں میں۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ التمش نے گہری سانس بھری۔

"مجھے مت بتاؤ یار۔ مجھے کیا محسوس نہیں ہوتا۔" وہ اکتا سا گیا تھا

"اوہ۔ واقعی؟" سونیا نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ انداز میں کہہ گئی۔ التمش اسی کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"یار میں پتھر تو نہیں ہوں۔ مجھے احساس ہے کہ میری کسی بات سے ناراض ہو تم۔ لیکن دیکھو میں تو ایسا ہی ہوں۔ منہ پھٹ سا۔ مگر سوری بول تو رہا ہوں۔ مان تو رہا ہوں کہ کہہ دیا ہوگا کچھ تم سے جو مجھے اب یاد نہیں ہے۔ مگر پھر بھی آئی ایم سوسوری۔" وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ مذاق میں نہیں بلکہ سنجیدگی سے معذرت کر رہا تھا اس سے۔ سونیا کچھ نہیں بولی۔ اسے پھر اپنے آپ پر ہی غصہ آیا اور یہ سوچ کر زیادہ آیا کہ اسے غصہ کیوں آ رہا ہے۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے، قہقہے لگانے چاہئیں کہ وہ شخص جو اتنا مغرور تھا کہ کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتا تھا۔ آج اس کے سامنے شرمسار بیٹھا معافی مانگ رہا تھا۔

"پلیز التمش۔" وہ اس کی جانب دیکھے بنا میز پر رکھی چیزیں ٹھیک کرتے ہوئے کچھ کہنے لگی تھی کہ وہ کارڈ سامنے آگیا جس پر اس نے کچھ دن پہلے المحراب سے "ال" کو الگ کر ڈالا تھا۔ اس نے دوبارہ وہ کارڈ نیچے چھپا دینا چاہا مگر التمش نے غیر ارادی طور پر اسے اٹھا لیا۔ وہ بلاوجہ ہی کارڈ پر نظر ڈال بیٹھا پھر اسے سمجھ میں آیا کہ سونیا اسے چھپا کیوں رہی تھی۔

"یہ کیا ہے۔" وہ حیران ہوا تھا۔ سونیا نے اس کے ہاتھ سے وہ کارڈ لینا چاہا۔

"کچھ نہیں ہے۔ ایک کارڈ ہے۔ وزیٹنگ کارڈ۔" وہ عام سے انداز میں بولی

"وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ ایک کارڈ ہے۔ مگر یہ کیا کیا ہے تم نے..... تم نے۔" "محراب" اور "ال" کو الگ الگ کیوں کر دیا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سونیا چند لمحے کچھ نہیں بولی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کیا جواب دینا چاہیے۔

"تم نے انہیں الگ کیوں کیا سونیا۔" وہ پھر سوال کر رہا تھا۔ سونیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ الگ ہی تھے التمش۔ میں نے انہیں الگ نہیں کیا۔ یہ الگ ہی تھے۔ بالکل الگ۔ الگ تھلگ۔ آئی سمجھ۔" وہ جتا کر لیکن سر اٹھا کر بولی۔ کیا یہ لازم تھا کہ وہ اگر کہیں انجانے میں اس شخص کو پسند کرنے لگی تھی تو اس پر شرمسار بھی ہوتی۔ وہ اپنا بھرم قائم رکھ کر بھی تو اپنا موقف بیان کر سکتی تھی۔

"میں واپس جانا چاہتی ہوں التمش۔ میں مزید تمہارے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتی۔ تم سنبھالو یہ سب۔ میں ساہیوال میں اپنا کام الگ سے شروع کروں گی۔ اس لیے "المحراب" کو ختم کرنا چاہ رہی ہوں میں۔ آئی سمجھ۔" وہ ملائمت سے مگر دوٹوک انداز میں بولی۔

"نہیں مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آئی اور تم بھی کان کھول کر سن لو۔ "ال" اور "محراب" کبھی الگ نہیں ہوں گے۔ یہ المحراب ہی رہیں گے۔ کم از کم میری زندگی تو ایسے ہی رہیں گے۔ ہاں میرے مرنے کے بعد جو مرضی کرنا تم۔" وہ جتا کر بولا۔ اس کو سونیا کا یہ طرز عمل اچھا نہیں لگا۔ اسی دوران تین لوگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئے تھے۔ التمش نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

"انہیں میں نے بلوایا ہے۔" جواب سونیا نے دیا۔ وہ مزید آگے آگئے تھے۔ انہوں نے نارنجی رنگ کا یونیفارم پہن رکھا تھا جس پر بڑا بڑا کر کے "موورز اینڈ پیکرز" لکھا ہوا تھا۔ وہ سامان کی منتقلی سے پہلے سامان سمیٹنے کے لیے بلوائے گئے تھے۔ التمش چند لمحے تو ان کی جانب دیکھتا رہا پھر وہ سونیا کی جانب مڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سخت خفگی کے رنگ تھے

"کیا ڈیل ہوئی ہے ان سے۔ کتنے روپے دینے ہیں انہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ سونیا خاموش ہی رہی۔

"میں نے پوچھا ہے کچھ۔" اس نے غرا کر کہا تھا۔

"پانچ ہزار۔" سونیا خائف سی ہو کر بولی تھی۔ التمش نے اپنی جینز کی پاکٹ سے والٹ نکال کر پانچ ہزار کا نوٹ نکالا اور ان میں سے ایک شخص کو پکڑا دیا۔

"آپ جا سکتے ہیں۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑے رہے پھر سونیا نے بھی انہیں اشارہ کیا تو وہ دوبارہ سے سیڑھیاں اتر گئے۔

"میری زندگی میں ایسا ممکن نہیں ہے سونیا عرف محراب بی بی۔ آپ مجھ سے الگ نہیں ہو سکتیں۔ کبھی بھی نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ سونیا کو بے پناہ غصہ آیا۔ یہ کوئی ایسی ذومعنی بات نہیں تھی کہ وہ اس میں چھپے ہوئے معنی تلاش کر کے خوش ہوتی رہتی۔ وہ مغرور شخص اسے کاروبار بھی الگ کرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"ہمارے راستے کبھی الگ نہیں ہوں گے۔ "ال" اور "محراب" ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔" وہ مزید کہہ رہا تھا۔ سونیا کچھ نہیں بولی۔ اسے بس غصہ آرہا تھا۔

☆☆☆

"تم کچھ پریشان ہو؟" زرمین نے اس کے بے زار سے انداز کو دیکھ کر سوال کیا۔ وہ اس کے ہر سوال کے جواب میں بس ہوں ہاں کیے چلے جا رہا تھا۔ بظاہر وہ اس سے باتیں ہی کر رہا تھا لیکن توجہ بالکل بھی اس کی جانب نہیں تھی اور اسے اندازہ نہیں تھا کہ زرمین کب سے یہ بات نوٹ کر رہی ہے۔ اس کے ٹوکنے پر التمش نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"نہیں تو....." اس نے اس سے زیادہ جیسے خود کو یقین دلایا۔

"اچھا؟" زرمین نے استہزائیہ انداز میں کہا پھر اپنے عقب میں مڑ کر دیکھنے کے بعد طنزیہ انداز میں بولی

"اچھا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے تم کچھ الجھے ہوئے ہو۔ کب سے دیکھ رہی ہوں۔ پیشانی کو انگلی سے کھجائے چلے جا رہے ہو۔" زرمین کے چہرے پر تجسس کے ساتھ مسکراہٹ بھی چمکی۔ اس مسکراہٹ میں طنز شامل تھا۔ یہ طنز اب اس کی گفتگو میں اکثر ہی چھلکنے لگا تھا۔

"تم جب بھی کسی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہو تو ایسے ہی بار بار اپنی آئی برو کو سہلانے لگتے ہو۔" وہ کہہ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ناگواری سی تھی۔ التمش کو اس کا انداز اچھا نہیں لگا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، زرمین بولی۔

"تمہیں پتا ہے تم اپنا کنفیوژن چھپانے کے لیے اکثر ہی ایسا کرتے ہو۔ ان فیکٹ تمہیں جب بھی کوئی بات مجھ سے چھپانی ہوتی ہے تب ایسا کرتے ہو تم۔" وہ ناراض سے لہجے میں بولی۔

"نہیں یار۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم سے تو کچھ نہیں چھپاتا میں۔" التمش نے سر ہلایا اور اب کی بار کندھے بھی اچکائے تھے مگر انداز ایسا تھا جیسے اسے نہیں خود کو یقین دلا رہا ہو۔

"اچھا۔ پھر بتاؤ کیا سوچ رہے تھے؟" زرمین مکمل جرح کے موڈ میں تھی۔ التمش چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہہ دیا۔

"یار۔ دراصل میں سونیا کی وجہ سے کچھ الجھا ہوا ہوں۔" وہ اپنی بات مکمل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے مشورہ کرنا چاہتا تھا لیکن زرمین نے اس کی بات کاٹ دی۔ اسے سونیا کے نام سے چڑ ہوتی تھی۔

"مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ مدعا یہی نکلے گا۔" اس نے جھٹکے سے کرسی کی پشت سے اپنی پشت کو ٹکراتے ہوئے جل کر کہا۔ اس نے التمش کو بات مکمل کرنے ہی نہیں دی۔ التمش کو اس کا انداز کچھ عجیب لگا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔ اس نے تو ابھی بات مکمل بھی نہیں کی تھی اور زرمین اس کا موقف سمجھ بھی گئی۔

"وہ لڑکی ہر وقت تمہارے حواسوں پر کیوں سوار رہنے لگی ہے التمش۔" وہ الزام دینے والے انداز میں بولی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟" التمش کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

زرمین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا پھر کندھے اچکا کر بولی۔

"مطلب وہی ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ ہر وقت سونیا کے نام کا کلمہ پڑھتے رہتے ہو تم۔" التمش نے تردیدی انداز میں گردن ہلائی۔

"کلمہ تو التمش صرف اللہ اور رسول کے نام کا پڑھتا ہے۔ مسلمان ہوں میں اور....." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ زرمین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"التمش میری بات کو مذاق میں مت ٹالو۔ تمہیں احساس بھی ہے کہ مجھے یہ کتنا بُرا لگتا ہے۔" اب کی بار اس کے لہجے میں دکھ تھا۔ اس کا رویہ بالکل فطری تھا۔ وہ التمش کے لیے شروع سے بے حد پوزیسو رہی تھی۔ اس کی موجودگی میں التمش کسی دوسری لڑکی کے متعلق سوچنے کا حق دار نہیں تھا جبکہ التمش یہ بات سمجھتا نہیں تھا۔ زرمین کو سونیا کے ذکر پر بے چینی ہی نہیں ہوتی بلکہ اسے غصہ آنے لگتا تھا۔

"اپنی بات کی مزید وضاحت کرو گی تم۔" وہ ناراض ہوا تھا۔ زرمین نے اس کے چہرے کی جانب

دیکھا۔

"نہیں۔ بالکل نہیں بلکہ تم مجھے وضاحت دو کہ تم دونوں کے درمیان چل کیا رہا ہے۔ ہر وقت سونیا، سونیا کرتے رہتے ہو تم۔ اگر وہ اتنی ہی پسند ہے تمہیں تو بتا کیوں نہیں دیتے صاف صاف۔" اس نے جل کر کہا۔ التمش کی آنکھیں چھیل سی گئیں۔ یہ تو الزام تھا۔

"وہ کزن ہے میری اور اس سے بھی بڑھ کر بزنس پارٹنر بھی ہے۔ ہم ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ اسے ناپسند کروں گا ہی کیوں میں اور اگر اس کے متعلق سوچ بھی لیا تو ایسی کوئی انہونی بات نہیں ہے۔" وہ نخوت سے بولا۔

"مجھے مت بتاؤ کہ وہ تمہاری کزن ہے۔ مجھے تم یہ یاد دلانے دو کہ یہ وہی کزن ہے جس کے ساتھ تمہارے رشتے کی بات چل رہی تھی اور جسے تم چار فٹ دس انچ کہہ کر اس کا مذاق اڑاتے رہتے تھے اور....." وہ جتا جتا کر بول رہی۔ التمش نے زچ ہو کر اس کی بات کاٹی تھی۔

"تم یہ بات بھول کیوں نہیں جاتیں۔ اچھا ہوگئی مجھ سے غلطی۔ مجھے نہیں مذاق....." اب زرمین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"دیکھا..... دیکھا۔ کرلیا ہے نا تم نے اعتراف کہ تم سے غلطی ہوئی۔ تم اب پچھتا رہے ہو نا۔ مجھے پتا تھا۔ پتا تھا مجھے۔" وہ کرسی پر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ چہرے پر سخت بے زاری چھا گئی تھی۔

"یا خدا! ذرا سی بات کی ببل گم بنا لیتی ہو تم۔ میں مذاق اڑانے والی بات پر کہہ رہا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا اور نہ ہے کہ کسی کا مذاق اڑاؤں۔ مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ بات کر رہا تھا میں۔" وہ بگڑ گیا۔ زرمین نے ذرا پروانہ کی۔

"التمش! خدارا مجھے وضاحتیں مت دو۔ میرا دماغ پھٹنے لگا ہے۔ میں نہیں برداشت کرسکتی یہ سب۔ ہمارا ریلیشن شپ اب ان باتوں کی وجہ سے اتنا ڈسٹرب ہونے لگا ہے کہ ہم ہر وقت لڑتے رہتے ہیں۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا ہمارے درمیان میں۔ ہم ایسے تو نہیں تھے التمش۔" وہ روہانسی ہوئی۔ التمش کا خفا سا چہرہ بھی ذرا معتدل ہوا۔

"میں تو ابھی بھی ایسا نہیں ہوں زرمین! میں تو ابھی بھی ویسا ہی ہوں جیسا تھا۔ تم بدل گئی ہو۔" اس نے جتا کر کہا۔ زرمین چند لمحے گہری گہری سانسیں لیتی رہی پھر اس نے کہا۔

"کیا ہی اچھا ہو کہ اگر ہم یہ الزام تراشیاں بند کر کے اس مسئلے کا کوئی حل نکال لیں۔ کوئی مستقل حل۔" وہ تجویز دے رہی تھی

"مثلاً؟" التمش اتنا ہی کہہ سکا۔ زرمین نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا، دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قطعیت بھرے لہجے میں بولی۔

"چھوڑ دو یہ سب۔ سب کچھ....." التمش کو حیرت کا جھٹکا لگا پھر وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر درشتی سے بولا۔

"یہ ناممکن ہے۔" زرمین کو اس قدر دوٹوک جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں ہی دیکھتی رہی پھر وہ بھی التمش ہی کے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولی۔

"ٹھیک ہے۔ پھر مجھے چھوڑ دو۔"

☆☆☆

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے ماسٹر جی۔" اصغر صاحب ان کے سامنے بیٹھے کہہ رہے تھے۔ وہ بالخصوص ان کی دکان پر اس طرح سے ملنے کبھی نہیں آئے تھے۔ ان کی طبیعت کچھ اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"جی جی کہیے بھائی صاحب۔ میں سن رہا ہوں۔" ماسٹر جی بہنوئی کی بہت عزت کرتے تھے۔ انہوں نے سارا کام چھوڑ چھاڑ کر توجہ ان کی جانب مبذول کرلی کہ ان کا اس طرح سے دکان پر آنا ثابت کرتا تھا کہ معاملہ کسی سنجیدہ نوعیت کا ہی ہوگا۔

"یہ بات ہمارے گھر کی خواتین کے درمیان بارہا شروع ہوئی اور بارہا ختم ہوئی لیکن کچھ باتیں جو گھر کی خواتین شروع کرتی ہیں مگر پایہ تکمیل تک انہیں مرد ہی پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی باتیں ایک دم سے ہاں کہہ دینے سے شروع نہیں ہوسکتیں۔ نا ہی ایک دم سے انکار کر کے انہیں ختم کیا جاسکتا ہے یا آپ میرا موقف یوں سمجھ لیجیے کہ انہیں اس طرح ایک دم سے ختم نہیں ہونا چاہیے۔" وہ بہت رسانیت سے بات کر رہے تھے۔

"بات یہ ہے ماسٹر جی کہ میں ایسی دقیانوسیت پر یقین نہیں رکھتا۔ بیٹیوں کے باپ کو بیٹیوں کے رشتے کی بات نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں نہیں کرنی چاہیے۔ جب بیٹوں کے باپ سر اٹھا کر یہ بات کرسکتے ہیں تو بیٹی کا باپ کیوں نہیں کرسکتا۔ بیٹی پیدا کی ہے۔ کوئی گناہ تھوڑی کیا ہے؟" اصغر صاحب کا لہجہ اتنا پُراعتماد تھا کہ ماسٹر جی ڈگمگا سے گئے۔

انہوں نے بہت تہذیب سے بہت طریقے سے بیان کرنا شروع کیا تھا۔ انہوں نے کوئی تمہید نہیں باندھی تھی بلکہ انہوں نے نہایت پُراعتماد طریقے سے اپنا موقف پیش کرنا شروع کیا۔ ماسٹر جی کو دل ہی دل میں بڑی شرمندگی ہوئی۔ یہ ان کی کوتاہی تھی کہ ان کے بہنوئی کو یہ سب کہنا پڑ رہا تھا جبکہ وہ بنا کسی شرمندگی کے پُروقار طریقے سے کہہ رہے تھے۔

"میں کچھ مروجہ معاشرتی اصولوں کی پاسداری کو بالکل غلط سمجھتا ہوں ماسٹر جی۔ نکاح سنتِ نبوی ہے۔ اس سنت کو بہ احسن طریق ادا کرنے کے لیے لڑکے کا باپ سر اٹھا کر گردن اکڑا کر بنا کسی جھجک کے "بر" مانگ سکتا ہے، اپنے بیٹے کا جوڑ تلاش کرسکتا ہے جبکہ لڑکی کا باپ یہی بات اسی انداز میں کرے تو اسے بے شرم اور بے غیرت سمجھنے لگتے ہیں لوگ۔ اچھا ٹھیک ہے سمجھتے رہیں۔ لیکن میں کسی جائز بات کو خواہ مخواہ اپنے لیے ناجائز نہیں قرار دے سکتا۔ اس لیے اگر میں اپنی بیٹی کے لیے آپ کے بیٹے کا رشتہ نہیں مانگ سکتا تو پھر میں نے مسلمان ہو کر کچھ نہیں سیکھا۔

میرے مذہب میں تو ایسی شاندار مثال موجود ہے کہ ایک بیوہ عورت فخر کے ساتھ اپنے رشتے کا پیغام خود بھجواتی ہیں اور دوسری جانب اسے فخر کے ساتھ قبول بھی کرلیا جاتا ہے۔ شادی ہو جاتی ہے۔ کوئی طعنہ دینے نہیں آتا، کوئی سوال نہیں کرتا، کوئی عمروں کے فرق پر بحث نہیں کرتا۔ کوئی جتا کر نہیں کہتا کہ نکاح کا پیغام مرد کے بجائے عورت کی جانب سے کیوں آیا۔ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مثال سے اپنی اُمت کے لیے مثال قائم کر دیتے ہیں اور چودہ سو سال بعد اسی امت میں یہ صورت حال ہے کہ نکاح کا پیغام دینا تو دور کی بات بیٹی کے باپ کے لیے بیٹی کے نکاح کا ذکر برملا کرنا بھی معاشرے میں باعثِ شرمندگی ہو جاتا ہے۔ بیٹی کا باپ اپنی بیٹی کے رشتے کی بات کھل کر کرے تو لوگ مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ اچھا بھئی ہوتا رہے جو ہونا ہے۔ میں نہیں مانتا اس اصول کو۔ مجھے آپ کا بیٹا اپنی بیٹی کے لیے پسند ہے۔ میں اپنے منہ سے بے پناہ فخر کے ساتھ اپنی بیٹی کے رشتے کا پیغام آپ کے بیٹے کے لیے دیتا ہوں۔ آپ سوچ لیجیے۔ آپ کو یہ بات نہیں پسند تو آپ کو پورا حق ہے کہ انکار کر دیجیے۔ واضح دوٹوک جواب دے دیجیے لیکن خدارا یہ جو ٹال مٹول تین چار سالوں سے لگا رکھی ہے آپ لوگوں نے اسے بند کر دیجیے۔ میری بیٹی کا اعتماد مجروح ہوتا ہے اس سے۔" وہ دوٹوک انداز میں کہہ رہے تھے۔

ماسٹر جی جیسے زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ انہوں نے کبھی اپنے سامنے بیٹھے اس شخص کے متعلق نہیں سوچا تھا کہ وہ بھی ایک باپ ہے۔ ایک بیٹی کا باپ۔ وہ تو بس اپنے بیٹے کے متعلق ہی سوچتے آئے تھے۔ ان کو بے پناہ شرمندگی ہوئی۔ ان کے پاس کہنے کے لیے الفاظ ہی کم پڑ گئے تھے حالانکہ انہوں نے کبھی سونیا کا دل دُکھانا چاہا تھا نہ ہی اس کا اعتماد مجروح کرنا چاہا مگر معاملہ بالکل اُلٹ ہو گیا تھا۔

انہیں وہ دن یاد آیا جب ساہیوال میں رات کو عطیہ بیگم سے اسی رشتے والی بات پر ناراض ہو کر وہ کمرے سے نکل کر صحن سے گزر رہے تھے تو انہوں نے التمش کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور اس کا انداز یہ باور کروانے کو کافی تھا کہ دوسری

جانب کوئی لڑکی ہی تھی۔ ان کے بیٹے کے انداز میں اس گھر کی بیٹی کے لیے اتنی تحقیر تھی کہ وہ کانپ کر رہ گئے۔ انہیں بیٹے سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے بیٹے سے کبھی سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی مگر اس لمحے ان کا دل چاہا کہ وہ اس کے منہ پر دو تھپڑ جڑ دیں اور شاید وہ ایسا کر بھی گزرتے اگر انہیں یہ احساس نہ ہو جاتا کہ ان کے عقب میں کوئی کھڑا ہے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور انہیں مزید تاسف اور شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔ ان کے عقب میں سونیا کھڑی تھی اور وہی باتیں جو اپنے بیٹے کے منہ سے بھانجی کے لیے سن کر ماسٹر جی شرمندہ ہو رہے تھے، وہی باتیں بھانجی جانے کب سے کھڑی سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شکوہ تھا۔ وہی شکوہ جو اگر ان کی بیٹی کی آنکھوں میں کبھی نظر آجاتا تو شاید وہ مر ہی جاتے۔ ان کے بیٹے نے کل کی بچی کے سامنے انہیں کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ سونیا انہیں اپنی جانب دیکھتا پا کر بنا کچھ کہے اپنے کمرے کی جانب مڑ گئی تھی۔

یہ تھی وہ وجہ جس نے ماسٹر جی کو وہ سب کرنے پر مجبور کیا تھا اور آج انہیں اصغر صاحب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا تھا۔ وہ سونیا کے پیچھے اس کے کمرے تک گئے تھے۔ وہ رو رہی تھی۔ ماسٹر جی اس کے پاس جا بیٹھے تھے۔

"التمش تمہیں ناپسند ہے نا؟" انہوں نے پوچھا نہیں تھا، انہوں نے کہا تھا۔ وہ جانتے تھے سونیا کو التمش ناپسند ہی ہے۔ اس نے نفرت سے سر ہلایا تھا

"اس میں ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں کہ اسے پسند کیا جائے۔ آپ نے اپنے بیٹے کی تربیت بالکل اچھی نہیں کی۔" وہ گلوگیر لہجے میں شکوہ کر رہی تھی۔ ماسٹر جی نے تائید میں سر ہلایا تھا۔

"مجھے احساس ہے لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا کیا۔ میرا مطلب ہے کوئی تدبیر جو میرے بیٹے کو راہ راست پر لے آئے۔" وہ الٹا اسی سے پوچھ رہے تھے۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ یہ بالکل ماموں بھانجی کی محبت بھرے انداز میں کی گئی باتیں تھیں۔ وہ بچپن میں بھی انہیں اس طرح سے نہ صرف التمش کی بلکہ اپنی بہنوں کی شکایتیں بھی اسی انداز میں کیا کرتی تھی۔ ان کے اس طرح سے کہنے پر اس نے طنزیہ انداز میں ان کی جانب دیکھا اور وہ فوراً شرمندہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے بولے۔

"اکلوتی اولاد سے محبت نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ اسی لیے بس کبھی سمجھا ہی نہیں پایا اس کو۔ ویسے دل کا برا نہیں ہے میرا بیٹا۔" ان کے لہجے میں محبت کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔

"رہنے بھی دیں۔ آپ کا بیٹا ہے۔ وہ بھی اکلوتا۔ کچھ کہوں گی تو برا مان جائیں گے آپ۔" وہ میز پر پڑے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکالتے ہوئے بولی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ دل کا واقعی برا نہیں ہے۔ ہاں زبان کچھ تلخ ہے۔" ماسٹر جی شرمندگی سے کہہ رہے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کے برے رویے کا ازالہ کرنے آئے تھے اور وہی کر رہے تھے۔

"کچھ تلخ نہیں۔ بہت زیادہ تلخ اور یاد رکھیے گا کہ تلخی کو ناپنے کا کوئی آلہ ابھی تک ایجاد نہیں ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک بات حتمی ہے کہ یہ اگر زبان میں ہو تو "چٹنی" بھر بھی پورا بندہ جلا کر سیاہ کر دیتی ہے۔ یہ آپ کے بیٹے کی زبان کی تلخی کی وجہ سے ہوا ہے کہ میں سلگتا ہوا کوئلہ بنی ہوئی ہوں اس وقت۔" وہ بے حد ناراض لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اس کی طرف سے میں معافی مانگ لیتا ہوں۔" ماسٹر جی نے کہا تھا۔ ایسے جیسے بچوں کو بہلانے کے لیے بڑے کانوں کو ہاتھ لگا کر بلاوجہ سوری بول دیتے ہیں۔ سونیا نے سر جھٹکا۔

"اوہو۔ یہ اپنے زمانے کی فلموں والے ڈائیلاگز مت بولیں آپ۔ آج کل ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں جو غلطی کرتا ہے، معافی بھی اسے ہی مانگنی پڑتی ہے اور ویسے بھی آپ کو یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ کے بیٹے کو معاف نہیں کروں گی میں۔" وہ قطعیت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ماسٹر جی نے اس کی جانب دیکھا۔

"اچھا..... تو پھر..... یعنی....." انہوں نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔ وہ اس کا لائحہ عمل جاننا چاہ رہے تھے۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ آپ کی تربیت میں جو خامیاں ہیں نا، ان سب کو سدھار کر دم لوں گی میں۔ لیکن کہیں لکھ کر رکھ لیں۔ آپ کا یہ بیٹا آج چار فٹ دس انچ کہہ کر جس کی تذلیل کر رہا ہے نا۔ کل اسی چار فٹ دس انچ کے سامنے سر اٹھا کر بات کرتے ہوئے دو سو مرتبہ سوچا کرے گا۔" وہ انہیں چیلنج کر رہی تھی۔ ماسٹر جی کچھ نہیں بولے۔ لیکن وہ یہ بات ضرور جانتے تھے کہ اس بچی نے آج تک جس کام کو کرنے کی ٹھانی تھی، اسے کر کے ہی دم لیا ہے۔

اسی لیے جب سونیا یک دم ساہیوال سے کراچی ان کے یہاں آ کر ٹھہرنے پر راضی ہو گئی تھی تو وہ بالکل حیران نہیں ہوئے تھے۔ ایک وہی تھے جو جانتے تھے کہ یہ سب عطیہ بیگم کی وجہ سے ہوا تھا نہ مہناز بیگم کی وجہ سے۔ بلکہ یہ سونیا کی اپنی مرضی، منشا اور منصوبہ بندی کے تحت ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس بات سے انکاری رہے تھے کہ سونیا التمش میں دلچسپی رکھتی ہے۔ انہیں لگتا تھا کہ سونیا ان کے بیٹے سے محبت نہیں کرتی ہے اور اگر زمین نہ بھی واپس آتی تب بھی انہیں یقین تھا کہ سونیا التمش سے دوستی تو کر سکتی ہے لیکن شادی نہیں مگر اصغر صاحب کے اس دوٹوک انداز نے انہیں باور کروا دیا تھا کہ وہ خدشہ جس کا اظہار عطیہ بیگم ان کے سامنے کرتی رہی ہیں وہ سچ ثابت ہو گیا تھا۔

"سونیا شاید التمش میں واقعی دلچسپی لینے لگی ہے۔" انہوں نے سوچا تھا۔

"آپ کی خاموشی نے مجھے جواب دے دیا ہے ماسٹر جی۔ لیکن مجھے اچھا لگتا اگر آپ سر اٹھا کر انکار کرتے۔ میری قابل بیٹی کے رشتے کو رد کرتے ہوئے آپ کے جھکے ہوئے سر نے ثابت کر دیا ہے کہ ایسا کرنے سے خسارہ آپ ہی کے حصے میں آیا ہے۔" اصغر صاحب بہت تلخ ہو گئے تھے۔ ماسٹر جی نے ان کی جانب دیکھ کر تردیدی انداز میں گردن ہلائی۔

"نہیں۔ ماسٹر غلام حسین خساروں پر یقین نہیں رکھتا۔ سونیا میری بیٹی ہے اور میری ہی بہو بنے گی۔" ماسٹر جی قطعیت سے بولے۔ وہ کہانی جو انہوں نے شروع کی تھی، ختم بھی انہیں ہی کرنی تھی۔ اصغر صاحب کے چہرے پر اطمینان اتر آیا۔ وہ پہلے ذرا سا اور پھر کھل کر مسکرائے۔

"چلیں اب ذرا اچھی سی چائے پلوائیں اور جلیبی کھلائیں جس کی تعریف کرتے رہتے ہیں آپ۔" وہ ایسے بولے تھے جیسے پہلے والی کی گئی ساری باتیں اور ان کی گئی درمیان میں آئی ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ ذرا میرے کمرے میں آؤ۔" ماسٹر جی نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا وہ آج بیٹے سے دوٹوک بات کرنا چاہتے تھے۔ التمش کو پہلے بھی انہوں نے اس طرح اپنے کمرے میں نہیں بلایا تھا۔

"جی کہیے۔" وہ کچھ دیر بعد ہی ان کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

"تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے پتر جی۔ کیا کرنا چاہتے ہو اپنے ساتھ۔" وہ پوچھ رہے تھے۔ ان کا ایسا سنجیدہ انداز بھی التمش کے لیے نیا ہی تھا۔

"کیا مطلب۔" وہ ناسمجھی کے سے عالم میں پوچھنے لگا۔

"دیکھو پتر جی۔ بات یہ ہے کہ میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے اپنی بہن کی بیٹی کے ساتھ۔ ارادہ یہ ہے کہ اسی سال ذرا موسم مزید ٹھنڈا ہو لے تو خیریت سے بہو گھر لے آئیں۔ بس میں یہی رائے لینا چاہ رہا تھا کہ شیروانی میرے ہاتھ کی پہنتی ہے یا خود ہی مل جل کر بنا لو گے؟" ماسٹر جی نے اس کے چہرے پر لمحہ بدلنے والے تاثرات کو یک دم نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کر لی تھی۔ التمش چند لمحے تو خاموشی سے بیٹھا رہا جبکہ ماسٹر جی سوچ رہے تھے وہ کچھ بولے۔ کہے گا، اپنے اعتراضات جمع کروائے گا لیکن وہاں تو مکمل خاموشی تھی۔

"کیا سوچنے لگے پتر جی؟" انہوں نے اسے خاموش دیکھ کر سوال کیا۔ اس نے سر اٹھایا۔

"یہی سوچ رہا ہوں کہ شیروانی تو آپ کے ہاتھ کی ہی پہننی چاہیے۔ اب اپنی شادی کی شیروانی بھی خود سلائی کرتا اچھا لگوں گا؟ میں نے ایک دو ڈیزائن بنا کر رکھے ہوئے ہیں۔ دکھاؤں آپ کو؟" وہ پرجوش لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ماسٹر جی نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ دل ہی دل میں حیران ہو رہے تھے اور سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ اداکاری کر رہا ہے یا سچ کہہ رہا ہے۔ انہوں نے تو لمبی چوڑی جرح کی تیاری کر رکھی تھی جبکہ وہ تو بنا جرح کے ہی ہر فیصلہ ماننے کو تیار ہو گیا تھا۔ وہ دو منٹ میں ہی اپنے ڈیزائن لے کر واپس آ گیا تھا۔

"لال پیلی شیروانی نہیں پہنوں گا میں۔ شیروانی تو سیاہ ہی جچتی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" کرافٹ بک ان کے سامنے کرتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔ ماسٹر جی نے پسندیدگی سے سر ہلایا پھر سائیڈ ٹیبل پر پڑی اپنی عینک ناک پر ٹکا کر اس کے ڈیزائنز کو بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

"مجھے کوئی فلمی سین نہیں چاہیے پتر جی۔ جو بات ہو گی اسی کمرے میں ہو گی۔ دوبارہ میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس لیے شیروانی ہی نہیں مہربانی بھی درکار ہے آپ کی۔" وہ اس کی جانب دیکھے بنا کہہ رہے تھے۔ سارا دھیان اس کے بنائے ڈیزائن میں تھا۔ التمش نے ان کی جانب دیکھا پھر سر ہلا کر بولا۔

"آپ کو زبان دی ہے ماسٹر جی۔ زبان سے پھرنا التمش کو سجتا نہیں ہے۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ وہ دبئی گئی ہے۔" اس نے نام لیے بنا زرمین کے متعلق بتایا۔ چہرے پر دکھ تو تھا لیکن ملال نہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھی اپنے فیصلے سے پھرنے والا نہیں تھا۔

دل ٹوٹ گیا تھا عزم سلامت تھا۔ دکھ باقی تھا، ملال کا نام و نشان نہیں تھا۔ فیصلہ تو ہو چکا تھا۔

ماسٹر جی کے چہرے پر بشاشت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے اس سے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ انہوں نے زرمین کے متعلق بھی نہیں پوچھا تھا۔

انہیں یقین تھا کہ ان کے بیٹے نے اگر "ہاں" کہہ دیا ہے تو پھر اب وہ "نہ" نہیں کہے گا۔ یہی فرق تھا ان میں اور عطیہ بیگم میں۔ وہ بیٹے کو ایک ہی بات بار بار کہہ کر ہلکان ہوتی رہتی تھیں جبکہ ماسٹر جی ایک ہی بار کہتے تھے اور التمش کی مجال نہیں تھی کہ ان کی کہی بات کو ٹال دیتا۔

☆☆☆

"آر یو شیور؟" التمش اس کی بات سن کر بھونچکا رہ گیا تھا مگر ضبط کا دامن ہاتھ سے پھسلنے نہیں دیا تھا اس نے۔ زرمین چند لمحے کچھ نہیں بولی پھر جب بولی تو وہ خود بھی زیادہ خوش نہیں تھی۔

"التمش یہ سب میری برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ مجھے وہ لڑکی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہی لیکن اسے اس طرح ساری زندگی برداشت کرنا بھی ممکن نہیں ہے میرے لیے۔" وہ چونکہ اب رسانیت سے بات کر رہی تھی تو التمش کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا۔

"تم کسی اور طرف چل نکلی ہو زرمین۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو۔"

"تمہیں کیا پتا التمش! میں کیا کیا سوچ رہی ہوں۔ میری نیندیں اڑی ہوئی ہیں ان سب باتوں کی وجہ سے۔ میں بہت تکلیف میں ہوں۔ تم اس لڑکی کو بہت زیادہ اہمیت دینے لگے ہو۔" زرمین کی آنکھیں بھر آئیں۔ التمش نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"زرمین! یہ میرا بزنس ہے۔ میرا ذریعہ معاش اور سونیا میرے ساتھ کام کرتی ہے۔ وہ ایک بہترین ڈیزائنر ہے۔ اس کو مجھ سے بہتر کلائنٹ ڈیلنگ آتی ہے اور پھر وہ میری کزن ہے۔ وہ خوش مزاج ہے۔ میں بس اس کی انہی چیزوں کا معترف ہوں۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔ تم کیا چاہتی ہو صرف تمہیں راضی کرنے کے لیے میں اسے برا کہتا رہوں۔" التمش کو خود سمجھ نہیں آیا کہ اسے کس طرح مطمئن کرے۔ زرمین نے نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"التمش تم یہ کام ہی چھوڑ دو۔ مجھے تو ویسے بھی یہ سب پسند نہیں ہے۔ تم نے میری ماما کی ضد میں شروع کیا تھا نا سب۔ اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ وہ خوش ہیں تم سے بھی اور تمہاری فیملی سے بھی۔ اب ہمیں اپنی فیملی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم چھوڑ دو یہ تھرڈ ریٹ کام۔ ہم کچھ اور کر لیں گے۔ کچھ بہتر۔ میں تمہیں اسپانسر کر دوں گی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ التمش نے یک دم اس کا تھاما ہوا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"تم مجھے بچہ جمورا سمجھتی ہو کہ بس ڈگڈگی بجا کر کہا کہ بچہ جمورا گھوم جا اور بچہ جمورا گھوم گیا۔ میں نے گزشتہ تین سالوں میں جتنی محنت کی ہے نا اتنی محنت اپنی ساری زندگی میں نہیں کی اور یہ میں نے صرف تمہارے لیے کیا تاکہ تم خوش ہو سکو۔ میں نے اپنی فیملی کے خوف سے یہ سب نہیں کیا تھا کیونکہ میری فیملی تمہیں ہر حال میں قبول کرنے کو تیار تھی۔ یہ سب تمہاری فیملی کا کیا دھرا ہے۔ اتنا سب کر کے بھی میں تمہیں خوش نہیں کر پایا۔" وہ مزید کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن زرمین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں خوش ہوں التمش! تم اب ایک کامیاب انسان ہو۔ مجھ سے زیادہ اس بات کی کسے خوشی ہو سکتی ہے۔ لیکن۔" التمش کو اس بات کا یقین نہیں آیا تھا

"لیکن..... لیکن..... لے..... کن..... ہمارے درمیان اس "لیکن" کی گنجائش کبھی ختم نہیں ہو گی۔ تم کبھی ختم ہونے ہی نہیں دو گی کیونکہ تم اگر واقعی خوش ہوتیں تو یہ سب نہ کہہ رہی ہوتیں جو اب کہہ رہی ہو۔ اگر تم واقعی خوش ہوتیں تو یہ شرطیں نا رکھ رہی ہوتیں میرے سامنے۔ تم یہ کر لو تو میں تمہاری۔ تم وہ کر لو تو میں تمہاری۔ میں کتنا کروں تمہارے لیے۔ تمہیں خوش کرتے کرتے اس مقام تک آ گیا ہوں مگر تمہارے، مطالبات وہیں کے وہیں قائم و دائم ہیں۔ لیکن اب نہیں زرمین۔ اب نہیں۔ یہ میری بھی انا کا مسئلہ ہے۔ میں اب نہیں بدل سکتا۔ میں جیتا جاگتا انسان ہوں۔ لیبارٹری میں پڑا کیمیکل تو نہیں ہوں کہ نیلا تھوتھا ڈالو اور نیلا کر لو۔ ہائیڈروکلورک ایسڈ ڈالو اور واپس پیلا کر لو۔ تمہیں میری ضرورت ہے، اگر واقعی مجھ سے محبت ہے تو پھر مجھے ایسے ہی قبول کر لو۔ باقی تمہاری مرضی۔" وہ خاموش ہو گیا تھا۔ زرمین چند لمحے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھیلتی رہی۔

"محبت کی تو بات ہی نہ کرو التمش! محبت تو ہے۔ محبت تو رہے گی لیکن....." وہ پھر چپ ہو گئی۔ التمش سوالیہ انداز میں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں اس لڑکی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ تم اگر یہ کام نہیں چھوڑنا چاہتے تو اس لڑکی کو ہی چھوڑ دو۔ اپنا بزنس الگ کر لو۔ اپنی بوتیک کہیں اور بنا لو۔ روپے کی فکر مت کرو التمش۔ بس تم اس سے الگ ہو جاؤ۔ میں تمہیں اسپانسر کر دوں گی۔" وہ منت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔ التمش کو سخت برا لگا۔

"زرمین۔ وہ محسن ہے میری۔" زرمین نے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جتاتی ہوئی سرد مہری تھی۔

"شکر ہے تم نے یہ نہیں کہا کہ وہ محبت ہے تمہاری۔"

"محبت صرف تم سے ہے ڈیم اٹ۔ صرف تم سے۔ بار بار ایک ہی بات کہہ کر میری انسلٹ مت کرو۔" وہ غرا کر بولا تھا اس کی آواز قدرے اونچی ہو گئی۔ زرمین چند لمحے ساکت نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"ہائپر ہونے سے مسئلے کا حل نہیں ملے گا التمش۔ تم تحمل سے سوچو۔ تمہیں انتخاب کرنا ہو گا۔ میں یا محراب۔" وہ کتنی ظالم لگی تھی اس لمحے التمش کو۔

"میں اگر کہوں کہ محراب تو؟" التمش کی نگاہیں سفاکی اگلنے لگی تھیں۔ زرمین نے گہری سانس بھری۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا سی گئی تھیں۔

"تو پھر میرے پاس کہنے کے لیے کیا بچ جاتا ہے التمش۔ تم اگر محراب کو چن لو گے تو میری گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔ میں چھوڑ دوں گی تمہیں۔ مجھے ایسے پیٹ کی ضرورت نہیں ہے جو اپنی ترقی کے لیے کسی چار فٹ دس انچ کی گڑیا کا محتاج ہو۔ ممی ٹھیک کہتی ہیں۔ چھوٹے لوگوں کی اولادیں، چھوٹی ہی ہوتی ہیں۔ ان سے زیادہ کم ظرف کوئی اور نہیں ہوتا۔" وہ گلوگیر لہجے میں بھی اپنا

غرور چھپا نہیں پائی تھی۔ التمش کا چہرہ لال ہو گیا۔ وہ چند لمحے تو خاموش ہی رہا پھر اس نے بیٹھے بیٹھے ہی اپنی کرسی کو پیچھے گھسیٹا۔

"مجھے افسوس رہے گا ساری زندگی کہ میں نے تم سے محبت کی۔ اپنا قیمتی وقت تم پر ضائع کیا۔ تم میرے لائق تھی ہی نہیں اور کبھی ہو بھی نہیں سکتیں۔"

اس دن کے تیسرے دن زرمین اسے بتائے بنا پھر دبئی چلی گئی تھی لیکن حیرت والی بات یہ تھی کہ التمش کو اس کے جانے کا دکھ ہوا مگر افسوس نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

"یہ کیا بکواس ہے؟" وہ اس کے سامنے کھڑی چلا کر پوچھ رہی تھی۔ ان کی ورک شاپ کی اچھی بات یہ تھی کہ یہاں سے آواز باہر نہیں جاتی تھی۔ التمش نے سیاہ کپڑا سامنے پھیلا رکھا تھا جب سونیا ورک شاپ آئی تھی۔ اسے یقیناً اس کے والدین نے اس کے متعلق بتا دیا تھا جب ہی وہ اس قدر سیخ پا ہو رہی تھی۔

"مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ سب سے پہلے تمہیں ہی اعتراض ہوگا۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"یہ میری زندگی کا فیصلہ ہے۔ اعتراض بھی میں ہی کروں گی نا۔" وہ اسی انداز میں بولی۔ آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں التمش نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑا سیاہ کپڑے کا کونا نیچے میز پر رکھ دیا۔

"کر لو اعتراض۔ تمہیں اس کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے اب ہر وقت یہی سب ہوتا رہے گا میری زندگی میں۔" وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے کسی تیسرے شخص کی بات ہو رہی ہو۔

"بکو مت۔ تم سب لوگ مل جُل کر جو کر رہے ہو نا۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔" وہ غُرائی۔

"اچھا بابا۔ ناراض کیوں ہوتی ہو۔ ٹھیک ہے۔ نہیں بناتا سیاہ شیروانی۔ تم بتاؤ پھر کس رنگ کی جچے گی مجھ پر۔ ایک تو یہ بڑا مسئلہ ہے۔ اب ساری زندگی تمہاری پسند کے کپڑے پہننے پڑا کریں گے مجھے۔" وہ مصنوعی ناراض لہجے میں بولا۔ سونیا اس کے قریب آئی۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ التمش نے بھی اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"سچ کہہ رہی ہو۔ بعد میں مُکر تو نہیں جاؤ گی نا۔" اب وہ بھی اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہتا تھا لیکن اس نے نظریں پھیر لیں۔

"میں التمش نہیں ہوں۔ یہ روز، روز فیصلے بدلنے والے کام نہیں کرتی میں۔" وہ بولی۔ التمش نے گہری سانس بھری پھر اطمینان سے بولا۔

"شکر ہے ورنہ میرا سب سے بڑا خدشہ یہی تھا کہ شادی کے بعد تم مجھے مجبور کیا کرو گی کہ صرف تمہاری پسند کے رنگ اور کپڑے پہنا کروں۔"

"کون سی شادی۔ کس کی شادی۔ بند کرو یہ بکواس۔ کوئی شادی وادی نہیں ہو رہی۔" وہ پھر سیخ پا ہو کر چلائی۔

اسے اس کی امی نے رات ہی بتایا تھا کہ ماسٹر جی باقاعدہ پرپوزل لے کر رات کے کھانے پر آ رہے ہیں تو تب ہی اس کا پارہ ہائی ہونے لگ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ زرمین نے ایک بار پھر التمش کو مسترد کر دیا تھا۔ اسے بہت ہتک کا احساس ہوا۔ وہ ہمیشہ التمش کے لیے سیکنڈ چوائس تو رہی ہی تھی لیکن اس کو سب بزرگوں سے بھی سخت گِلہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ٹیم کے بارہویں کھلاڑی کے طور پر پویلین سے جب چاہے جس وقت چاہے بلائے جانے والی اس ری پلیسمنٹ پالیسی کے تحت استعمال کی جا رہی تھی۔ یہ خیال ہی اسے تاؤ دلانے کو کافی تھا۔

"سوچ لو۔ یہ آفر صرف محدود مدت کے لیے ہے۔ التمش ایک ہی ہے۔ بعد میں پچھتانے سے اچھا ہے ابھی ہی سوچ لو۔ بعد میں اتنا اچھا پیس غم زدہ غزلیں سننے پر صرف فلموں میں ہی واپس ملا کرتا ہے۔" اطمینان التمش کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔ سونیا کے چہرے پر انتہائی خفگی کے تاثرات اُبھرے۔

"التمش ایک ہی ہے تو سونیا بھی ایک ہی ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔ چہرہ غصے کی وجہ سے لال ہوا جا رہا تھا۔

"ایک بھی کہاں ہے۔ سونیا تو آدھی پونی سی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ سونیا کی برداشت یہیں تک تھی۔

"آدھی ہو یا پونی۔ ایک بات یاد رکھو التمش۔ سونیا تمہارے لیے نہیں ہے۔ میں کسی کا پھیلایا ہوا کچرا سمیٹنے کی قائل نہیں ہوں۔" وہ غصے میں سب ادب آداب بھول گئی تھی۔ التمش نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا۔

"یہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا چار فٹ دس انچ۔ لیکن معاف کیا۔ تم سے نئی نئی رشتے داری ہونے جا رہی ہے۔ اس خوشی میں معاف کیا تمہیں۔۔۔" حیرانی والی بات یہ تھی کہ التمش کو غصہ نہیں آ رہا تھا جیسے اسے یقین تھا کہ سونیا اسی رویے کا مظاہرہ کرے گی۔

"کوئی رشتہ داری نہیں ہو رہی تم سے میری۔ تمہیں ہمیشہ میری یاد زرمین کے جانے کے بعد آتی ہے۔ جب وہ تمہیں دھتکار کر چلی جاتی ہے تو اپنے دُکھ رونے کے لیے تم میرے پاس آ جاتے ہو۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہمیشہ میں آنسو پونچھنے والی مشین کیوں بنوں۔ جاؤ تم بس یہاں سے اور سب کو بتاؤ کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ میرے گھر والوں کو بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی۔" وہ بے حد ناراض تھی۔ اسے التمش سے محبت تو تھی لیکن یہ انا پر پڑنے والی کاری ترین ضرب تھی کہ زرمین کے منظر سے ہٹتے ہی وہ التمش کو نظر آئی تھی۔ اس کی موجودگی میں وہ سب بھول جایا کرتا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میرا کیا ہے۔ میں تو کہہ ہی دوں گا لیکن وہ سب میری بات مان لیں گے اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کیونکہ سب کو یقین ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" وہ اسے چڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔ سونیا کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"تم سے محبت؟ شکل دیکھی ہے اپنی۔ نہیں دیکھی تو وہ دیوار پر آئینہ لگا ہے۔ وہاں جا کر غور سے دیکھو۔ تم سے محبت کروں گی میں۔" وہ نہایت حقارت بھرے انداز میں بولی۔ التمش اگر اس سے معافی مانگ کر ایک بار اسے تسلی دلا دیتا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے تو شاید وہ سب بھول ہی جاتی لیکن اب التمش کا رویہ اسے مزید دُکھ بھی دے رہا تھا اور غصہ بھی دلا رہا تھا۔

"محبت نہیں کرتی ہو تو پھر ساہیوال سے کراچی کیوں آ گئی تھیں میرے پیچھے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کر رہا تھا جبکہ وہ اس کی جانب دیکھے بنا جواب دے رہی تھی۔ اس بات نے بھی اسے سیخ پا کر دیا۔

"تمہارے پیچھے آئی تھی میری جوتی۔" وہ چبا کر بولی۔

"یا خدا۔ جوتی اکیلی تو نہیں آ سکتی تھی۔ تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ تم ساتھ آئی تھیں اس کے۔" التمش کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔ سونیا چند لمحے کے لیے خاموش سی ہو گئی۔ التمش اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے سر اٹھایا تو ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اونہہ۔" سونیا اس کی حرکات سے خائف ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ یہ معاملہ ایسے حل ہونے والا نہیں تھا۔

التمش نے واٹر ڈسپنسر سے پانی کا گلاس بھرا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل آ بیٹھا۔

"میں اتنا ہی بُرا ہوں کیا کہ تم یہ اعتراف بھی نہیں کر سکتیں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" وہ ملائمت بھرے لہجے میں پانی اسے تھماتے ہوئے سوال کر رہا تھا۔ سونیا کے حلق میں غصے سے بول بول کر کانٹے اُگ آئے تھے۔ اس نے ایک ہی سانس میں پانی کا گلاس چڑھایا پھر خالی گلاس اسے واپس کرتے ہوئے کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ التمش نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اچھا بابا۔ تمہاری جوتی ہی کرتی ہو گی محبت مجھ سے۔ ایک تو یہ جوتی ہماری جان کو آ گئی ہے۔ چھوڑو اس مہارانی کو۔ تم میری بات سنو۔" اس نے گلاس عقب میں پڑی میز پر رکھتے ہوئے اس سے کہا۔ اس کے اس طرح کہنے پر سونیا کو ہنسی تو آئی لیکن پھر بھی اس کی خفگی قائم تھی۔

"میں نہیں جانتا مجھے تم سے محبت ہے یا نہیں۔ لیکن مجھے تمہاری عادت ہو گئی ہے۔ اتنی عادت کہ

تمہارے پاس نہ ہونے کا سوچ کر ہی سانس رکنے لگتی ہے میری۔ تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی یہ خیال ہی روح کھینچنے لگتا ہے میری۔ میں اتنا عادی ہو چکا ہوں تمہارا کہ تمہارے بنا رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' وہ اتنے نرم لہجے میں بولا کہ سونیا کا دل پگھلنے لگا تھا۔ اس نے سونیا کا ہاتھ تھامنا چاہا لیکن سونیا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔

''میری عادت ہو گئی ہے لیکن محبت تو اس زرمین سے ہی ہے نا؟'' وہ چمک کر بولی۔ التمش نے سر کھجایا۔

''عادت کو ہلکا لے رہی ہو تم چار فٹ دس انچ۔ عادت تو محبت سے بھی زیادہ مہلک ہوتی ہے۔ یقین کرو میں نے سگریٹ کی خاطر لوگوں کو بچپن کی محبتوں کو چھوڑتے دیکھا ہے۔'' وہ اپنے مخصوص نیم سنجیدہ انداز میں وضاحت کر رہا تھا۔

سونیا کو بولنے میں ایک لمحے کی تاخیر ہوئی تو التمش نے جینز کی پاکٹ سے ایک مخملی سی ڈبیا نکال لی تھی۔ یہ ایک لمبی سی ڈبیا تھی۔ سونیا بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی

''میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔'' وہ ڈبیا کو کھول رہا تھا۔ اس میں پلاٹینم کی بریسلٹ تھی۔ سونیا ابھی کچھ نہیں بولی تھی۔

''میں پہلے رنگ لینے لگا تھا پھر ماسٹر جی نے کہا کہ رنگ تو زرمین کو بھی دی تھی۔ اس لیے بہتر ہے کہ بریسلٹ لے لی جائے۔'' وہ اس کے سامنے ڈبیا کرتے ہوئے عادت کے مطابق اناپ شناپ بولتا چلا جا رہا تھا۔

سونیا کو زرمین کے ذکر پر غصہ آیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی ماسٹر جی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے آئے تھے۔ التمش ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

''اچھا ہوا آپ خود ہی آ گئے۔ آپ ہی بتائیں التمش کو کہ میں ساہیوال سے کیوں آئی تھی۔'' اس نے کہا پھر التمش کو دیکھ کر بولی۔

''میں نے اور ماموں نے شرط لگائی تھی کہ ایک دن میں تمہیں سبق سکھا کر رہوں گی۔ تمہیں تہذیب یافتہ بنا کر دم لوں گی۔ جسے تم میری محبت سمجھ رہے ہو نا۔ وہ میری ضد تھی۔ صرف ضد۔ محبت وجت نہیں ہے مجھے تم سے۔ یہ بس اس شرط کی وجہ سے ہوا تھا۔ آپ بتاتے کیوں نہیں ہیں اپنے بیٹے کو۔'' سونیا نے ماسٹر جی کی جانب دیکھا تھا۔ وہ چل کر اس کے قریب آ گئے تھے۔

''سبق سکھانے کی بات تو ہوئی تھی۔ لیکن شرط ورط تو کوئی نہیں لگائی تھی ہم نے۔'' ماسٹر جی نے سرگوشی میں اسے یاد دلایا۔ اس نے انہیں آنکھیں دکھائیں۔

''آپ کبھی میرا ساتھ بھی دے دیا کریں۔ کیا ہو جائے گا اگر آپ کہہ دیں گے کہ ہاں شرط ہی لگائی تھی۔'' وہ بھی سرگوشی کے سے انداز میں انہیں جواب دے کر بولی۔ التمش لاپروا سا بنا ایک ہی جگہ پر کھڑا تھا۔

''لیکن اس کا فائدہ کیا ہو گا؟'' ماسٹر جی کو بھی جرح کا کچھ زیادہ ہی شوق تھا۔

''اوہو۔ سمجھا کریں نا۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ یہ ساری زندگی میرا احسان مند رہے گا اور میرے سامنے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کرے گا۔'' سونیا نے ان کی اس سرگوشی کا جواب بھی سرگوشی سے ہی دیا۔

''اوہ بیٹا جی۔ اس بات کی فکر نہ کرو۔ ہمارے خاندان میں ویسے بھی شوہر بیویوں سے اونچی آواز میں بات نہیں کرتے۔ ہمارے خاندان کو بزرگوں کی بددعا ہے۔'' ماسٹر جی نے اس کو جواب دیا تھا۔

''آپ لوگوں کی سولو پرفارمینس ختم ہو گئی ہو تو میں اپنا سوال پیش کروں؟'' التمش جیسے چڑ کر بولا تھا۔

''نہیں۔'' سونیا نے قطعیت سے کہا پھر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''پہلے اس بات کا اعتراف کرو کہ میں ساہیوال تمہاری خاطر نہیں آئی تھی بلکہ ماسٹر جی مجھے لائے تھے۔'' التمش نے سر ہلایا۔

''کیا...... اور کوئی کام میرے لائق؟'' وہ تابعداری سے بولا۔

''یہ بھی کہو کہ تم مجھ سے ہمیشہ انسپائرڈ رہے ہو۔'' وہ اپنا دوسرا سوال پانسے کی طرح پھینک کر بولی۔ التمش نے فوراً ماسٹر جی کی طرف دیکھا۔

''یہ فاؤل ہے۔ مجھے انسپائرڈ ہونے کے لیے بھی چنچل پیری ملی تھی کیا؟'' وہ دہائی دے رہا تھا۔ ماسٹر جی نے سر ہلایا

''کہہ دو۔ بچی کا دل بڑھ جائے گا۔'' انہوں نے بیٹے کو حکم دیا، اس نے ناک چڑھائی۔

''کہا۔ یہ بھی کہا اور اب بس کرو۔ تم اکیلی نہیں آئی ہوئی کھیلنے۔ ہمیں بھی باری لینے دو۔'' وہ سر جھٹک کر بولا۔

''ہاں۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اب اس کی باری ہے۔ ہاں التمش اب تم کہو۔'' ماسٹر جی نے اسے اشارہ کیا تھا۔

التمش فوراً آگے آیا اور بریسلٹ والی ڈبیا پھر اس کے آگے کر دی۔

''میں بس یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ سیاہ شیروانی بنا لوں نا۔'' سونیا نے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر انتہائی سنجیدگی تھی۔ سونیا نے بریسلٹ پکڑ لی مگر ناپسندیدگی سے میز پر پڑے سیاہ کپڑے کو دیکھا۔

''نہیں۔ آج کل گولڈن شیروانی۔ ''اِن'' ہے۔'' وہ بولی تو التمش نے چڑ کر ماسٹر جی کو دیکھا۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ نہیں مانے گی۔ اسے عادت ہے مجھ پر دھونس جمانے کی۔ ساری زندگی یہی کرے گی یہ۔'' وہ ماسٹر جی سے کہہ رہا تھا۔ سونیا اطمینان سے بریسلٹ دیکھنے میں مگن تھی۔

''اچھا خیر ہے۔ بچی کہہ رہی ہے تو مان لو اس کی۔ اسی میں سکھ ہے۔ میں بھی تو ساری زندگی تمہاری اماں کی مانتا ہی آیا ہوں۔'' ماسٹر جی کو اپنا دکھ یاد آ گیا تھا۔ وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے تھے۔

التمش نے سونیا کے ہاتھ سے بریسلٹ لی اور اسے پہنانے لگا۔ چہرے پر ناراضی کا عالم تھا لیکن آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی، اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''مبارک ہو پھر آپ کو، گھر میں ایک اور جورو کا غلام... جورو کا بھائی ہوئی ہے۔'' سونیا کھلکھلا کر ہنسی۔

''میں نے کہا تھا نا کہ مجھے اپنے گھوڑے کو

ماہنامہ
حنا
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
لاہور

اکتوبر 2018 کا شمارہ عید نمبر 2 شائع ہو گیا ہے

اکتوبر 2018 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ ''تم میرے پاس ہو'' روشن بلال کا مکمل ناول،
☆ ''تیرے عشق نچایا'' سدرہ اعجاز کا مکمل ناول،
☆ ''محبت کا فسوں'' سونیا چوہدری کا مکمل ناول،
☆ ''مس رقصم'' بشریٰ سیال کا ناولٹ،
☆ ''شہر دل کا راستہ'' تحسین اختر کا ناولٹ،
☆ ''اک نام تمہارا'' رابعہ افتخار کا ناولٹ،
☆ زرقا سکندر، عظمیٰ زاہد، فوزیہ سرور، فرحت انصاری اور سارہ گل کے افسانے،
☆ ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں،

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں، انشا نامہ، تمام مستقل سلسلوں کے علاوہ وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں

اکتوبر 2018 کا شمارہ آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

اونٹ بنانا آتا ہے۔'' وہ دھیمی سی آواز میں بولی۔
التمش مسکرایا۔
''میں تو پہلے ہی کہہ رہا ہوں کہ تم ساہیوال سے ہی اچھے عزائم لے کر نہیں آئی تھیں۔''
وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا اور سونیا نے انکار نہیں کیا۔ وہ بس اپنے ہاتھ کی جانب دیکھ رہی تھی جو التمش کے ہاتھ میں تھا۔

☆☆☆

''دوستو! یہ تھا وہ قصہ جو میں آپ کو سنانا چاہ رہا تھا۔ التمش اور سونیا کی شادی کو ممکن بنانے کے لیے مجھ سے جو ہو سکتا تھا میں نے کیا لیکن پھر بھی میں نے التمش کو اس شادی کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔ میں مجبوری میں کی گئی شادیوں سے بڑا خائف ہوں مجبوری کی شادیاں زیادہ دیر نہیں بھتی ہیں اور اگر بھ بھی جائیں تو یہ بہت اذیت ناک ہوتی ہیں۔ میں اپنے بیٹے اور بھانجی دونوں کو ہی اذیت میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس رشتے کو کافی دیر ٹالتے رہنے کے بعد میں نے جب اس رشتے کی ہامی بھری تھی تو خود سونیا سے بات کی تھی۔ اس کے چہرے پر التمش کا نام آنے پر جو اطمینان چھا گیا تھا، اسی اطمینان نے مجھے بھی مطمئن کر دیا تھا۔ اسی اطمینان کو حاصل کرنے کے بعد میں نے التمش سے بات کی تھی۔
یہ دونوں ابھی بھی پہلے کی طرح خوب لڑتے جھگڑتے ہیں، ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر تنقید کرتے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بے حد خوش اور مطمئن ہیں۔ اللہ نے ابھی اولاد کی خوشی نہیں دکھائی لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اللہ اپنی مرضی سے اور اپنے وقت پر خوشیاں عطا کرتا ہے۔ یہی بات میں اپنی اہلیہ کو سمجھاتا تھا جب وہ التمش اور سونیا کی شادی کے لیے پریشان ہوتی تھیں۔ اب وہ ان دونوں کی جلد اولاد کے لیے پریشان رہتی ہیں جبکہ مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ التمش نے اپنی رضا سے یہ شادی کی تھی اور اس کے لیے اس نے کیا خوب صورت دلیل دے کر مجھے مطمئن کیا تھا۔ التمش کے وہ الفاظ آج بھی میری سماعتوں میں محفوظ ہیں جو اس نے مجھے تب کہے تھے جب اس نے مجھے زرمین سے اپنی علیحدگی کے متعلق تفصیل سے بتایا تھا۔
''تمہیں سونیا کو بتانا چاہیے کہ اس بار زرمین نے تمہیں نہیں چھوڑا بلکہ تم نے زرمین سے اپنا راستہ الگ کیا ہے۔'' میں نے اسے کہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے سر جھٹکا تھا۔
''نہیں ماسٹر جی۔ رہنے دیں وہ ساری زندگی مجھ پر یہ دھونس جما کر خوش ہوتی رہے گی کہ اس نے مجھے تب سنبھالا تھا جب میری محبوبہ مجھے دھتکار کر چلی گئی تھی۔ اس کا یہ اعتماد قائم رہنے دیں کہ اس نے اپنی ہمت سے ہی ایک گھوڑے کو اونٹ بنا رکھا ہے کیونکہ مجھے اس کی شخصیت کا یہ اعتماد ہی تو سب سے زیادہ پسند ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں کو سر پر سوار نہیں کرتی اور وہ اپنی خوبیوں پر ناز نہیں کرتی۔ وہ بس اپنا کام کرتی چلی جاتی ہے۔ لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے جیسی سونیا ہے۔
مجھے فخر ہے کہ میری زندگی میں سونیا جیسی شریکِ حیات ہوگی کیونکہ اگر اللہ نے مجھے کبھی کوئی بیٹی دی تو میں اس کی پرورش بالکل ایسے کروں گا جیسے انکل اصغر نے سونیا کی ہے کہ بیٹیاں پالنا اکیلی ماؤں کا کام نہیں ہے۔ بیٹیاں صرف لاڈ سے نہیں ہمت سے پالی جاتی ہیں فخر سے پالی جاتی ہیں۔ سیپ میں پلنے والے چمکدار موتی کی طرح۔ جو بظاہر ریت کا ذرہ یا بارش کا قطرہ ہوتا ہے مگر سیپ میں موجود کیڑا اسے تپ تپ کر موتی بنا لیتا ہے۔ میں بھی اپنی بیٹی کی تربیت ایسے ہی کروں گا تاکہ وہ سر اٹھا کر اس معاشرے میں جی سکے۔''
دوستو! اور آخر میں یہی اس غریب ماسٹر کا سب کو مشورہ ہے کہ بیٹیوں کے روشن نصیب کی دعائیں ضرور مانگیں کہ یہ آپ کا حق ہے لیکن ان کی روشن تربیت پر بھی ضرور دھیان دیں کہ یہ آپ کا فرض ہے۔
اللہ کی امان میں دیا۔

☆☆

سدرہ حیات

اپنائیت کے رنگ

بھابھی ..... کچھ اچھا سا کھانے کو ہی دے دو۔'' یہ صدائیں سن کر جہاں صباحت کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی وہیں سامنے بیٹھے سمیر کے لبوں پر مسکراہٹ رینگی۔ دل میں عجب لطیف سا احساس جاگا تھا اس کی چلبلی آواز سن کر اور آنکھیں بے اختیار دروازے پر اٹھیں کہ شاید اس کی کوئی جھلک دیکھنے کو مل جائے۔

سنی ان سنی کرتی صباحت پھر سے اپنی ادھوری بات شروع کر چکی تھی۔ سمیر بظاہر سر ہلاتا کن انکھیوں سے دروازے پر بھی نظریں لگائے ہوئے تھا۔

''کیا اس گھر میں اس معصوم کے کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ پیاری بھابھی اپنے راشن میں سے اس بھوکی پیاسی نند کو بھی کچھ دے دو۔'' اس کی بلند ہوتی صداؤں پر صباحت پیر پٹختی اٹھی اور تن فن کرتی اس کے سر پر پہنچی جو بستر پر آڑی ترچھی لیٹی مسلسل بولتی، اپنا دایاں پیر ہلائے جا رہی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے کیوں آوازیں لگا رہی ہو۔ میرا بھائی آیا بیٹھا ہے اور میں تمہاری خدمتوں میں لگ جاؤں۔''

''پیاری بھابھی کچھ کھانے کو لا دیں پہلے ہی یونیورسٹی سے تھکی ہاری آئی ہوں۔ ٹانگیں بھی دکھ رہی ہیں اور امی بھی تو گھر پر نہیں ہیں۔ ویسے بھی آپ کے بھائی تو ہر دوسرے دن یہاں پائے جاتے ہیں۔'' صباحت کے چہرے کے زاویے مزید بگڑے۔

''اس کی بہن کا گھر ہے سو بار آئے تمہیں کیا مسئلہ ہے اور یہ جو ٹانگیں دکھ رہی ہیں، درحقیقت یہ تمہارے جسم کا بوجھ نہیں سہار پاتیں۔ کچھ اپنا کھانا پینا کم کرو گی تو ٹھیک ہوں گی۔'' صباحت نے اس کے فربہی مائل جسم پر چوٹ کی جس پر وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

''بھابھی اب آپ ذاتیات پر مت اتریں۔ میں کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھنے والی صحت مند اور خوش خوراک لڑکی ہوں۔ نظر نہ لگائیں میرے کھانے پینے کو۔'' کندھے تک آتے بالوں کو پونی میں مقید کرتی وہ اطمینان سے بولی۔ دوسرے کمرے میں یہ مکالمہ سنتا سمیر کھل کر مسکرایا۔

''ہمیں کیا تمہاری خوش خوراکی سے۔ جس گھر جاؤ گی وہ خود ہی تمہیں گے۔ اگر یہ نوبت آ گئی تو۔'' صباحت جل کر بولی۔ ''چھوڑیں نا بھابھی بھوکے پیٹ کا کچھ خیال کریں اور اچھا سا کچھ کھانے کو لا دیں۔'' اپنے مخصوص شوخ اسٹائل میں کہتی وہ صباحت کو زہر لگی۔

''کچن میں سموسے اور کچوریاں پڑی ہیں۔''

''واؤ..... کام کی بات تو آپ نے اب بتائی ہے۔ جیو پیاری بھابھی جیو۔'' سن کر ہی منہ میں پانی آ گیا تھا۔ اپنی جگہ سے اچھلتی وہ تیزی سے کچن کی طرف بھاگی۔

''کچھ چھوڑ بھی دینا۔ سارا نہ ہڑپ کر جانا۔'' صباحت پیچھے سے آواز لگانا نہیں بھولی تھی۔

☆☆☆

بریانی سے لبالب پلیٹ اور ساتھ میں رکھے دو شامی کباب، جن کے اوپر اس نے جی بھر کر چٹنی اور رائتہ ڈال رکھا تھا۔ امی کی نظریں صوفے پر بیٹھی زرنش کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ پر تھیں۔

''بھائی کو تو آ لینے دو۔ سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔'' امی نے ٹوکا۔

''بھائی کے آنے میں ابھی ٹائم ہے اور مجھے زوروں کی بھوک لگی ہے۔ آپ لوگوں کے ساتھ بھی چکھ لوں گی۔'' ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرتی وہ بولی۔

''پہلے ہی پلیٹ بھر رکھی ہے چکھنے کی گنجائش رہ جائے گی۔ تھوڑا کھانے پینے کو کنٹرول کرو۔ تمہاری جسامت پر تو ہوا بھی فوراً اثر کرتی ہے۔''

''اچھا نا امی کرلوں گی کنٹرول۔ ابھی تو مزے سے کھا لینے دیں۔ پورا چھٹی کا دن قربان کر کے میں نے اپنی پسندیدہ بریانی بنائی ہے۔'' اپنا فیورٹ چینل لگا کر اب وہ اپنا کھانا شروع کر چکی تھی۔ امی نے گہرا سانس لیا۔ جانتی تھیں کہ اسے کھانے پینے کا کتنا شوق ہے اور آج تو اس نے اتنے دل سے بریانی بنائی تھی۔

''جی امی تصویر تو میں نے دیکھی تھی۔ اچھی لگ رہی تھی پیاری اور نازک سی..... سمیر کو چھوڑیں۔ وہ تو ہر لڑکی کو نہ کر دیتا ہے۔ ان کے گھر چلتے ہیں کسی دن۔'' موبائل پر بات کرتی صباحت اپنے کمرے سے نکلی۔

وہ آج کل سمیر کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی تھی۔ انہوں نے مگن سی بریانی کھاتی اپنی بیٹی کو دیکھا۔ ان کی بھی تو خواہش تھی کہ صباحت اپنے بھائی کے لیے زرنش کا سوچتی، آخر کس چیز کی کمی تھی اس میں صاف رنگت، پیارے نقوش اور شوخ مزاج کی حامل ان کی بیٹی پسند کیے جانے کے لائق تھی۔ جسم تھوڑا فربہی مائل تھا مگر یہ کوئی ایسی بڑی وجہ نہیں تھی، جس پر اسے نظر انداز کیا جاتا۔ گہرا سانس لیتی وہ اٹھ گئیں۔ کچھ باتیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتیں وہ بھی یہ معاملہ اپنے رب کے سپرد کر چکی تھیں۔

☆☆☆

یونیورسٹی سے آنے کے بعد کپڑے تبدیل کر کے وہ کمرے سے نکلی۔ صباحت نے اسے آواز دے کر بلایا۔ برآمدے میں میز کرسیاں لگائے وہ امی اور سمیر کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''کیا بات ہے۔ یہاں تو دعوت کا سماں ہے۔'' شوخ مسکراہٹ لبوں پر پھیلائے اس کی للچائی نظریں میز پر سجی چائے، کیک اور دیگر لوازمات پر تھیں۔

''سمیر کی پروموشن ہوئی ہے تو وہ کیک لے کر آیا ہے۔'' خوش گوار موڈ میں بتاتی صباحت نے پلیٹ اسے تھمائی۔

''مبارک ہو سمیر بھائی۔ شکر ہے آپ کو بھی خیال آیا کچھ اچھا لانے کا۔'' آخر میں اس کی زبان پھسلی۔ مگر آج بھابھی بھی اچھے موڈ میں تھیں اس لیے ذرا برا نہ منایا۔ سمیر نے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ وصول کیا۔ اب وہ مزے سے بیٹھی اپنا فیورٹ چاکلیٹ کیک کھا رہی تھی۔

''اب تو کچھ دنوں میں سمیر مٹھائی اور کیک سمیت آئے گا بس رشتہ طے ہو جائے۔'' چائے کا گھونٹ بھرتا سمیر اس گل افشانی پر جز بز ہوا۔

''لڑکی پسند کر لی۔'' رول کی طرف ہاتھ بڑھاتی وہ پوچھنا نہ بھولی۔

''لڑکی بھی پسند آ جائے گی کمی تھوڑی ہے خوب صورت لڑکیوں کی۔ ایسی نازک سی پری وش ڈھونڈوں گی کہ ایک دنیا تعریف کرے گی۔'' صباحت اترائی۔

''سمیر خود بھی بہت پیارا بچہ ہے۔ اللہ نصیب اچھا کرے۔'' دل سے دعا دیتے ہوئے امی نے سعادت مند سے سمیر کو دیکھا۔ دل و جان سے سر ہلا ہلا کر آمین کہتی صباحت کو دیکھ کر زرنش کی رگ شرارت پھڑکی۔ سمیر کی طرف مڑتی وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''سمیر بھائی میری تو دعا ہے کہ آپ کو گوری چٹی، اونچی لمبی، قحط زدہ لڑکی ملے۔'' آخری الفاظ شوخی سے بولتی وہ جھپاک سے اندر غائب ہوئی۔ لب دانتوں میں دباتا سمیر اپنی ہنسی بمشکل روک پایا۔ امی بھی اپنی مسکراہٹ چھپائے صباحت کے چہرے کے بگڑے زاویے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

اپنے آپ میں مگن، گنگناتی ہوئی وہ ہاتھ میں پائپ پکڑے پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ سمیر کے قدم بے اختیار اس کی جانب اٹھے۔ کھلے چہرے اور مسکراتی شوخی بھری آنکھوں کے ساتھ وہ شوخ و چنچل سی لڑکی اسے اس سہانی شام کا حصہ لگی تھی۔ اس کے قریب جا کر کھنکارنے پر وہ چونکی۔

''ارے سمیر بھائی ڈرا دیا آپ نے تو۔ شکر کریں پائپ کا رخ دوسری طرف تھا۔''

''جاتے جاتے خیال آیا پوچھ لوں، تمہیں چاکلیٹ کیک کے علاوہ کیا پسند ہے؟''

''مجھے..... کچھ بھی میٹھا ہو یا نمکین سب کچھ کھاتی ہوں۔ پر آج کل دہی بڑے، سموسے، کچوریاں، پیزا کھانے کا شدید دل چاہتا ہے موسم ہی کچھ ایسا خوش گوار ہو رہا ہے اور آئس کریم تو.....''

بولتے بولتے اسے ایک دم بریک لگا۔ یہ آج سمیر بھائی کو کیا ہوا تھا۔ عجیب میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھ رہے تھے، اندر ہی اندر جز بز ہوتی وہ بولی۔ ''میں کچھ بھی شوق سے کھاؤں۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' تیوریاں کچھ اوپر چڑھیں۔

زرنش کا بدلتا انداز دیکھ کر وہ گڑبڑایا۔ ''ایسے ہی اتنا تو پسند ناپسند کا اندازہ کرنا چاہیے آخر ہم رشتہ دار ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں جیسی لڑکی بھابھی آپ کے لیے تلاش کر رہی ہیں میرے حساب سے تو اسے کھانے پینے کی چیزوں کے نام بھی نہیں آتے ہوں گے۔'' اپنی جون میں واپس لوٹتی وہ شریر ہوئی۔

''اور اگر میں خود کوئی لڑکی پسند کرلوں۔ ویسے اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی کو پسند کرنے لگے تو تمہارے خیال میں اسے کیا کرنا چاہیے۔'' بازو سینے پہ لپیٹے اس پر بھرپور نظر ڈالی۔

''اسے ٹیڑھی نظروں سے دیکھنے کے بجائے اپنی ماں بہن سے بات کرنی چاہیے۔'' اسے ہیرو بنتے دیکھ کر طنزیہ انداز میں بولی۔

''اب یہی کروں گا۔ لڑکی سے گزارش ہے کہ وہ ہاں ہی کرے۔'' شرارت سے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھتا وہ پلٹ گیا۔

''ہائے اللہ یہ سمیر بھائی کو کیا ہوگیا ہے۔ کھسک گئے ہیں بے چارے شاید۔'' اپنی تیز ہوتی دھڑکنوں کو معمول پر لاتی وہ کتنی ہی دیر ان کا انداز سوچ کر حیران ہوتی رہی تھی۔

☆☆☆

''امی یہ بھابھی کدھر غائب ہیں۔'' لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز ہوتے اس نے پوچھا۔ آج وہ یونیورسٹی سے جلدی آ گئی تھی۔ دوپہر کی بھرپور نیند لینے کے باوجود سستی سی وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

''میکے گئی ہے کہہ رہی تھی شام تک آجاؤں گی۔'' چائے کا بھاپ اڑاتا کپ زرنش کے سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے بتایا۔

وہ کچن سے بسکٹ لینے کے لیے اٹھی تھی کہ گھر کی اطلاعی گھنٹی بج پڑی۔ دروازہ کھولتے ہی اسے صباحت کا مسکراتا چہرہ نظر آیا۔ اوپر سے نیچے تک سجی سنوری وہ خاصے خوش گوار موڈ میں تھی۔

''سمیر کو بھی اندر بلا لیتیں۔'' امی نے اس کے پیچھے نگاہ دوڑائی۔

''میں تو رکشے پر آئی ہوں۔ سمیر کو کوئی کام تھا۔'' ہاتھ میں پکڑا شاپر میز پر رکھتی وہ صوفے پر بیٹھی۔

''کافی دن ہو گئے بچے نے چکر نہیں لگایا۔'' امی نے تشویش سے کہا۔

''ویسے تو ہر دوسرے دن آفس سے واپسی پر وارد ہو جاتے ہیں۔'' زرنش نے دل میں سوچا، ساتھ ہی بسکٹ چائے میں ڈبو کر منہ میں رکھا۔

''بس آفس میں ان دنوں مصروفیت کچھ زیادہ ہے۔ آپ سب چھوڑیں یہ مٹھائی کھائیں۔'' صباحت نے شاپر سے مٹھائی کا ڈبا نکالا۔ زرنش کا بسکٹ کی طرف بڑھتا ہاتھ رکا۔ تازہ گلاب جامن اٹھایا۔ اس کی اس حرکت پر۔ آج صباحت نے برا نہ منایا۔

''مٹھائی کس خوشی میں لائی ہو۔'' امی نے اہم سوال پوچھا۔ زرنش نے دوسرا گلاب جامن اٹھاتے ہوئے صباحت کے کھلے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''سمیر کا رشتہ طے کر دیا ہے بلکہ آج تو لڑکی کو انگوٹھی بھی پہنا آئے ہیں۔ فرحین نام ہے بڑی پیاری، نازک سی لڑکی ہے۔ بہت جچے گی سمیر کے ساتھ۔'' زرنش کے حلق میں گلاب جامن اٹکا تھا۔ بھابھی اس حسین پری کے قصیدے پڑھنے میں مصروف تھیں۔

زرنش کو کچھ دن پہلے والی سمیر کی باتیں یاد آئیں۔ وہ اس کی بولتی آنکھیں، انوکھا سا انداز، کیا وہ سب نظر کا دھوکا تھا۔

''خیر مجھے کیا جس سے مرضی شادی کریں۔'' خود کو لعنت ملامت کرتی، سر جھٹکتی پھر سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

☆☆☆

امی کی ہدایت پر وہ یونیورسٹی جانے سے پہلے اس طرف نکل آئی تھی، گھر کی اطلاعی گھنٹی بجانے کے دس منٹ بعد اسے آنٹی کی بیمار صورت نظر آئی۔ پژمردگی سی ان کے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ ان کے بلانے پر وہ اندر آ گئی۔ صوفے پر بیٹھتے ہی وہ ہانپنے لگیں۔ زرنش نے تشویش سے انہیں دیکھا۔

''آنٹی آپ کی طبیعت تو بہت خراب ہے۔ ڈاکٹر سے چیک کرالیا؟''

''نہیں بیٹا۔ رات ہلکی حرارت محسوس ہو رہی تھی مگر صبح سے طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے۔ بخار بھی ہے اور پورے جسم میں درد ہو رہا ہے۔''

''آپ اکیلی ہیں گھر پر۔'' زرنش نے گھر میں پھیلی خاموشی سے اندازہ لگایا۔

''سمیر تو صبح دفتر چلا جاتا ہے۔ میں نے بھی کہا بچے کو کیا پریشان کرنا۔ رضیہ آجائے گی پر اس نے بھی چھٹی کر لی۔'' صوفے پر نیم دراز سی وہ بولیں۔ چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

''آنٹی آپ فون کر لیتیں تو بھابھی یا امی کوئی آجاتا۔ میں تو آپ کو یہ کڑھائی والی شال دینے آئی تھی۔''

''ہاں وہ میں نے کروائی تھی کڑھائی اسی لیے منگوائی تھی۔''

''بھیا تو صبح جلدی چلے گئے کسی میٹنگ کے سلسلے میں تو میں آ گئی دینے۔'' زرنش نے وضاحت کی۔ پھر کچھ خیال آنے پر پوچھا۔ ''آپ نے ناشتا کیا.....؟''

''رضیہ کے انتظار میں تھی وہ آئے تو بنائے۔''

''کوئی بات نہیں میں آپ کو ناشتا کرواتی ہوں۔'' اپنا بیگ صوفے پر رکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔

''نہیں تم کیوں تکلیف کرتی ہو۔'' آنٹی نے روکنے کی کوشش کی۔

''اس میں تکلیف کی کیا بات ہے آنٹی۔'' اپنائیت سے کہتی وہ ان کے نہ نہ کرنے کے باوجود کچن میں گھس گئی۔ کچن میں گھستے ہی کچھ دیر کے لیے تو اس کا سر چکرا گیا۔ پورا کچن یوں پھیلا ہوا تھا جیسے کسی دشمن فوج نے حملہ کر کے پورا علاقہ تہس نہس کر دیا ہو۔ جلے ہوئے انڈے، جلا ہوا فرائی پین، مسالوں کے کھلے ڈبے، شیلف پر گرا دودھ، پتی، انڈے اور جلی ہوئی ڈبل روٹی۔ جس کسی نے بھی یہاں دھاوا بولا تھا نہایت نااہل تھا۔ گند ایک طرف کرتے بمشکل اس نے اس ماحول میں ناشتا تیار کیا تھا۔ دل میں یہ حال کرنے والی شخصیت کو خوب ہی کوسنے دیے — جس میں سے کچھ رضیہ کے حصے میں بھی آئے تھے۔ پھر آنٹی کو ناشتا کرانے کے بعد اس نے بخار کی دوائی بھی کھلا دی ان کے منع کرنے کے باوجود کچھ ٹھنڈی پٹیاں بھی ان کے ماتھے پر۔ رکھیں۔ تب جا کر ان کا بخار کچھ اترا تھا۔

''شکریہ بیٹا تم نے آ کر اتنا خیال رکھا ورنہ میں تو یوں ہی پڑی رہتی۔ میری تو اٹھنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔'' آنٹی نہایت ممنون اور مشکور نظر آ رہی تھیں۔ پھر خیال آنے پر بولیں۔ ''تم تو یونیورسٹی سے بھی لیٹ ہوگئی ہو۔''

''کوئی بات نہیں آنٹی، آج کل ایک آدھ کلاس ہی ہوتی ہے۔ آپ اب تھوڑا سو جائیں۔ میں گھر کچھ ٹھیک کر دیتی ہوں۔'' آنٹی نے مزید منع کرنا چاہا مگر زرنش انہیں اطمینان دلاتی کچن میں گھس گئی۔ گھنٹہ بھر تو اسے صفائی مین ہی لگ گیا تھا۔ صاف شفاف کچن دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا تو کھانے کی طرف دھیان گیا۔ آنٹی نے جب تک سو کر اٹھنا تھا کھانے کا وقت ہو جانا تھا۔ اب کھانا بھی اسے ہی پکانا تھا۔ کچھ سوچ بچار کے بعد اس نے چولہے پر آنٹی کے لیے یخنی چڑھائی۔ خالی یخنی سے تو کام نہیں بننا تھا آخر کو ان کے سپوت نے بھی گھر آنا تھا۔ فریزر میں مزید چکن دیکھ کر اس نے چکن پلاؤ بنانے کا فیصلہ کیا اور پھر سے کام میں جت گئی۔

گھر کا باقی پھیلاوا سمیٹتے دوپہر کے دو بج گئے تھے۔ پورے گھر پر نظر ڈالتے وہ مطمئن سی آنٹی کے

کمرے کی طرف بڑھی مگر پھر لاؤنج کے کھلے دروازے سے نظر آتا برآمدہ دیکھ کر طویل سانس لیتی، دوپٹا کستی ایک بار پھر سے میدان میں اتر آئی۔ کل رات کی آندھی کی وجہ سے برآمدے کی حالت خاصی خراب تھی۔ وہ مگن سی پائپ لگائے برآمدہ دھو رہی تھی۔ گیٹ کھلنے کی آواز پر بری طرح چونکی۔

"یہ اس وقت کدھر سے نازل ہوگئے۔" سمیر کو گیٹ کھول کر گاڑی اندر لاتے دیکھ کر وہ منہ میں بڑبڑائی۔ سر جھٹکتی وہ اپنے کام میں لگ گئی۔

"رضیہ میرا کوئی پارسل آیا تھا۔" موبائل پر ٹیکسٹ کرتا وہ قریب آیا۔

"نہیں بھائی جی۔" وہ چبا کر بولی۔ اس کی آواز پر وہ چونکا، نظر اٹھائی تو وہ عجیب و غریب حلیے میں سامنے تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو اور رضیہ کہاں ہے؟" سمیر سٹپٹایا۔

"رضیہ اپنے گھر چھٹی منا رہی ہے اور آپ فرض شناسی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے بیمار ماں کو تنہا چھوڑ کر دفتر سدھار گئے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی اور ایک کٹیلی نظر اس پر ڈالی۔

"وہ میٹنگ میں پھنسا رہا سارے دن، ابھی فارغ ہوا ہوں۔ کیا امی کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟"

"صبح سے پڑی ہوئی ہیں وہ تو میں....." اپنے انداز میں بولتی وہ اسے بتا رہی تھی کہ اس نے بیچ میں بات کاٹی۔

"کیا امی بے ہوش ہیں اور تم یہاں کھڑی باتیں کر رہی ہو۔" پریشان سا وہ اندر بھاگا۔

"ہیں میں نے کب کہا آنٹی بے ہوش ہیں..... میں نے..... پڑی ہوئی ہیں..... حد ہے یہ بہن بھائی تو زبان پکڑتے ہیں۔" بات سمجھتے ہی اس نے منہ بنایا۔

وہ کھانا گرم کر رہی تھی جب وہ شرمندہ سا کچن میں آیا۔

"سوری میں اس وقت کچھ اور سمجھا تھا۔" اس نے اعتراف کیا۔ "میں کچھ مدد کروا دوں۔" اسے خاموش دیکھ کر جلدی سے بولا۔ کچن کا صبح والا نقشہ اس کے ذہن میں گھوم گیا۔

"نہیں پلیز آپ بس جا کر آنٹی کو ٹیبل تک لائیں۔" زرنش نے جلدی سے اسے ٹالا۔ ویسے بھی اسے اس وقت شدید بھوک لگ رہی تھی۔

بھاپ اڑاتا چکن پلاؤ، رائتہ اور شامی کباب (جو آنٹی کے ہی فریزر سے برآمد کیے تھے) دیکھ کر آنٹی کی آنکھوں میں ستائش اتری۔ گھر بھی کافی سمٹا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"آنٹی آپ تھوڑے سے چاول کھالیں پھر میں یخنی لا دیتی ہوں۔" کرسی پر بیٹھی وہ آنٹی سے مخاطب ہوئی۔

"شکریہ بیٹا۔ آج تم نہ ہوتیں تو پتا نہیں میری اور گھر کی کیا حالت ہوتی۔" وہ مشکوری سی بولیں۔ چکن پلاؤ جتنا دیکھنے میں اچھا لگ رہا تھا کھانے میں اتنا ہی ذائقے دار تھا۔ مزے سے پلاؤ کھاتے سمیر نے اپنے سامنے بیٹھی زرنش کے تھکن زدہ چہرے پر نظر دوڑائی۔ دل میں آئی کہ تعریف بھی کر دے مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی امی نے اس کے دل کی بات کہہ دی۔

"مجھے تو آپ کے شامی کباب پسند آئے ہیں آنٹی۔ ریسپی دیجیے گا۔" اپنی تعریف سن کر جواباً اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دوسری دفعہ چاولوں سے پلیٹ بھرتے اس نے آخری شامی کباب اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت سمیر نے بھی کباب اٹھانا چاہا۔ دونوں نے ایک ساتھ ہاتھ پیچھے کھینچے تھے۔

"آپ کباب لیں نا۔" سمیر نے فوراً آفر کی۔

"نہیں شکریہ۔" وہ پلیٹ پر جھک گئی۔

"لو نا بیٹا تکلف نہ کرو۔" آنٹی نے زبردستی کباب اس کی پلیٹ میں ڈالا۔

سمیر کو زیر لب مسکراتے دیکھ کر اسے خوب تاؤ آیا۔ پانچ منٹ تک جب اس نے مسلسل گھورنا بند نہ کیا تو زرنش نے ہاتھ روک کر اسے جواباً شرم دلانے

والی نظروں سے گھورا، جس پر وہ سٹپٹا کر اپنی پلیٹ پر جھکا۔ کھانے کے بعد آنٹی نے زبردستی اسے سمیر کے ساتھ گھر بھیج دیا۔ وہ بھی سارے راستے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتی رہی۔ دو بار سمیر نے کھنکار کر متوجہ کرنا چاہا مگر وہ بھی ان سنی کیے ڈھیٹ بن کر رخ موڑے پچھلی بیٹھی رہی۔

☆☆☆

کوفتوں کی خوشبو اسے کچن تک کھینچ لائی تھی۔ دیگچی کا ڈھکن اٹھاتے ہی صحت مند سے کوفتے دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ بھابھی بہت مزے دار کوفتے بناتی تھیں۔ جلدی سے ایک کوفتہ پلیٹ میں نکالا۔ جب تک چائے بنتی تھی وہ اس پر گزارا کر لیتی۔ چمچ سے کوفتہ آدھا کر کے منہ میں رکھا۔ ابھی وہ چٹخارے لے رہی تھی کہ صباحت کچن میں آئی۔

"بس آتے ہی ندیدوں کی طرح شروع ہو گئی ہو۔ کوئی ڈھنگ ہیں تمہارے۔"

"نہ پوچھیں پیاری بھابھی یونیورسٹی میں۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولنا شروع ہوئی مگر بھابھی نے تیز لہجے میں بات کاٹی۔

"نہ بی بی بھوک تو تم برداشت کر ہی نہیں سکتیں اور فاقہ تو تم پر حرام ہے۔ یقیناً یونیورسٹی میں بھی کچھ نہ کچھ ٹھونس لیا ہوگا۔ تم یا تو دنیا میں کھانے کے لیے آئی ہو یا میرے سینے پر مونگ دلنے۔" وہ بک دک سی کھڑی تھی۔ پہلے بھی بھابھی اس کی اس حرکت پر چڑ جاتی تھیں غصہ بھی کر لیتیں مگر آج ان کے لہجے کی کڑواہٹ اور اس کے وجود کے آر پار ہوتی چبھتی نگاہیں۔

"اب مجھے کیا دیکھ رہی ہو۔ شرم تو تمہیں آنی نہیں ہے۔ دیگچا اٹھاؤ اور لے جاؤ اپنے کمرے میں۔" کچی سے بولتی صباحت کو احساس تک نہیں تھا کہ کیسے اس کی ذات کے پرخچے اڑے تھے۔ احساس تذلیل سے چہرہ سرخ ہوا تھا آنکھوں میں مرچیں سی چبھتی محسوس ہوئیں۔ پلیٹ شیلف پر رکھتی وہ تیز قدموں سے کچن سے نکلی تھی۔

☆☆☆

اسائنمنٹ کا بہانہ بنائے وہ ساری شام کمرے میں بند رہی تھی۔ امی الگ حیران پریشان تھیں۔ پہلے تو وہ ہر گھنٹے بعد کچھ کھانے کے لیے پوچھتی رہتی تھی اور آج جب وہ خود چار مرتبہ پوچھ چکی تھیں تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ رات کو بھیا آئے تو زبردستی اسے کمرے سے نکال کر کھانے کی میز تک لے گئے۔

"چلو بھئی پہلے ڈٹ کر کھاؤ پھر پڑھائی بھی ہو جائے گی۔" بھیا نے اس کی پلیٹ میں سالن ڈالا۔ زبردستی اس نے نوالے حلق سے اتارے ورنہ بھوک تو بھابھی کی بے زار شکل دیکھ کر ہی مر گئی تھی۔ امی اب مطمئن سی کھانا کھا رہی تھیں۔

"تمہاری فیورٹ جلیبی بھی لایا ہوں۔" بھیا نے بتایا۔ انہیں معلوم تھا کہ اسے دودھ میں جلیبی ڈال کر کھانا بہت پسند تھا۔ وہ ایسے ہی اس کی خوشی کا خیال رکھا کرتے تھے۔ کھانا ختم ہوتے ہی بھابھی کے کہنے کا انتظار کیے بغیر اس نے جلدی سے برتن سمیٹے۔ وہ کمرے میں جانے کے لیے پر تول رہی تھی جب بھیا نے روک کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ امی عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھ گئیں۔ اور صباحت کچن میں چائے بنانے۔

"کیا ہوا ہے؟" بھیا نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں بھیا۔" زرنش نے لب کاٹے۔

"پھر چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔" بھیا نے بغور اس کے بجھے چہرے کو دیکھا۔ وہ چہرہ جو ہمہ وقت کھلا رہتا تھا شوخی اس کی آنکھوں سے پھوٹتی، لبوں پر مسکان بن کر ٹھہری رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آج اس کا بجھا بجھا سا انداز انہیں پریشان کر رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بس سر میں درد ہے۔" زرنش نے جواز پیش کیا۔

"سر میں درد ہوتا تو تم پچاس مرتبہ تو مجھے بتا چکی ہوتیں۔" بھیا کسی طور ٹلنے والے نہیں تھے۔

"بھیا کیا ایسی ہوں میں۔" زرنش نے مصنوعی خفگی سے انہیں دیکھا۔ بھیا مسکرائے، پیار سے سر پر

ہاتھ رکھا۔

''تم تو بہت پیاری ہو۔ تمہاری چھچھاہٹ سے ہی تو دل شاد رہتا ہے اور تمہاری اداسی اداس کر دیتی ہے۔'' اس قدر محبت پر اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

''صباحت نے کچھ کہا ہے؟'' بھیا کا اگلا سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ گڑبڑا گئی۔

''مجھے معلوم ہے وہ زبان کی کچھ کڑوی ہے۔''

''نہیں بھیا ایسی کوئی بات نہیں ہے اور پھر بھابھی کی بات کا کیا برا ماننا۔ وہ تو کچھ کہہ بھی دیں تو بعد میں خود ہی دلجوئی کرتی ہیں۔'' اس نے بھیا کا دل صاف کرنا چاہا۔

''تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔ چند دنوں سے صباحت کچھ پریشان ہے۔ وہ سمیر نے منگنی توڑ دی ہے بس اسی لیے کبھی کبھی تلخ ہو جاتی ہے۔'' اسے دھچکا لگا تھا۔ تو کیا سمیر نے اس کا نام لے کر منگنی توڑی تھی۔ اسی وقت صباحت چائے لے آئی پھر وہ کچھ پوچھ ہی نہ سکی۔

☆☆☆

اگلے دن کافی سوچ بچار کے بعد اس نے سمیر سے بات کرنے کی ٹھانی ـــــ اسی ٹینشن میں وہ یونیورسٹی بھی نہیں گئی ـــ ویسے بھی آج ایک ہی کلاس تھی جو لینے کا قطعاً موڈ نہیں تھا۔ سمیر کا نمبر اس نے بھیا کے فون سے لیا تھا۔

سمیر کے فون اٹھاتے ہی اس نے اپنا تعارف کرایا جس پر دوسری طرف موجود سمیر خاصا خوش ہوا

''آپ نے اپنی منگنی کیوں توڑی؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ابھی تو میں نے کچھ کہا بھی نہیں اور تم نے یہ سوال کر لیا۔'' سمیر مسکراتے لب و لہجے میں بولا۔

''آپ کے انداز و اطوار سب کہہ دیتے ہیں۔''

''پھر کیا اظہار سننے کے لیے فون کیا ہے۔'' اس خوش فہمی پر زرنش کا خون کھول اٹھا۔

''نہیں چار سنانے کے لیے فون کیا ہے۔ جس غلط فہمی میں آپ ہیں جلد اس سے باہر نکل آئیں تو بہتر ہوگا۔ نہ تو آپ کوئی پرنس چارمنگ ہیں جس کے لیے میں مری جا رہی ہوں۔ بلکہ میرے خواب و خیال میں بھی آپ کا گزر نہیں۔''

''میرے خیالوں میں تو تم ہی ہو۔ میں پرنس نہ سہی تمہیں تو پرنسس بنا کر رکھ سکتا ہوں۔'' اس کے شوخ انداز پر اسے تاؤ آیا۔

''ہونہہ چھچھورا فون پر کیسے ڈائلاگز مار رہا ہے۔'' اپنے غصے کو دباتی وہ اٹل لہجے میں بولی۔ ''بہتر ہوگا آپ اپنے خیالات خود تک محدود رکھیں اور مجھ تک رسائی کی کوشش مت کریں نہ ہی میرے گھر کا ماحول خراب کریں۔'' اس نے ٹھک سے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

شام کو امی اور صباحت چائے پی رہی تھیں جب وہ پاس آ کر بیٹھی۔

''امی وہ جو اس دن چند خواتین آئی تھیں رشتہ لے کر۔ کیا نام تھا اس بندے کا۔''

''جمیل۔'' امی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہاں وہی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اگر رشتے پر آپ بے شک ہاں کر دیں۔'' اطمینان سے کہتی وہ چائے کی چسکی لینے لگی۔ ساتھ میں پلیٹ سے نمک پارہ اچک کر منہ میں رکھا۔

''ابھی ہم اس سے ملے ہی کب ہیں۔ اپنے بھیا کو انکوائری تو کر لینے دو۔'' امی کو بہو کے سامنے اس کا یوں خود سے کہنا برا لگا۔ ساتھ میں حیرت بھی ہوئی جس رشتے کو وہ کل تک ابھی شادی نہیں کر کہہ کر ٹال رہی تھی آج یوں خود سے بول پڑی۔

''کر لیں میں کون سا منع کر رہی ہوں۔'' پھر حیرت زدہ سی صباحت کی طرف مڑی۔

''بھابھی کسی دن شاپنگ پر چلتے ہیں کچھ سوٹ لینے ہیں میں نے۔'' مسکرا کر کہتی وہ جیسے کل کی ساری تلخی بھلا چکی تھی۔ صباحت کو ندامت نے گھیرا۔

☆☆☆

امی اور بھیا کے درمیان کچھ کھچڑی پک رہی تھی۔ روز رات کو چائے کے بہانے سر جوڑ کر بیٹھ جاتے۔ اسے تو امی پہلے ہی کمرے میں بھیج دیتیں اور وہ بھیا کی جانب دیکھتی شاید وہی روک لیں مگر وہ تو ریموٹ پکڑے ٹاک شو میں ایسے مگن ہوتے جیسے اسی مقصد کے لیے بیٹھے ہوں۔ اور وہ دل مسوس کر اپنے کمرے میں گھس جاتی جو لاؤنج سے کچھ فاصلے پر تھا۔ بھابھی یا تو کچن سنبھالتی رہتیں یا بھیا کی صبح کے لیے تیاری میں مصروف ہو جاتیں۔ ایک آدھ بار تو وہ بھی بیٹھی پائی گئیں۔

آج خلاف معمول امی اس کے پیچھے کمرے میں ہی آ گئیں۔ زرنش کو کھد بد ہوئی، امی کا انداز ہی کچھ انوکھا سا تھا۔ وہ پوری طرح ان کے سنجیدہ چہرے کی طرف متوجہ ہوئی۔

''سمیر کا رشتہ آیا ہے تمہارے لیے۔'' بے یقینی سے امی کو دیکھتے اس نے تصحیح کی۔

''جمیل کا۔'' شاید امی نام غلط لے گئی تھیں۔ اسے تسلی ہوئی۔

''ہاں اس کا بھی آیا ہے۔ پر کلثوم بہن نے سمیر کا رشتہ ڈالا ہے۔'' امی کی اس نئی خبر نے تو اس کے سارے فیوز اڑا دیے۔

''مجھے تو سمیر بہت پسند ہے۔ اچھی عادات کا دیکھا بھالا بچہ ہے اور پھر انجان لوگوں میں رشتہ کرنے سے میں بہت گھبراتی ہوں۔'' امی کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں پر وہ بول پڑی۔

''آپ کا دیکھا بھالا بچہ مجھے نہیں چاہیے۔ میں انجان بچے کے ساتھ ہی گزارا کر لوں گی۔ آپ بس جمیل کے رشتے کو ہاں کر دیں۔''

''جمیل کہاں سے بیچ میں آ جاتا ہے کہیں تم جمیل کو پہلے سے تو نہیں جانتیں۔ دیکھو زرنش اگر ایسی بات ہے تو مجھے ابھی بتا دو۔'' امی آگ بگولا ہوتی

الف لیلہ ہزار داستانیں

دلچسپ اور خوبصورت داستانیں جنھیں پڑھ کر بچے ہیری پوٹر کو بھول جائیں گے، ایسی داستانیں جنھیں بڑے بھی پڑھ کر لطف اندوز ہونگے

کتاب بذریعہ رجسٹری منگوائیں
-/300 روپے کا ڈسکاؤنٹ حاصل کریں
فی کتاب -/1200 روپے
ڈسکاؤنٹ -/300 روپے
آج ہی -/950 روپے
منی آڈر ارسال فرمائیں

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اسے جانچتی نظروں سے گھور رہی تھیں۔

''امی کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے تو آپ کے منہ سے ہی اس کا نام سنا ہے۔''

''پھر سمیر میں کیا برائی ہے؟''

''میں نے کب کہا برائی ہے۔ میں سمیر بھائی کے بارے میں سوچ بھی لیتی اگر......'' کمرے کے باہر چائے کی ٹرے لیے کھڑی صباحت دروازے کے کچھ اور قریب کھسکی۔ امی سوالیہ نظروں سے اس کو مزید بولنے پر اکسا رہی تھیں۔

''اگر بھابھی کو اعتراض نہ ہوتا۔ بھابھی کو میں پسند نہیں۔ وہ مجھے اپنی بھابھی کے روپ میں پسند نہیں کریں گی۔ میں نہیں چاہتی ان کی ناپسندیدگی نفرت میں ڈھل جائے۔ مجھے خالص رشتے چاہئیں امی، محبت اور اپنائیت بھرے۔ جہاں کوئی مجھ سے بے زار نہ ہو اور میں اپنی محبت اور خلوص سے وہاں گھل مل جاؤں۔ اور پھر اپنی ذات پر نفرت کا ایک چھینٹا بھی میں سہہ نہیں پاؤں گی۔ اگر میرے انکار سے بھابھی اور میرا تعلق بچ سکتا ہے تو پھر مجھے اس رشتے سے انکار ہے۔''

وہ اپنی بات ختم کر چکی تھی جبکہ امی حیرت سے اسے تک رہی تھیں۔ ہر وقت اپنی ذات میں شوخی سموئے، خوش رہنے اور رکھنے کا فن جاننے والی بظاہر لاابالی سی ان کی بیٹی کتنی سمجھدار اور گہری تھی۔

☆☆☆

وہ مزے لے لے کر رس ملائی کھا رہی تھی جو پڑوس کے ہاں سے آئی تھی۔

''بھابھی! فائقہ آنٹی نے کیا مزے دار رس ملائی بھیجی ہے۔ ریسپی لوں گی ان سے۔'' قریب آتی صباحت کو مخاطب کیا۔

''میرے بھائی کے رشتے سے کیوں انکار کیا اور کس نے کہا کہ وہ پرنس چارمنگ سے کم ہے۔'' صباحت نے تیوریاں چڑھائیں۔ نرم سی رس ملائی جیسے حلق میں پھنسی تھی۔ کھانستے ہوئے صباحت کی جواب طلب نظروں کو دیکھا۔

''میری مرضی ......نہیں پسند آپ کا بھائی۔ کیا زبردستی ہے کوئی!'' زرنش نے بھی اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

''ہاں زبردستی ہی سمجھو کیونکہ میرے بھائی کو کوئی اور لڑکی پسند نہیں آ سکتی اور نہ ہی تمہارے علاوہ وہ کسی سے شادی کرے گا۔''

''تو نہ کرے میں تو کسی سے بھی کر لوں گی۔'' زرنش چہکی ابھی تو وہ اس کایا پلٹ پر ہی حیران تھی۔ صباحت مسکرائی۔

''وہ اس جمیل سے تمہارا خیال ہے میں ہونے دوں گی۔'' اس نے ناسمجھی سے صباحت کی مسکراہٹ کو دیکھا۔

''بھئی، نند اتنی اچھی ہو تو بھابھی کیسی بنو گی۔'' پھر وہ سنجیدہ ہوئی۔

''میں تو تمہیں لاابالی اور بے ڈھنگی سی لڑکی سمجھتی تھی۔ لگتا تھا سلیقہ نام کو نہیں ہے۔ مگر میں نے تمہاری باتیں بھی سنیں اور اپنی بے رخی کے جواب میں تمہارا رویہ بھی دیکھا۔ اور تو اور جس دن سے امی کے ہاں سے آئی ہو کان پک گئے ہیں تمہاری تعریفیں سن، سن کر اور اب خبردار جو رنگ میں بھنگ ڈالا۔'' آخر میں دھمکی بھی دے ڈالی۔

''آپ اس طرح تڑیاں نہ لگائیں۔ ابھی میں نے ہاں نہیں کی۔'' وہ چہکی، انداز شاہانہ تھا۔

''میں ہاں کر آئی ہوں۔ تمہاری طرف سے امی کو اور وہ میری امی کو کال ملا رہی ہیں اور اب میرے بھائی پر نہ برس پڑنا۔'' صباحت اٹھتے ہوئے بولی پھر اس کی طرف دیکھ کر شرارتاً بولی۔

''ویسے جتنا اونچا تم اس پر برس رہی تھیں شکر کرو امی نہا رہی تھیں ورنہ وہ بھی سن لیتیں۔'' صباحت تو چلی گئی مگر وہ ابھی تک بے یقینی سی اس کایا پلٹ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

وہ برآمدے میں بیٹھی تھی جب اطلاعی گھنٹی پر دروازہ کھولنے گیٹ تک آئی۔ دروازہ کھولتے ہی سامنے کھڑے سمیر کو دیکھا۔ جس کی باچھیں اسے دیکھ کر ہی کھل گئی تھیں۔

''یہ گول گپے لایا تھا۔'' شاپر آگے کیا۔ زرنش کے منہ میں پانی تو آیا مگر ناک سکیڑ کر خطرناک تیوروں سے اسے دیکھا۔

''کس خوشی میں۔''

''منگنی کی خوشی میں۔'' جھٹ سے جواب آیا۔

زرنش نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے لہرایا۔

''کوئی انگوٹھی نظر آ رہی ہے آپ کو۔''

''لا دوں گا۔'' مسکرا کر گویا فرمائش نوٹ کی۔

''خیر فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ جو منگنیاں ایک فریق کی مرضی کے برخلاف ہوں وہ ٹوٹ ہی جایا کرتی ہیں۔''

''تمہیں کیا اعتراض ہے اس رشتے سے۔'' مسکراہٹ سمٹی تھی۔

''بہت سے ہیں۔ پہلے بتائیے منگنی کیوں توڑی۔'' اس نے منہ کھولا پر زرنش نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ ''یہ رہنے دیں۔ توڑی کیسے؟ اس کا جواب دیں تو غور کروں گی رشتے پر۔'' سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''منگنی میری لاعلمی میں ہوئی تھی۔ باجی نے تو کچھ سننا نہیں تھا بس پھر اس لڑکی سے بات کرنی پڑی۔ تب معلوم ہوا وہ بھی کہیں اور انٹرسٹڈ تھی۔ پھر ہم دونوں نے اپنے گھر والوں کو سمجھایا اور کچھ زور ڈالا۔ اور پھر تم نے گھر آ کر منظر ہی بدل دیا۔'' مسکراہٹ پھر سے اس کے چہرے پر پھیلی۔

''امی تو تمہارا نام سن کر ہی مان گئیں۔ باجی کو کچھ وقت لگا۔ میں نے انہیں پاس بٹھا کر سمجھایا بھی کہ تمہاری خوبیوں پر غور تو کریں۔''

''سارا کریڈٹ خود مت لیں۔ میرے انکار نے انہیں سب سے بڑا دھچکا پہنچایا تھا۔'' اب کی بار وہ اپنی جون میں لوٹی۔

''اسی لیے انکار کیا تھا۔'' معنی خیز انداز میں پوچھتا وہ اس کی دھڑکنوں کو بڑھا گیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' زرنش نے رخ پھیرا۔

''ویسے باجی نے تو مجھے کہا بھی کہ عجیب لڈو سی لڑکی ہے تمہیں نظر کیا آ گیا اس میں، پر میں نے بھی کہا جب دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں تو......'' زرنش جھٹکے سے مڑی۔

''اب آپ ذاتیات پر مت اتریں۔'' سمیر نے لب دانتوں میں دبائے۔

''اب تو ہر بات ماننی پڑے گی۔'' سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''کیا خیال ہے اب تو بات شادی تک پہنچے گی نا۔''

''چلیں یہ بتا دیں مجھ میں کیا نظر آیا آپ کو۔'' بمشکل مسکراہٹ چھپائے انٹرویو جاری رکھا۔

''سچ تو یہ ہے کہ تمہارے خلوص اور اپنائیت نے امی اور باجی کو تمہارا گرویدہ بنا لیا۔ اور مجھے بس تم پسند ہو۔'' چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ بے ساختگی سے بولا۔ ''تمہاری شوخی، تمہارا انوکھا سا انداز، تم جیسی ہو ویسی ہی مجھے پسند ہو۔'' خوب صورت لب و لہجے میں اظہار کرتا وہ اسے اپنا اپنا سا لگا۔

اندر سے امی نے دیکھ کر آواز دی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا شاپر اسے تھما کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ لطیف سے احساسات میں گھری، مسکان چہرے پر سجائے کھڑی رہی۔ یہ اس کا خلوص اور اپنائیت ہی تھی جس نے صباحت کے دل کو اس کے لیے موم کر دیا تھا اور ان کے رشتے کو اور بھی مضبوط اور خوب صورت بنا دیا تھا اور اب اسے محبت بھری شاہراہ پر قدم رکھنا تھا جو اس کی منتظر تھی۔

☆☆

بشریٰ ماہا

عروج

انسان محبت میں اپنا آپ تک محبوب پر وار دیتا ہے..... دینے پر آئے تو خود خالی ہو جاتا ہے..... ''محبت'' میں۔ سے ہم تک کا اک پُرکٹھن سفر ہے..... دیکھنے میں یوں لگتا ہے جیسے میٹھے چشموں، اونچے اونچے آبشاروں، سرسبز پہاڑوں سے ڈھکی چھپی یہ حسین وادیوں کا سفر ہے..... لیکن جب اس سفر پر نکلتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ یہاں بارش نہیں آنسو استقبال کرتے ہیں..... یہاں گو کہ مسکراہٹیں بھی ملیں گی لیکن بہت کم..... خوشیوں سے زیادہ درد ملے گا..... اور جب ہماری ذات ختم ہو جائے گی تو ہی ہماری محبت امر ہو سکے گی..... لیکن میرا حال اس سے بالکل برعکس ہے..... میں وہ حرماں نصیب ہوں جس نے اپنی نفرت کے ہاتھوں اپنی ہی محبت کا گلا گھونٹ دیا..... میں نے نفرت کو محبت پر قربان کیا تھا..... اور یہ گھاٹے کا سودا تھا۔

میں پرسکون نہیں تھی..... آج کی رات رنگوں اور روشنیوں سے بھرپور رات تھی..... شادیانے بج رہے تھے۔ لوگ خوشیاں منا رہے تھے..... میں بھی تو ان ہی خوشیاں کا حصہ تھی..... لیکن پھر میں نے اندھیروں کا انتخاب کیا..... اور خوشیوں سے منہ موڑ لیا..... محبت ادھوری رہ گئی تھی..... اور نفرت کو منزل مل گئی تھی۔

☆☆☆

میں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا کبھی اپنی ماما کو مسکراتے یا خوش ہوتے نہیں دیکھا..... ہمیشہ ان کی آنکھ میں ایک ہی موسم چھایا رہتا۔ ان کی آنکھیں ہمیشہ نم رہتی تھیں۔ میں جب چھوٹی تھی تو انہیں الجھن سے دیکھتی تھی..... مجھے کبھی سمجھ میں نہیں آیا ماما کی آنکھیں ہمیشہ سرخ کیوں رہتی ہیں۔ اور پھر جب میں کچھ بڑی ہوئی تو مجھے سمجھ میں آیا یہ نمی بلاوجہ نہیں ہے۔ یہ سرخیاں تو رت جگوں کی نشانی ہیں..... یہ اداسیاں تو کسی نے عنایت کی ہیں..... میری ماما عام عورت نہیں تھیں..... وہ مریض عشق تھیں۔

انہیں آج بھی اس شخص سے محبت تھی جس نے ان کا وجود ذلت کی گہری کھائی میں دھکیل دیا تھا..... ایسا مجھے لگتا تھا۔

میں بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک ایک غیر معمولی زندگی گزارتی رہی..... میرے پاپا ہمارے ساتھ نہیں رہتے تھے۔ ان کی اپنی دنیا اور اپنی فیملی تھی.....!

اور میری ماں..... وہ میرے پاس ہو کر بھی کبھی میرے پاس نہیں رہیں..... میں جتنا ان کے قریب رہنے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی مجھ سے دور چلی جاتیں..... میں انہیں بتانا چاہتی ماما میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ میرے پاس آپ کے سوا کوئی رشتہ نہیں، آپ ہی میری کائنات ہیں ماما، وہ میری باتیں سنتیں، خاموشی سے مجھے دیکھتیں اور پھر رونے لگتیں اور مجھے سینے سے لگائے بنا ہی وہاں سے اٹھ کر چلی جاتیں۔

ان کی آنکھوں سے آنسو نہیں، خون بہتا تھا۔ حالانکہ اس کا رنگ سرخ نہیں تھا لیکن پھر بھی مجھے وہ خون کے آنسو لگتے۔

ان کی زندگی کے کیا غم تھے میں کبھی جان ہی نا سکی..... اور نا کبھی انہوں نے میرے پوچھنے پر بتایا۔ وہ اکثر میری طرف دیکھتیں اور مجھ سے کہتیں۔

''عروج پلیز! تم میرے سامنے نہ آیا کرو..... تمہیں دیکھتی ہوں تو تمہاری آنکھیں اس کی یاد دلاتی ہیں جسے بھولنا چاہتی ہوں۔ تمہاری آنکھیں مجھے رونے پر مجبور کرتی ہیں عروج۔''

وہ بنا میری طرف دیکھے بولتیں اور میرا دل چاہتا میں چیخ چیخ کر رونے لگوں لیکن میں انہیں یہ سب بتانے سے قاصر تھی..... کیوں کہ میں ان سے محبت کرتی تھی، ویسی محبت جو سب کچھ قربان کرنا جانتی ہو۔ وہ میری جنت تھیں اور میں اپنی جنت کو کیسے دکھ دے سکتی تھی۔

میں نے بارہ سال کی عمر میں پہلی بار خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں انتقام لوں گی...... اس شخص سے جو میری محرومیوں کا سبب تھا...... جس کی وجہ سے میری ماں کبھی مسکرا نہیں سکی تھی...... جو اپنے ساتھ میری ماں کی خوشیاں بھی لے گیا تھا...... اس رات کے بعد کوئی رات ایسی نہیں گزری جب میں نے ماما سے ان کے آنسوؤں کی وجہ نہ پوچھی ہو، ان کی اداسیوں کے بارے میں سوال نہ کیا ہو...... لیکن ماما کی خاموشی کبھی نہ ٹوٹی...... انہوں نے کبھی مجھے اپنا غم گسار بنایا اور نا ہی راز دان۔ وہ ایک اچھی ماں تو تھیں لیکن کبھی ماں سے دوست تک کا سفر نا کر سکیں۔

اور پھر ایک دن ماما نے میرے سوالوں سے تنگ آ کر مجھ سے کہہ ہی دیا۔

''عروج...... تم اپنے پاپا کے پاس چلی جاؤ۔ میں تمہیں وہ پیار نہیں دے سکتی جو پیار وہ تم سے کرتے ہیں۔ تم وہاں زیادہ خوش رہو گی...... تم اکیلی نہیں ہو تو تم اکیلی رہو بھی کیوں۔'' وہ سنجیدگی سے بول رہی تھیں۔

''ماما! میں مر جاؤں گی آپ سے دور چلی گئی تو۔'' میں نے تڑپ کر ان کی بات کاٹی...... میں بھلا کیسے انہیں چھوڑ سکتی تھی......

''جذباتی مت بنو...... جذباتیت کسی کام نہیں آتی...... مجھے لگتا تھا میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں تمہاری اچھی تربیت کر سکتی ہوں تمہیں خوش رکھ سکتی ہوں مگر مجھے احساس ہوا میں غلط تھی۔ خوشیوں کی ضمانت دولت نہیں محبت ہے...... وہ محبت جو میرے پاس نہیں ہے...... جو صرف تمہارے پاپا ہی تمہیں دے سکتے ہیں...... تم یقین کرو عروج...... میں ابھی انہیں ایک کال بھی کروں نا تو وہ اسی وقت تمہیں لینے آ جائیں گے۔'' وہ مجھے پاپا کی محبت کا یقین دلا رہی تھیں۔ اور میرا سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا۔

''مجھے ایسے انسان کی محبت نہیں چاہیے جو میری ماں کو خوش نہ رکھ سکا، نفرت کرتی ہوں میں اپنے باپ سے میں مر جاؤں گی لیکن ان کے پاس کبھی نہیں جاؤں گی۔'' میں نے چلا کر ان کی آواز کی مضبوطی توڑی جب کہ وہ ششدر سی مجھے تکتی چلی گئیں۔

''تم اپنے باپ کو غلط سمجھ رہی ہو عروج......!''

''میں وہ ہی سمجھ رہی ہوں جو وہ ہیں......'' میں نے اپنی بات پر زور دیا۔

''تم انہیں نہیں جانتی ہو...... وہ بہت اچھے۔'' ماما نے میرا دل صاف کرنا چاہا۔

''ہاں میں جانتی ہوں وہ بہت اچھے ہیں لیکن اپنی باقی اولاد کے لیے...... جسے میں نے پوری زندگی میں صرف چند بار دیکھا ہو کم از کم وہ انسان میرے لیے اچھا انسان نہیں ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ یاد رکھیں ماما میں ان سے اپنا بدلہ ضرور لوں گی۔ ان ہی کی بیٹی ہوں۔ انہیں میرے اور آپ کے آنسوؤں کی قیمت چکانی پڑے گی۔'' میرے دل میں موجود زہر رفتہ رفتہ باہر نکل رہا تھا اور اس دن پہلی بار ماما نے مجھے سینے سے لگایا تھا۔ وہ دیر تک میری پیشانی پر بوسے دیتی رہیں۔ اس رات انہوں نے میرے لیے بہت ساری دعائیں کی تھیں۔ انہوں نے مجھے کہا۔

''عروج خدا تمہیں محبتوں سے نوازے...... تمہارے چہرہ خوشی کے نور سے چمکے۔ اللہ تمہارے نصیب میں وہ شخص لکھ دے جو کبھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑے۔''

اس دن بہت عرصے بعد میں مسکرائی تھی، خوش ہوئی...... مجھے یوں لگا جیسے ہمارے درمیان جو فاصلے تھے وہ مٹ گئے ہوں۔ لیکن میں غلط تھی۔ وہ فاصلے اب ساری زندگی پر محیط ہو گئے تھے...... اس رات نا جانے کون سے پہر ان کی روح ان کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

میری ماما مجھے اس بھری دنیا میں تنہا چھوڑ گئی تھیں۔

☆☆☆

ماما کے انتقال کے بعد جیسے رات دن کا فرق ختم سا ہو گیا تھا...... خاموشی سے پہلے بھی میری دوستی تھی...... لیکن اب اس سے دوستی گہری ہونے لگی تھی۔

ماما کے انتقال کے بعد پاپا مجھے گھر لے آئے تھے۔ کہنے کو اس گھر میں میرا باپ تھا ان کی اور ان کے بھائی کی فیملیز تھیں۔ میرے دادا تھے...... میری دادی تھیں...... لیکن مجھے کسی سے انسیت نہیں تھی، میں اپنے گھر واپس جانا چاہتی تھی...... ماما کے انتقال کو تین دن گزر چکے تھے...... اور ان تین دنوں میں نہ جانے کتنے اجنبی چہرے مجھے اپنے پن کا احساس دلا چکے تھے۔ تین دن بعد پہلی بار پاپا میرے کمرے میں آئے تھے...... اس وقت میں کھڑکی میں کھڑی لان میں لگے اونچے اونچے درختوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی، وہ بے حد خاموشی سے چلتے میرے برابر آ کر کھڑے ہو گئے تھے...... میں نے ان کی موجودگی محسوس کر کے بھی ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''عروج! بیٹا کیا آپ اپنے پاپا سے ناراض ہو۔'' وہ بہت آہستگی سے بولے...... ناراض تو اپنوں سے ہوا جاتا ہے...... آپ میرے لیے کبھی اپنے نہیں رہے...... میں آپ کو پہچانتی تو ہوں...... لیکن جانتی نہیں ہوں۔ پھر ناراضی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔'' میں نے ان کی محبت محسوس کر کے بھی منہ موڑا بالکل ویسے جیسے انہوں نے میری ماں کی محبت سے موڑا تھا۔

''عروج......! بعض اوقات جو نظر آ رہا ہوتا ہے وہ سچ نہیں ہوتا۔ تم میری بیٹی ہو اور میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ یہ ایک ایسا سچ ہے جس سے کوئی منہ نہیں موڑ سکتا اور نہ کوئی اس حقیقت کو بدل سکتا۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو تم نہیں جانتی ہو، جب تمہیں ابہا نے کچھ نہیں بتایا تو میں بھی کچھ نہیں بتا سکتا اور رہی میری محبت تو جب تم یہاں رہو گی تو تمہیں اس پر خود ہی یقین آ جائے گا۔''

''لیکن آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے میں یہاں رہوں گی۔ یہ میرا گھر نہیں اور جو میرا گھر ہے وہاں واپس جانے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا...... کوئی بھی نہیں۔'' میں ان کی بات کاٹتے بے حد بدتمیزی سے بولی۔

''تم ایسا کیوں بول رہی ہو۔'' اب کی بار انہوں نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

''کیوں کہ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں مسٹر احمد حیات...... نہیں مانتی میں آپ کو اپنا باپ' سن لیا آپ نے؟'' اتنے عرصے کا غصہ کا فوراً عود آیا اور سامنے کھڑے شخص کے جذبوں کو خاکستر کر گیا۔

اب کی بار وہ بنا کچھ بولے وہاں سے چلے گئے تھے...... اور میں روتے ہوئے بیڈ پر گر سی گئی تھی۔

☆☆☆

''حیات ولا'' میں میری ملاقات عجیب سے عجیب ترین لوگوں سے ہوئی تھی۔ جن لوگوں کے پاس کبھی میری ماں کے لیے محبت نہ تھی۔ وہی لوگ میرے لیے محبت کے سمندر بن گئے۔ ان کے خلوص پر کبھی کبھی مجھے رشک آتا۔ میں ڈرنے لگی تھی ان کی محبتیں کہیں میری نفرت کا گلا ہی نہ گھونٹ دیں۔

اس صبح جب سارا حیات ولا گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا...... ملگجے سے اندھیرے نے سارے شہر کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ لان کی گھاس اوس میں بھیگی ہوئی تھی اور درختوں کے پتے جھکے جھکے رب کی حمد و ثنا کر رہے تھے۔

ایسے میں، میں اپنے کمرے کا بیک ڈور کھول کر لان میں چلی آئی۔ آنکھیں موند کر لان میں ننگے پاؤں چہل قدمی کرنا مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ ایسا نہ جانے کیوں ہوتا تھا کہ جب بھی میرا دل تھوڑا پر سکون ہوتا...... میری آنکھیں بھیگ سی جاتی تھیں۔ میں بے آواز رو رہی تھی۔ ماما کی یاد شدت سے آ رہی تھی...... دل چاہ رہا تھا کہیں سے ماما آئیں اور میں ان کے سینے سے لگ جاؤں۔

میں نہ جانے کتنی دیر اور رونے دھونے کا شغل

جاری رکھتی اگر مین گیٹ کھلنے کی آواز نہ آتی..... اور وہ اندر نہ آتا۔

وہ عباد سکندر..... جو بارش کی پہلی بوند سا تھا۔ جو کھلتے گلابوں سی شادابی رکھتا تھا۔ جس کی آنکھوں میں جگنو کی چمک تھی..... اور جو پہلی نظر میں ہی مجھے اپنے حصار میں قید کر چکا تھا۔

میں نم آنکھوں سے یک ٹک اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کے وجود سے کرنیں پھوٹ رہی تھیں..... میری نظروں کا ارتکاز تھا شاید جو وہ وہاں سے سیدھا میری طرف ہی چلا آ رہا تھا.....

تیرہ سال کی عمر میں میں عروج احمد حیات اپنے سے دو سال بڑے شخص کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ تھی نا عجیب بات، لیکن بڑے شہروں میں اکثر عجیب باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ میرے سامنے آ کر مجھ سے صرف دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا اور اسے اپنے سامنے دیکھتے ہی میں نے ناگواری سے منہ پھیر لیا..... اک لمحے کی حماقت نے اسے میرے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

"رونا اچھی بات ہے..... اس سے آنکھیں بھی صاف ہوتیں اور دل بھی..... لیکن حد سے زیادہ رونا کبھی کبھی نقصان کا بھی سبب بن جاتا ہے۔" وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولتا گیا۔

"آپ کے آنے سے پہلے ہمارے گھر میں میں نے کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھے تھے لیکن جب سے آپ آئی ہیں خود بھی روتی رہتی ہیں اور ہم سب کو بھی افسردگی میں مبتلا رکھتی ہیں۔ ان گزرے پندرہ دنوں میں مجھے محسوس ہوا ہے کہ آپ بے حد خود غرض ہیں۔ تب ہی تو آپ کو اپنے سوا کسی کا دکھ نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ بڑے پاپا کا بھی نہیں جو آپ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اب سے نہیں ہمیشہ سے۔" وہ بات نہیں کر رہا تھا بات مار رہا تھا۔

"شٹ اپ..... آپ ہوتے کون ہیں میری زندگی میں دخل دینے والے۔" مجھے اس شخص پر شدید غصہ آیا، جو میرے ہی گھر کے پورشن میں کھڑا مجھے سنا رہا تھا..... دل اک لمحے کی خطا پر شرمسار ہوا۔ میں نے اقرار کیا ہر خوب صورت چہرے کے پیچھے خوب صورت دل نہیں ہوتا۔

☆☆☆

میں چاہ کر بھی وہاں سے جا نہیں سکی۔ پاپا نے میرا ایڈمشن شہر کے بہترین اسکول میں کروا دیا تھا۔ حسیب اور دانیال کے علاوہ میری ایک بہن بھی تھی افشاں احمد اور پاپا کے ساتھ ساتھ وہ سب بھی مجھ پر اپنا خلوص اور محبت بے دریغ لٹائے جاتے۔ ان سب کی محبتیں مجھے اتنا حیرت زدہ نہیں کرتی تھیں جتنی مجھے عالیہ حیات کی محبت پر حیرت ہوتی۔ عالیہ حیات میرے پاپا احمد حیات کی پہلی بیوی تھیں۔ ان کی نسلوں کی امین..... انہیں میں نے ہمیشہ سراپا محبت پایا..... مجھے کبھی ڈھونڈنے سے بھی ان کی محبت میں کھوٹ نظر نہیں آتا تھا۔

کبھی کبھی مجھے حیرت ہوتی تھی..... کیا کوئی عورت اتنی اعلا ظرف ہو سکتی ہے کہ اپنے ہی شوہر کی دوسری بیوی کی اولاد پر اپنی سچی محبت نچھاور کرے..... اتنی محبت تو مجھے میرے سگے دادا، دادی بھی نہیں کرتے تھے۔

میری خاموشیاں ٹوٹی تھیں تو اس کا سبب بھی وہ ہی تھیں..... میں جو مسکرانے لگی تو اس کی وجہ بھی وہ ہی تھیں۔ وہ گھنٹوں میرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتیں..... ماما کی باتیں..... انہوں نے ہی مجھے بتایا تھا کہ وہ ماما کی بیسٹ فرینڈ تھیں۔ ماما اور ان کا بچپن ایک ساتھ گزرا تھا۔ وہ خود ہی میری ماما کی باتیں کرتیں، خود ہی ہنستیں اور میں گم صم سی انہیں دیکھتی رہتی۔ آہستہ آہستہ میرا دل ان کی طرف مائل ہونے لگا تھا۔ وہ میرے لیے میری ماما کی دوست تھیں جن سے اب میری بھی دوستی ہونے لگی تھی۔

"جانتی ہو عروج، تم بھی بالکل لیہا ہی جیسی ہو۔ بس تمہاری آنکھیں اپنے سکندر چاچو جیسی ہیں۔ گہری سیاہ، خاموش سی، لیکن پھر بھی اپنی اور کھینچ لینے والی۔"

اس دن وہ میرے پاس لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی بول رہی تھیں..... اور میرے ذہن میں ماما کی اک پرانی کہی بات گونجنے لگی تھی۔

"عروج تمہاری آنکھیں مجھے اس شخص کی یاد دلاتی ہیں جسے میں بھولنا چاہتی ہوں۔"

ماما کو میری آنکھیں چاچو کی یاد دلاتی ہیں۔ وہ کیوں انہیں بھولنا چاہتی تھیں..... ماما پاپا سے دور کیوں رہتی تھیں..... میں خالی خالی نظروں سے عالیہ حیات کو دیکھتی سوچنے لگی تھی اور پھر میں نے وہ سوال عالیہ کے آگے رکھ دیا تھا۔

"جب ماما آپ کی بیسٹ فرینڈ تھیں تو انہوں نے پاپا سے شادی کیوں کی اور اگر شادی کر ہی لی تھی تو ہمیشہ ان سے دور رہ کر زندگی کیوں گزار دی میری ماما کے ساتھ کیا ہوا تھا عالیہ آنٹی۔"

"کچھ سوال، سوال ہی رہیں تو اچھا رہتا ہے عروج..... جو ماضی درد دے اسے بھول ہی جانا چاہیے۔ تم ابھی چھوٹی ہو۔ تمہاری پوری زندگی تمہارے سامنے بانہیں پھیلائے کھڑی ہے۔ خوش رہنا سیکھو میری جان۔" وہ بنا نگاہیں چرائے سنجیدگی سے بولیں..... اور اس ہی لمحے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس راز سے پردہ ہٹا کر رہوں گی..... اپنی ماں کے آنسوؤں کو تو مر کر بھی بھول نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

تیرہ سال کی عمر میں، میں وہاں آئی تھی..... اور اب میں سترہ سال کی ہو چکی تھی..... چار سال گزر گئے تھے..... بہت کچھ بدل گیا تھا۔ اور بہت کچھ میں نے قبول کر لیا تھا پاپا سے بھی ناراضی ختم ہو گئی تھی۔ اب تو میں ہر روز ان کے ساتھ واک پر جاتی دن بھر کی باتیں انہیں بتاتی۔

حسیب اور دانیال، افشاں ہی کی طرح میرا خیال رکھتے۔ دادا اور دادو جان کا بھی میں خود خیال رکھتی۔ سکندر حیات اور ان کی شریک حیات نرمین بھی اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ تصویر میں وہ رنگ جو پہلے اجنبی تھا۔ اب تصویر کی خوب صورتی کا سبب بن گیا تھا۔

حیات ولا کے مکینوں کے لیے عروج احمد کا وجود جیسے محبت کی علامت بن گیا تھا..... بس ایک عباد سکندر تھا جس سے پہلی ملاقات کے بعد میں نے کبھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جہاں موجود ہوتا وہاں میں کبھی بھول کر بھی قدم نہیں رکھتی۔ سب جانتے تھے کہ میں عباد کو سخت ناپسند کرتی ہوں۔ کیوں کرتی ہوں کوئی نہیں جانتا تھا۔

وقت گزر رہا تھا..... اور بہت اچھا گزر رہا تھا۔ لیکن کون جانتا تھا کہ عروج حیات کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ میں اپنے ذہن میں کن سوچوں کو پال رہی ہوں۔

☆☆☆

اس دن پاپا کو آفس جلدی جانا تھا۔ دانیال اور حسیب بھی یونیورسٹی ٹور پر گئے ہوئے تھے۔ گھر پر کوئی نہیں تھا۔ اس لیے میں رکشے میں کالج جا رہی تھی۔ ورنہ روزانہ تو خود پاپا مجھ کو پک اینڈ ڈراپ کرتے تھے۔ آج اگر ضروری ٹیسٹ نا ہوتا میں شاید چھٹی ہی کر لیتی۔

مجھے یوں اکیلا جانا بہت عجیب لگ رہا تھا۔ میں گھبرا رہی تھی۔ اور کہتے ہیں جب انسان ضرورت سے زیادہ گھبراتا ہے تو کچھ نا کچھ غلط ہو ہی جاتا ہے۔ جیسے اس کے ساتھ ہوا۔

آدھے راستے میں میرا رکشا خراب ہو گیا تھا۔ اوپر سے وہ روڈ بھی کافی سنسان تھا۔ اکا دکا گاڑیاں ہی گزر رہی تھیں۔

"بھیا رکشا کب ٹھیک ہو گا؟" پندرہ منٹ میں کوئی دس بار میں یہ سوال کر چکی تھی۔

"تھوڑی دیر لگے گی باجی....." اس کا بھی وہ ہی ایک جواب تھا۔ میں نے اپنے والٹ سے پیسے نکال کر اسے کرایہ دیا اور پیدل ہی کالج کے لیے چل پڑی۔ میرا خیال تھا کچھ دور جا کر مجھے کوئی اور رکشا مل جائے گا ابھی میں تھوڑی دور ہی پہنچی تھی کہ سیاہ رنگ کی کرولا میرے پاس رکی..... میں ڈری نہیں

تھی۔ کیوں کہ میں اس کار کے مالک کو پہچانتی تھی، اور اس کے باوجود میں رکی نہیں۔

گاڑی میں بیٹھو عروج.....'' کار کا شیشہ نیچے کر کے عباد سنجیدگی سے بولا۔ لیکن میں بنا سنے چلتی گئی۔ میں اس شخص کا احسان مر کر بھی نہیں لے سکتی تھی۔

''میں تم سے کہہ رہا ہوں عروج حیات۔'' اب وہ کار سے اتر کر اس کے پیچھے آیا تھا۔

''اور میں نے بھی سن لیا ہے۔ اور اس کے باوجود میں اگر آپ کی کار میں نہیں بیٹھ رہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ سے مدد نہیں لینا چاہتی۔'' میں دوٹوک بولی تھی اور دور سے نظر آتے رکشے کو ہاتھ کے اشارے سے روکنے لگی۔

''تم ایک پاگل لڑکی ہو۔ اور تمہیں ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ اس نے غصے سے کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

پہلے خود غرض اور پھر پاگل، تمہیں وقت آنے پر یہ بن کر دکھاؤں گی عباد سکندر..... میں نے خود سے عہد کیا اور رکشے میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

عباد سکندر..... یہ شخص مجھے پہلی نظر میں ہی اچھا لگا تھا بلکہ بہت اچھا اس سے پہلی ملاقات شاید میں ساری زندگی نہ بھول پاؤں، اور اس کے بعد..... میں نے ہر اس جگہ جانا چھوڑ دیا جہاں اس کے ہونے کا امکان بھی ہوتا۔ نفرت کے سفر میں اگر محبت ہمسفر ہو جائے تو منزل کھو جاتی ہے۔

اور ویسے بھی وہ شخص جتنا حسین تھا اتنا ہی مغرور بھی تو تھا۔ جس نے کبھی مجھ سے مسکرا کر بات تک نہیں کی، اس کے لیے کیسے اپنی ماں کے آنسو فراموش کر دیتی۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ مجھ سے چڑتا ہے۔ اور شاید اسے مجھ سے سخت قسم کی جیلسی بھی ہوتی ہوگی۔ اور اس کی وجہ بالکل صاف تھی۔ میرے آنے سے پہلے تک وہ گھر میں سب کا پسندیدہ تھا۔ پاپا سے لے کر دادو تک اس پر جان چھڑکتی تھیں اور پھر میں آئی۔ اور سب اس کے لاڈ اٹھانا جیسے بھول گئے۔

پہلے دادا جان اس کے ساتھ واک کرتے تھے۔ اب یہ اعزاز میرے حصے میں آ گیا تھا۔ پہلے دادو اس کے لیے دیر تک جاگتی تھیں۔ اب وہ مجھے کہانیاں سناتے ہوئے جاگتی تھیں۔ مجھے ذرا سا بخار نزلہ بھی ہو جاتا تو سب بے چین سے ہو جاتے۔ مجھے کبھی کبھی لگتا جیسے میں کسی ونڈر لینڈ میں آ گئی ہوں۔ اگر گزرے تیرہ برس میری زندگی میں نہ آئے ہوتے تو آج میں اپنے نصیب پر رشک کرتی لیکن اب صورت حال الگ تھی۔ صرف ایک عالیہ آنٹی تھیں جن سے میں محبت کرنے لگی تھی۔ باقی ہر شخص مجھے جھوٹا لگتا۔ اتنی محبتیں جیسے مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھیں۔ بظاہر سب کچھ نارمل جا رہا تھا۔ میں نے سب کو قبول کر لیا تھا۔ میں خوش بھی نظر آتی تھی لیکن یہ سب حقیقت نہیں اک فریب تھا مجھے ان سب سے بدلہ لینے کے لیے خود کو مضبوط بنانا تھا۔ اور اس ہی لیے میں ان سب کے ساتھ رہ رہی تھی۔

حیات ولا میں جہاں سب مجھ سے محبت کرنے لگے تھے، وہیں اک وہ تھا جو مجھے سخت ناپسند کرتا تھا..... وہ گھر میں سب سے محبت سے پیش آتا، سب کی عزت کرتا، افشاں پر تو جان چھڑکتا تھا وہ..... حسیب، دانیال اور افشاں، ان تینوں سے اس کی گہری دوستی تھی وہ چاروں جب بھی مل کر بیٹھتے لاؤنج قہقہوں سے گونجنے لگتا..... اور ساتھ ہی مجھے چڑ سی ہونے لگتی۔

عباد سکندر کے حوالے سے میں دن بہ دن عجیب ترین ہوتی جا رہی تھی۔

آج جب روڈ پر میرا رکشا خراب ہو گیا اور اللہ نے اسے میری مدد کے لیے بھیجا تو پہلے تو میں بہت خوش ہوئی۔ لیکن پھر اچانک مجھے اس کی پہلی گفتگو یاد آئی..... وہ توہین تو میں بھولی ہی نہیں تھی پھر کیسے میں اس کا احسان قبول کر لیتی۔ میں نے اسے انکار کر دیا تھا اور ہمیشہ کی طرح اسے فوراً غصہ آیا تھا۔

لیکن مجھے اس کے غصے کی پروا کیوں ہوگی وہ ہوتا کون ہے مجھ پر غصہ کرنے والا۔

☆☆☆

لاؤنج میں لگی بڑی سی ایل ای ڈی پر اس وقت میری پسندیدہ فلم کا آخری سین چل رہا تھا۔ ہیرو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہاتھ میں ادھ کھلا گلاب لیے ہیروئن سے اظہار محبت کر رہا تھا۔ ہیروئن کی بڑی بڑی بادامی آنکھیں موتیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میں اخروٹ اور چلغوزوں سے انصاف کرتی مکمل طور پر اس منظر کے سحر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سامنے والے صوفے پر بیٹھی افشاں ہاتھوں میں کتاب اور قلم لیے میری ہی منتظر تھی۔ کل اس کا فزکس کا ٹیسٹ تھا اور اس ہی کی تیاری کے لیے اسے میری مدد درکار تھی۔

''عروج آپی اور کتنا انتظار کروائیں گی۔ دس بج گئے ہیں۔'' ایک بار پھر اس کی پریشان آواز نے میرے ارتکاز میں خلل ڈالا۔

''افشاں تم ایسا کرو پرابلم میں سے ڈیٹا نکالو۔ بس پانچ منٹ کی ہی فلم رہ گئی ہے۔'' میں نے اسکرین پر نگاہیں مرکوز رکھے جواب دیا۔

''آپی ڈیٹا ہی تو نہیں بن رہا مجھ سے، ورنہ تو فارمولا لگا کر میں خود ہی جواب نکال لیتی۔'' اس کی آواز میں اب پریشانی کے ساتھ ساتھ غنودگی بھی شامل ہو رہی تھی۔

اس بار میں نے جواب نہیں دیا تھا۔ بار بار بولنے سے فلم کا مزا خراب ہو رہا تھا۔ میں ایک بار پھر اسکرین پر نظر آتے منظر میں کھو گئی تھی۔ اور اسی لیے مجھے پتا ہی نہیں چلا کب افشاں وہاں سے اٹھ کر چلی گئی ہے۔ فلم ختم ہونے کے بعد مجھے اس کا خیال آیا تھا، اور پھر میں اس کے روم میں گئی۔ لیکن یہ کیا وہ تو وہاں بھی نہیں تھی۔ سارے گھر میں ڈھونڈنے کے بعد وہ مجھے انکل سکندر کے پورشن میں نظر آئی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو افشاں..... میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈ رہی تھی۔'' میں نے سامنے بیٹھے عباد کو ناگواری سے دیکھتے سوال کیا۔ مجھے غصہ اس بات پر نہیں تھا کہ وہ وہاں بیٹھی ہے۔ مجھے غصہ اس بات پر آ رہا تھا کہ عباد اسے پڑھا رہا تھا۔

''آپی آپ کا انتظار کرتے کرتے مجھے نیند آنے لگی تھی۔ پھر عباد بھائی آئے انہوں نے کہا میں سمجھا دیتا ہوں پرابلم۔'' اس کے انداز میں شکایت کی ہلکی سی رمق بھی نہ تھی۔ وہ سادگی سے بول رہی تھی۔ مجھے نہ جانے کیوں شرمندگی ہوئی۔ وہ میری بہن تھی۔ جان لٹانے والی بہن، اور میرے لیے اس سے اہم، اپنی خوشی تھی۔ اور وہ عباد سکندر جو صرف اس کا ایک کزن تھا، وہ اپنے اتنے مصروف اوقات کار میں سے وقت نکال کر اسے پڑھا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے اس کی تھکاوٹ ظاہر ہو رہی تھی، لیکن اس کے لیے اپنی تھکاوٹ سے زیادہ افشاں اہم تھی۔

''آخر کیوں.....'' میں نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا، اور یہ میری نظروں کی تپش ہی تھی شاید جو اس نے بھی نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا تھا لیکن صرف ایک لمحے کے لیے۔

''اک کام کی بات بتاؤں افشاں..... ہمیشہ یاد رکھنا.....'' اب وہ افشاں کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔

''جی کہیں بھائی.....'' وہ پرابلم حل کرتی مصروف سی بولی۔

''اپنے سچے اور پرخلوص جذبے وہیں لٹانا جہاں ان جذبوں کی قدر ہو۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو آپ کی محبتیں اپنا حق سمجھ کر وصول تو کر لیتے ہیں لیکن آپ کو دینے کے لیے ان کے پاس وقت تک نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہ لوگ بہت خود غرض ہوتے ہیں۔ صرف لینا جانتے ہیں۔ صرف اپنا سوچتے ہیں۔'' وہ صاف مجھ پر چوٹ کر رہا تھا۔ شرمندگی کا جو احساس کچھ دیر پہلے جاگا تھا وہ کہیں دوبارہ سو گیا تھا۔ مجھے غصہ آیا اور میں چپ چاپ وہاں سے پلٹ آئی..... مجھے وہ مغرور انسان اور برا لگنے لگا تھا اب.....

☆☆☆

مجھے انتظار تھا تو بس اس لمحے کا جب مجھے میرے مجرم کا پتا چلتا۔ میں یہاں بدلہ لینے آئی تھی۔ حسیب اور دانیال یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہونے کے بعد پاپا کے بزنس کو جوائن کر چکے تھے۔ آج کل عالیہ آنٹی زور و شور سے ان کے لیے لڑکیاں تلاش کر رہی تھیں۔ افشاں میڈیکل کی تیاری میں مصروف تھی جب کہ عباد کچھ عرصے میں مزید تعلیم حاصل کرنے ابروڈ جانے والا تھا..... اور میں اب یونیورسٹی کے سکینڈ ایئر میں تھی۔ زندگی تیز بہت تیز گزر رہی تھی اور اب تک میں اپنی ماں کے ماضی سے انجان تھی اور شاید میں ہمیشہ انجان ہی رہتی دانیال اور حسیب کے مہندی کے فنکشن میں میری ملاقات شیریں آنٹی سے نا ہوتی۔

شیریں آنٹی جو میری ماما کی خالہ زاد بہن ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی بہت اچھی دوست بھی تھیں۔

اس دن میں سلور اور بوتل گرین کنٹراسٹ کے شرارے میں ملبوس ہمیشہ سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ حسیب اور دانیال کی شادی ہو رہی تھی اور میں بہت خوش تھی..... کیوں نا ہوتی وہ دونوں میرے بھائی تھے، جو جان دیتے تھے مجھ پر..... مہندی کی رسم کے بعد جس وقت میں اسٹیج سے اتر رہی تھی اس ہی وقت انہوں نے مجھے پکارا تھا۔

"تم لیہا کی بیٹی ہو نا....." یہ آواز الٹے ہاتھ پر موجود پہلی میز پر بیٹھی خواتین میں سے ایک کی تھی..... میں حیرانی سے "جی" بولتی ان کی طرف بڑھی۔

"میں شیریں ہوں تمہاری ماما کی کزن۔"

"آپ ماما کی کزن ہیں تو پہلے کیوں نہ ملیں مجھ سے۔" میرے ذہن میں سوال سر اٹھانے لگے۔

"کیوں کہ میں شادی کے بعد کینیڈا شفٹ ہو گئی تھی۔ اور پھر لیہا نے بھی تو خود کو دنیا کی بھیڑ میں گم کر لیا تھا۔" وہ افسردہ ہوئیں..... "تم بالکل اپنی ماں کا عکس ہو بیٹا.....! بس ایک کمی ہے۔ تم خاموش اور سنجیدہ سی ہو۔ جب کہ لیہا تو شوخ، چنچل اور شرارتی سی لڑکی ہوا کرتی تھی۔ خود بھی ہنستی رہتی تھی اور دوسروں کو بھی ہنساتی تھی۔ سب کا خیال رکھنے والی، خلوص اور جذبوں سے گندھی۔ وہ جہاں جاتی سب کو اپنا بنا لیتی تھی۔" وہ اب گم صم لگ رہی تھیں۔

"کیا ..... ماما ایسی تھیں....." میں حیران ہو گئی۔ "لیکن میں نے تو ماما کو کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"ہاں..... وہ ایسی ہی تھی کہ لوگ دیکھیں تو رشک کریں۔ چاند کی چاندنی سے زیادہ شفاف۔ لیکن وہ کہتے ہیں نا جو جتنا ہنستا ہے۔ اسے اتنا ہی رونا پڑتا ہے..... اس کے ساتھ بھی یوں ہی ہوا۔ کسی بدنظر کی نظر لگ گئی تھی اس کی خوشیوں کو۔"

شیریں آنٹی مجھے بہت کچھ بتانا چاہ رہی تھیں..... اور میں بھی ان سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی، لیکن تب ہی عالیہ آنٹی بلانے آ گئی تھیں، میں شیریں آنٹی سے معذرت کر کے اس وقت تو وہاں سے چلی آئی تھی، لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ ایک بار ان سے تفصیلی ملاقات ضرور کروں گی۔ میرے سوالوں کا جواب بس وہ ہی دے سکتی تھیں۔

☆☆☆

"عروج میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا سراب کے پیچھے مت بھاگو۔ ماضی کی راکھ کریدنے سے صرف آنکھیں جلتی ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جو گزر گیا اسے بھول جاؤ۔ تم کیوں وہ سب جاننا چاہتی ہو جو لیہا کبھی تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی۔" مہندی کے فنکشن کے بعد جب سارے مہمان رخصت ہو گئے تو عالیہ آنٹی میرے کمرے میں آئی تھیں اور آتے کے ساتھ ہی میرے پاس بیٹھتے بولیں۔

"آنٹی آپ کیا کہہ رہی ہیں مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" میں جا کر انجان بنی۔

"تم جانتی ہو میں کیا کہہ رہی ہوں۔ میں نے شیریں اور تمہاری باتیں سن لی تھیں۔ اپنوں سے زیادہ اپنا اور کوئی نہیں ہوتا عروج..... سمجھ کیوں نہیں جاتیں یہ بات۔" وہ پہلی بار مجھ سے غصے میں بول رہی تھیں۔

"جانتی ہوں میں کہ اپنوں سے زیادہ اپنا اور کوئی نہیں ہوتا اور جو میری اپنی تھیں وہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔" میں بھی دوٹوک بولی۔

"ہم سب محبت کرتے ہیں تم سے عروج....." وہ نرم پڑیں۔

"نہیں چاہئیں مجھے یہ محبتیں..... وہ محبت جو میری ماں کو نہ مل سکی، لعنت بھیجتی ہوں میں ایسی محبت پر۔"

"دیکھو چندا..... تم تیرہ سال کی تھیں جب یہاں آئی تھیں..... اب تم بائیس سال کی ہو چکی ہو..... گزرے نو سالوں میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جب میں نے تم کو افشاں سے الگ سمجھا ہو..... لیہا کے حوالے سے میں افشاں سے زیادہ تم سے محبت کرتی ہوں، ہمیشہ تمہیں میں نے اپنی بڑی بیٹی سمجھا ہے۔ جب سوچا تمہاری خوشی کا سوچا اور اب بھی تمہاری خوشی کا ہی خیال ہے مجھے۔ میری ہمیشہ سے دعا رہی ہے کہ تم ایک بہترین زندگی گزارو۔ اور اب تمہارا یہ اجنبی رویہ مجھے تکلیف دے رہا ہے۔ تم کیوں کر رہی ہو ایسا۔" وہ بولتے بولتے رو دی تھیں۔ اور ان کے آنسو دیکھ کر شرمندگی کا ایک گہرا احساس میرے اندر جاگا تھا۔

"عالیہ آنٹی مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔" مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ لیکن میں کیا کروں۔ "مجھ سے میری ماں کے آنسو نہیں بھلائے جاتے۔" میں ان کے ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولی تھی، اور اس بار انہوں نے بنا کچھ کہے مجھے گلے سے لگا لیا تھا اور ہر بار کی طرح مجھے یوں لگا جیسے ماما نے مجھے سینے سے لگا لیا ہو۔ یہ واحد محبت تھی جس پر مجھے کبھی شک نہیں ہوا۔

☆☆☆

آج حسیب بھائی کی بارات کا فنکشن تھا.....

آج میں نے گولڈن کلر کی گھیر دار فراک پہنی ہوئی تھی، اپنے لمبے بالوں کو میں نے پشت پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ جب کہ میک اپ کے نام پر میں نے صرف لپ گلوس اور آنکھوں میں گہرا گہرا کاجل لگایا تھا..... اور یہ شاید اندرونی خوشی کی چمک تھی جو اتنی سی تیاری میں بھی میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہاتھوں میں پہنی چوڑیوں کی کھنک نے میری خوب صورتی میں مزید اضافہ کیا تھا..... تیار ہو کر میں مصروف سے انداز میں اپنے کمرے سے نکلی اور یہ ہی وجہ تھی کہ سامنے سے آتے عباد سکندر کو میں دیکھ نہ سکی اور اس سے جا ٹکرائی۔

"اف کیا مصیبت ہے، دیکھ کر نہیں چل سکتے تھے۔" اس ٹکرانے کی وجہ سے کچھ چوڑیاں ٹوٹ کر میری کلائی کو زخمی کر چکی تھیں..... میں نے چڑ کر بولتے اسے دیکھا اور حیران رہ گئی۔

کیا کوئی سیاہ شیروانی میں اتنا حسین بھی لگ سکتا ہے..... میں اپنی نظریں کچھ لمحوں کے لیے اس پر سے ہٹا ہی نہیں سکی تھی..... لیکن یہ کیا..... وہ بھی مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا مگر کیوں..... نظروں سے نظر ملی اور پھر میں نے نگاہیں جھکا لیں۔

"جلد بازی ہمیشہ نقصان کا باعث بنتی ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں انسان کو دیکھ کر چلنا چاہیے۔" وہ اپنے لہجے میں لاپروائی سموتا، میرا ہاتھ تھام کر واشن بیسن کی طرف بڑھا..... اور مجھے نہ جانے کیا ہوا تھا کہ سحر زدہ سی اس کے سنگ چلتی چلی گئی۔ اس کے انداز میں لاپروائی مگر آنکھوں میں فکر..... یہ تضاد کیوں تھا۔

ٹھنڈے پانی سے ہاتھ دھلوانے کے بعد اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"فنکشن کے بعد یاد سے کوئی کریم لگا لینا۔" اس نے ہدایت دی.....

"اور ہاں..... حسیب تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" وہ جاتے جاتے یاد آنے پر بولا۔ وہ تو کچھ بھولتا نہیں

تھا...... پھر آج کیا ہوا تھا اسے...... عباد کے جانے کے بعد میں نے سوچا...... اور پھر مسکراتی ہوئی اس کے پیچھے چل دی...... وہ آج مجھے دوسری بار اچھا لگا تھا...... اپنا اپنا......

☆☆☆

حسیب اور دانیال کی شادی کے فنکشن ختم ہوئے تو زندگی دوبارہ اپنے معمول پر آتی چلی گئی...... سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہوتے گئے...... عباد کا امریکا کا ویزا لگ گیا تھا۔ اگلے ہفتے وہ چار سال کے لیے امریکا جا رہا تھا۔ سب نہ جانے کیوں افسردہ تھے۔ حالانکہ یہ تو خوشی کی بات تھی...... خیر مجھے کیا...... حیات ولا کے مکین تو ہیں ہی عجیب...... بلکہ بے حد عجیب...... آج کل دادو کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھی...... وہ بات بات پر عباد کے بچپن کا کوئی قصہ لے کر بیٹھ جاتیں...... مزے کی بات یہ تھی میں ان قصوں میں ذرہ برابر دلچسپی نہیں رکھتی تھی، اور دادو شاید اس بات سے انجان تھیں اس لیے وہ یہ سارے قصے مجھے ہی سناتیں...... اور ان کی محبت کے آگے میں بے بس سی وہ سب سنے جاتی۔

دادا جی اور میری مارننگ واک میں عباد ایک بار پھر شامل ہو گیا تھا...... وہ خزاں کے دن تھے...... درختوں کے پتے زرد ہو کر سڑکوں پر بکھرے پڑے تھے۔ ہم روزانہ جب واک پر نکلتے تو یہ پتے جیسے ہمارا استقبال کرتے......

آج کل یوں ہوتا کہ میں اور دادا جی واک پر نکلتے اور پھر کچھ دیر میں عباد بھی شامل ہو جاتا...... دادا جی اس سے باتیں کرنے لگتے اور میں آہستہ آہستہ کہیں پیچھے رہ جاتی۔ عباد دادا جی کی باتیں سنتا اور میں سوکھے زرد پتوں کے نوحے نہ جانے کیوں اس کی خاموشی بھی ان دنوں مجھے بولتی محسوس ہوتی...... وہ مجھ سے باتیں نہیں کرتا تھا، اور میرا دل کرتا وہ مجھ سے بات کرے۔ وہ جا رہا تھا تو میں کیوں اداس ہو رہی تھی مجھے تو وہ بالکل پسند نہیں تھا...... میں تو اس سے چڑتی تھی...... اور اب...... دل کیوں کہہ رہا تھا یہ لمحے رک جائیں...... کیوں اسے دیکھ کر اب میں سب بھولنے لگی تھی۔ ''عروج۔'' میں صنوبر کے درخت کو دیکھ رہی تھی جب اس کی آواز میری پشت پر ابھری...... میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ اکیلا کھڑا تھا۔

''دادا جی......!'' میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''انہیں اپنا کوئی پرانا دوست مل گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے مجھے کہا تم عروج کو گھر لے جاؤ۔'' وہ نہ جانے کیوں مسکرایا۔ میں نے الجھن سے اسے دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتی اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اب ہم دونوں آہستہ آہستہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

''میں کل یہاں سے جا رہا ہوں۔ تم خوش ہو۔'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ میرے قدم تھم سے گئے...... وہ بھی رک گیا۔ ہم دونوں اس وقت شاہ بلوط کے درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ ''تم نے ہمیشہ مجھے ناپسند کیا...... جب تمہاری نظر اٹھی اس میں میرے لیے ناپسندیدگی کے رنگ ہی تھے...... اور خود مجھے بھی تم ہمیشہ خود غرض ہی لگیں...... ایک ایسی لڑکی جو صرف اپنا سوچتی ہے۔ تم بہت ضدی ہو۔ مجھے تمہاری جیسی لڑکیاں جو زیادہ وقت رونے میں گزار دیتی ہیں کبھی اچھی نہیں لگیں۔ مگر پتا نہیں کیوں آج تمہارے سامنے کھڑا ہوں تو یوں لگ رہا جیسے تم امریکا میں مجھے سب سے زیادہ یاد آؤ گی۔ حالانکہ ہم کبھی دوست نہیں رہے۔'' وہ خود بھی الجھا ہوا لگ رہا تھا۔

''خیر...... مجھے یاد ہے میں پہلی ملاقات میں تم سے کافی بدتمیزی سے پیش آیا تھا...... میں تم سے اس کے لیے معافی مانگنا چاہتا تھا لیکن باوجود کوشش کے نہیں مانگ سکا۔ کیا اب میں معافی مانگوں گا تو تم معاف کر دو گی۔'' وہ بولتے بولتے اچانک شرارت سے مسکرایا اور میں جو اس کی ڈارک براؤن آنکھوں پر نگاہیں مرکوز کیے ہوئے تھی مسکرا بھی نہ سکی۔ کچھ لمحے محبت کے ہوتے ہیں۔ وہ بھی شاید ایسا ہی لمحہ تھا۔ پہلی بار جب اسے دیکھا تو اس کے حسن نے مجھے قید کیا تھا...... آج اس کے لفظ حصار باندھ رہے تھے۔

''زندگی کبھی آپ کو مسکرانے کا نہیں کہے گی۔ مسکرانے کے جواز آپ کو خود تلاش کرنے پڑتے ہیں۔'' ''انتقام سے زیادہ معاف کر دینے میں سکون ہے۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''جو ہم بدل نہیں سکتے اسے ویسے ہی قبول کر لینا چاہیے۔'' وہ پتا نہیں کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔

اب اس نے دوبارہ سے چلنا شروع کر دیا تھا...... میں اس کے قدموں پر اپنے قدم رکھتی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی...... ہوائیں نہ جانے کیوں رقص کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''میرا دل کہتا ہے عباد سکندر تم جا تو رہے ہو لیکن یاد رکھو عروج احمد حیات تمہیں بہت یاد کرے گی۔'' گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوتا وہ اب شرارت سے بولا۔

''یہ عباد سکندر کے دل کی خوش فہمی ہے۔'' اب کی بار میں نے سنجیدگی سے جواب دیا اور اس سے آگے نکل گئی۔ دلوں کے راز بنا کسی جائز رشتے کے کسی پر آشکار نہیں کرنے چاہئیں۔ خاص کر محبوب پر۔

☆☆☆

''محبت طویل قربت کا ردعمل نہیں ہے...... یہ تو وحی کی طرح ہماری روحوں میں اتاری جاتی ہے۔ یہ تو ایک احساس ہے جو محسوسات سے ماورا ہے اور یہ احساس روحانی ہم آہنگی سے جنم لیتا ہے۔ ہم جذبہ محبت پر قادر نہیں ہیں اسے ایک مدت میں تو کیا صدیوں میں بھی تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔'' (خلیل جبران)

یہ سرخ رنگ کا کارڈ تھا جس پر خوب صورت رائٹنگ میں یہ تحریر درج تھی۔ اس کے ساتھ ہی ڈیزی کے پھولوں کا ایک پیارا سا گلدستہ تھا۔ یہ ویسا ہی پارسل تھا جو پچھلے کچھ سالوں سے لگاتار مجھے ملتا رہا...... دینے والی کوئی لڑکی ہی تھی یہ تو کنفرم تھا۔ لیکن کون تھی یہ نہیں پتا تھا...... پارسل پر کبھی بھی اس کا ایڈریس یا نام درج نہیں ہوتا۔ اب تو اتنا عرصہ گزر گیا تھا یہ پارسلز ملتے کہ اگر کبھی میری کسی کامیابی پر یہ کارڈز نہیں ملتے تو میں پریشان سا ہو جاتا۔ ان کارڈز پر لکھنے والے نے کبھی اپنے لفظ نہیں تحریر کیے۔ ان پر ہمیشہ کسی مشہور مصنفین کے اقوال درج ہوتے۔

میں نے اپنی الماری کھولی...... وہاں اک قطار میں اب تک ملے سارے کارڈز رکھے تھے۔ میں نے وہ سارے کارڈز نکال کر اپنے ہاتھوں میں لیے اور سامنے بیڈ پر رکھتا گیا۔ صرف کارڈز ہی نہیں بہت سے تحفے بھی تھے جو مجھے اس ان دیکھی ان جانی لڑکی نے بھیجے تھے...... اور ان ہی تحفوں میں وہ ونڈ چائم بھی تھا جو اس وقت میرے کمرے کی اکلوتی کھڑکی میں لٹکا ہوا تھا...... میرا دل کہہ رہا تھا عباد تم ان کارڈز کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ اور پھر میں نے دل کی بات مان لی اور وہ سارے کارڈز اور ونڈ چائم اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا۔

محبت احساس ہے، جو انجانے لمحے میں، ہماری روح پر آشکار ہوتا ہے۔ اور مجھے لگتا تھا جس لڑکی سے میں کبھی ملا ہی نہیں۔ جس کا نام تک نہیں جانتا میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔

اور پھر میں محبتوں کی سرزمین سے برف کے شہر میں آ گیا تھا۔ یہاں کے موسم جتنے سرد تھے لوگ بھی اتنے ہی سرد تھے...... کسی کے پاس کسی کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں ہمیشہ سے جوائنٹ فیملی میں رہا تھا اب یہاں کی تنہائی مجھے راس نہیں آتی تھی۔ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں وہی ونڈ چائم لٹکا دیا جو میں پاکستان سے اپنے ساتھ لایا تھا...... ہوا کے ہر سرد جھونکے کے ساتھ اس میں پیدا ہونے والے مدھر سر مجھے اس اجنبی لڑکی کی یاد دلاتے تھے...... تنہائی کے اس

سکھایا..... میں جن آنسوؤں سے چڑتا تھا مجھے اب ان کا مطلب سمجھ آیا تھا..... میں تو صرف چار سال کے لیے پاکستان سے امریکا آیا تھا۔ وہ بھی اپنی مرضی سے..... اور وہ..... وہ ساری زندگی کے لیے اپنا گھر چھوڑ کر آئی تھی..... اس نے اپنی زندگی کے تیرہ سال جس رشتے کے ساتھ گزارے وہ اس سے ہمیشہ کے لیے چھن گیا تھا..... اس کے آنسو تو برحق تھے..... میں یہاں آکر اس کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ اور میں جتنا سوچتا، میرا دل اتنا اس کی طرف مائل ہونے لگتا۔

اس کا غصہ، اس کی سنجیدگی، اس کی ضد..... سب کچھ یاد آتا مجھے..... اور بہت شدت سے یاد آتا..... میں اسے سوچتا تو پتا نہیں کیوں مجھے اچھا لگتا۔ ''محبت سفید لباس میں ملبوس عمر وعیار ہے۔ ہمیشہ دوراہوں پر لا کھڑا کر دیتی ہے.....'' آج کل مجھے بانو قدسیہ کی کہی گئی اس بات پر یقین آنے لگا تھا..... میرے ساتھ سب کچھ عجیب ہو رہا تھا۔

کبھی کبھی مجھے لگتا جیسے مجھے وہ سارے کارڈز اور گفٹس بھیجنے والی اور کوئی نہیں عروج احمد ہی ہے..... اور پھر اگلے ہی پل میں اپنی اس سوچ پر خوب ہنستا..... میں نے ہمیشہ اس کے لہجے میں اپنے لیے ناگواری ہی محسوس کی تھی۔ اس نے جب مجھے دیکھا ناپسندیدگی سے دیکھا۔ پھر کیسے وہ مجھے یہ کارڈز بھیج سکتی ہے۔

کبھی کبھی مجھے لگتا میں عروج سے محبت کرنے لگا ہوں..... اور پھر اگلے ہی لمحے میرا دماغ مجھ سے سوال کرتا ''عباد اگر تمہیں عروج سے محبت ہے تو تم نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں اس انجان لڑکی کا دیا ونڈ چائم کیوں لٹکایا ہوا ہے۔ کیوں تم اس کے دیے کارڈز روز پڑھتے ہو..... میں الجھ چکا تھا۔ محبت مجھے دوراہے پر لے آئی تھی۔

چار سال گزر گئے۔ انتظار ختم ہو گیا۔ اگلے ہفتے کی فلائٹ سے میں واپس پاکستان جا رہا تھا اور میں بہت خوش تھا۔

☆☆☆

''زندگی میں سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ محبت کریں اور کروائیں۔'' (گورگ سینڈ)

''تمہیں خوشبوؤں کے دیس میں خوش آمدید عباد سکندر۔''

پاکستان پہنچنے کے محض چند گھنٹے بعد ایک بار پھر وہ کارڈ موصول ہوا تھا۔ ساتھ ہی سرخ گلابوں کا ایک گلدستہ بھی تھا۔

نہ جانے کیوں آج ان پھولوں کو موصول کرتے مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی..... شاید میں منتظر تھا اس کارڈ کا..... سرخ گلابوں کے اس گلدستے کو میں نے ناک کے قریب کر کے سونگھا اور تازہ پھولوں کی دل فریب مہک کو اپنے اندر اتارا..... چار سال لگے تھے..... لیکن میں جان گیا تھا، وہ سرخ گلاب، وہ کارڈز، وہ سب تحفے مجھے کون بھیجتا تھا۔

مجھے ایئرپورٹ سب رسیو کرنے آئے تھے، لیکن بس وہ نہیں آئی تھی، گھر آکر بھی وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی..... چار سالوں کا انتظار اتنا مشکل تھا۔

''عباد تم تھکے ہوئے آئے ہو..... جاؤ جا کر اپنے کمرے میں آرام کرو۔ شام میں ملاقات ہوگی۔'' اس کو دیکھے بنا یہ آنکھیں بند ہونے پر راضی نہیں تھیں۔

تنگ آکر میں اپنے کمرے کی بڑی سی فرنچ ونڈو سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا..... یہ ونڈو لان میں کھلتی تھی..... اس وقت میری نظروں کے سامنے سرخ گلابوں اور ڈیزی کے پھولوں کی باڑ تھی۔

چار سال پہلے یہ پھول عروج نے خود اپنے ہاتھوں سے لگائے تھے..... وہ ہر روز کالج جانے سے پہلے خود ان کو پانی دیتی تھی..... چار سالوں کی محبت اور توجہ نے ہمارے لان کی خوب صورتی میں اضافہ کیا تھا..... اس کے لگائے پھول میرے سامنے تھے، لیکن وہ خود کہاں رہ گئی تھی.....

شام کے بعد رات ہو گئی..... میں ٹھنڈے پانی سے شاور لے کر تیار ہو کر اپنے روم سے باہر آیا تو ماما پاپا میرے ہی منتظر تھے۔

ماما نے بتایا آج کا ڈنر عالیہ آنٹی کی طرف ہے..... اور پھر ہم سب وہاں آگئے تھے۔ حسیب اور دانیال کے بچوں کے ساتھ کھیلتے افشاں سے باتیں کرتے، کتنی ہی بار میں نے اسے تلاشا لیکن چاند اب تک بادلوں میں اوجھل تھا۔

''ارے عباد بھائی آپ سب کے لیے گفٹ لائے ہیں۔ عروج آپی کا گفٹ کہاں ہے۔'' میں جب سب کو گفٹ دے کر فارغ ہوا تو افشاں حیرانی سے بولی۔

''تمہاری عروج آپی مجھ سے ملی بھی تو نہیں ہیں۔'' اور میں نے اپنا جملہ مکمل کیا ہی تھا کہ وہ کچن سے نکلتی دکھائی دی..... اپنے سلکی بالوں کو لاپروائی سے کیچر میں قید کیے..... بلیک ٹراؤزر اور بلیک ہی شرٹ میں انتہائی رف سے حلیے میں بھی وہ نہ جانے کیوں مجھے دنیا کی سب سے حسین لڑکی لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے اک لمحے کے لیے اس نے مجھے مسکرا کر دیکھا ہے۔ لیکن وہ نا تو مسکرائی تھی اور نہ ہی اس نے اب تک مجھے دیکھا تھا، پھر مجھے ایسا کیوں محسوس ہوا۔

''عروج آپی.....! عباد بھائی سب کے لیے گفٹ لائے ہیں۔ لیکن آپ کے لیے کچھ نہیں لائے۔'' افشاں میڈیکل کے آخری سال میں تھی، لیکن اس کی معصومیت وہی تھی۔

''جانتی ہوں۔'' عروج جواب میں بے حد سنجیدگی سے بولی اور اس کی سنجیدگی مجھے اس بار مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

''جانتی ہو افشاں سب کچھ بہت بدل گیا ہے، لیکن کچھ لوگوں کی خود غرضی اب تک نہیں بدلی، وہ اب بھی صرف اپنا ہی سوچتے ہیں..... یہ نہیں کہ کوئی اگر اتنے سال بعد لوٹ کر آیا ہے تو اسے ویلکم ہی کہہ دیا جائے۔'' میں نے مسکرا کر افشاں کو دیکھتے اس پر ہی چوٹ کی..... نا جانے کیوں دل اس سے بات کرنے کو ضد پر اتر آتا تھا۔

لیکن یہ کیا؟ وہ تو پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ ہو چکی تھی، بنا کوئی جواب دیے وہاں سے چلے گئی۔

''کچھ لوگوں کا ویل کم کہنے کا انداز الگ ہوتا ہے عباد! ہماری عروج تو ویسے بھی سب سے منفرد ہے۔ کچھ دیر بعد جو مزے دار کھانا تم کھانے والے ہو وہ عروج نے ہی تمہارے اعزاز میں بنایا ہے۔'' عالیہ آنٹی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ہاں بھائی! آپ کو پتا ہے ہماری عروج آپی تو ایک مشہور این جی او کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ وہ ہم سب کی طرح عام انسان نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہے۔''

آپ ابھی نئے ہیں اس لیے انجان ہیں۔ آہستہ آہستہ جان جائیں گے، اور پھر آپ کو احساس ہوگا کہ آپ نے انہیں خود غرض کہہ کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔'' افشاں اب بڑی سنجیدگی سے بہن کی خوبیاں بیان کر رہی تھی۔

حرا بھابھی اور عائشہ بھابھی نے مل کر کھانا لگایا تھا۔ تب تک وہ بھی فریش ہو کر آگئی تھی۔ بے بی پنک کلر کے سادہ سے کپڑوں میں وہ کسی کھلتے گلاب سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی میری نظریں بار بار بھٹکتے ہوئے اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ میں آج جتنا مسکرا رہا تھا اتنا میں چار سال میں بھی نہیں مسکرایا تھا..... میں نے نوٹ کیا اس نے برائے نام چاول اپنی پلیٹ میں نکالے تھے..... وہ اتنی سنجیدہ کیوں ہو گئی تھی..... میں حیران ہوا۔ کھانے کی میز سے سب سے پہلے وہ اٹھی تھی۔ اس کی واپسی سوٹ ڈش کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک بار پھر وہاں سے غائب ہو گئی، تو ثابت ہوا وہ اب بھی مجھ سے کتراتی ہے۔

☆☆☆

آج پھر میں اور دادا جان واک پر نکلے تھے..... چار سال بعد ایک بار پھر اس نے ہمیں

جوائن کیا تھا..... وہ آیا اور میں ایک بار پھر پیچھے رہ گئی..... وہ جب بھی آتا تھا میں ہمیشہ کہیں پیچھے رہ جاتی تھی۔

وہ جارہا تھا تو سڑکیں خزاں زدہ تھیں۔ درخت خالی ہوگئے تھے۔ سوکھے زرد پتے اپنے نوحے سناتے تھے۔ لیکن اب جو وہ لوٹ کر آیا تھا تو سنگ بہار لایا تھا..... میں ایک بار پھر صنوبر تلے اکیلی کھڑی رہ گئی تھی..... دل خواہش کررہا تھا وہ آئے..... کیوں کررہا تھا دل خواہش..... میں ابھی خود سے پھر میری خواہش پوری ہوئی وہ آ گیا۔

''دادا جی کہاں ہیں.....'' میں نے سنجیدگی سے سوال کیا.....

''وہ تھک گئے تھے..... میں انہیں گھر چھوڑ آیا ہوں۔'' وہ مسکرایا اور دل نے اعتراف کیا اس مسکراہٹ سے زیادہ حسین دنیا میں اور کچھ نہیں۔

''کیا ہم بات کرسکتے ہیں عروج!'' وہ اب سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''ہم کیا بات کرسکتے ہیں عباد۔'' میں مسکرا بھی نہ سکی۔

''اچھا چلو بات نہیں کرتے..... بس میں چاہتا ہوں تم مجھے سنو..... اور میں بولوں..... جو کب سے بولنا چاہتا ہوں۔''

اب کی بار میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ میری خاموشی ہی میرا جواب تھی۔ میں اس کو سننے کو تیار تھی۔ چاہے پھر وہ ساری زندگی بولتا رہے۔ میں سن سکتی تھی۔ محبت کو سننے سے زیادہ اور کیا خوب صورت ہوسکتا ہے۔

''میرا دل کہتا تھا عباد سکندر تم عروج حیات کو امریکا میں سب سے زیادہ یاد کرو گے..... میرا دل سچ کہتا تھا..... میں نے اتنا یاد کیا تمہیں کہ خود کو بھولنے لگا..... میں خود کو کیوں بھولنے لگا تھا عروج۔'' اس نے سوال کیا۔

''تم نے کہا تھا تم بولو گے اور میں بس سنوں گی۔'' میں نے اسے اس کی بات یاد دلائی۔

''یہ سوال نہیں تھا اظہار تھا۔'' وہ مسکرایا۔

''ہاں شاید، لیکن ادھورا اظہار.....'' وہ بھی مسکرائی۔

''مکمل اظہار مکمل لمحے میں کروں گا۔'' میں نے اس کی مسکراہٹ نگاہوں میں قید کی۔ ہمارا گھر سامنے تھا۔ منزل پر پہنچتے ہی گفتگو کا بھی اختتام ہوا۔

☆☆☆

دادا جان پہلے ہمیشہ عروج سے میری باتیں کرتے تھے اور اب وہ مجھ سے اس کی باتیں کرنے لگے تھے..... سب اس کو میرے حوالے سے سوچتے تھے۔

کیوں..... مجھے اب معلوم ہوا کہ ہماری محبت کسی کی دعا کا ثمر ہے..... اب جب میرے جذبے سچے تھے تو میں ان کے جذبوں کو موتیوں کو اک جائز رشتے کے دھاگے میں پرونا چاہتا تھا..... اور اس ہی لیے میں اب پاپا کے سامنے تھا۔

''پاپا آپ کہتے تھے نا میں عروج کے بارے میں سوچوں..... تو اب میں نے اس کو اتنا سوچا ہے کہ دل کہتا ہے اسے اپنی زندگی میں بھی شامل کرلوں..... مجھے اس کا ساتھ چاہیے پاپا.....''

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے عباد..... مجھے تمہارے انتخاب پر فخر ہے۔'' ان کی آنکھوں میں جگنو چمکے۔

''تو بس پھر آپ آج ہی بڑے پاپا سے بات کریں گے۔'' دل کچھ زیادہ ہی جلد باز ہوا۔

''میں آج ہی احمد بھائی سے بات کروں گا۔'' وہ مجھ سے زیادہ خوش تھے۔

میرا دل کہہ رہا تھا۔ ''جھومو عباد سکندر..... نہ کوئی ہجر ملا نہ کوئی رقیب آیا..... تمہاری محبت تمہاری ہوئی۔''

☆☆☆

''سکندر میں مر بھی جاؤں تب بھی عروج کا ہاتھ تمہارے بیٹے کے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔ تم عباد کے لیے افشاں مانگتے تب بھی شاید میں سوچتا۔ لیکن میری عروج تمہاری بہو کبھی نہیں بن سکتی سکندر۔'' پاپا کی غصے سے بھری آواز میرے کانوں سے ٹکرائی اور میں حیران رہ گئی۔ پاپا چاچو پر اتنا غصہ کیوں کررہے تھے۔ عباد، افشاں کے لیے قبول تھا تو میرے لیے کیوں نہیں..... دوسروں کی باتیں سننا میں جانتی تھی غلط ہے لیکن باوجود کوشش کے میں خود کو روک ہی نہیں سکی۔

''احمد بھائی آپ تو عباد کو اپنے بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں۔ پھر اس ہی کی خواہش پر اتنا برہم کیوں ہیں۔'' کچھ دیر بعد سکندر چاچو کی آواز ابھری۔

''کیوں کہ وہ تمہارا خون ہے تمہارا بیٹا ہے۔ تم پر ہی گیا ہوگا۔'' پاپا کا غصہ تو بڑھتا ہی جارہا تھا۔

پاپا اپنی ہی بیٹیوں میں فرق کیوں کررہے تھے۔ آخر سکندر چاچو کی کیا غلطی تھی جو پاپا اتنا برہم ہورہے تھے۔ مجھے اپنے دل میں کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ آنکھیں نم ہوئیں اور میں دودھ کا گلاس واپس کچن میں لے آئی۔

دل کہے رہا تھا جا کر پاپا سے کہوں کہ میں بھی عباد سے محبت کرتی ہوں، آپ کیوں میرا دل اجاڑ رہے ہیں، لیکن دماغ اس وقت کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا جب مجھے سب پتا چل جانا چاہیے تھا اور یہ سب جاننے کی خواہش ہی تھی جو اتنے سالوں بعد مجھے شیریں آنٹی کے سامنے لے آئی تھی۔ اور جو کچھ انہوں نے مجھے بتایا وہ سب ناقابل یقین تھا۔ رشتوں سے اعتماد اب پھر سے ختم ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

آغا حیات خان کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا۔ وہ اپنے علاقے کے ایک بااثر آدمی تھے..... کئی ایکڑ پر پھیلی زرعی اراضی پشتوں سے ان کی خاندانی جاگیر کے طور پر ان کے حصے میں آئی تھی۔ عالم حیات اور صہیب حیات ان کے دو ہی بیٹے تھے۔ دونوں بھائیوں میں مثالی محبت تھی۔ اور پھر ان دونوں کی شادی بھی قسمت سے ایک ہی گھر میں ہوئی جس کی وجہ سے دونوں بھائیوں کا رشتہ مزید مضبوط ہوگیا۔ عالم حیات کے دو بیٹے تھے۔ بڑے احمد عالم حیات اور چھوٹے بیٹے سکندر عالم حیات تھے۔ جب کہ صہیب حیات کو اللہ نے صرف اپنی رحمت یعنی لیہا حیات سے نوازا تھا۔

ابھی یہ بچے چھوٹے ہی تھے کہ ان کے دادا، دادی اس دارفانی سے رخصت ہوگئے۔ دونوں بھائی اپنا خاندانی گھر چھوڑ کر اور زمینیں بیچ کر ایبٹ آباد شفٹ ہوگئے تھے۔ صہیب حیات کو سیاحت کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ وہ سال میں ایک بار تو ضرور باہر ملک کے دورے پر نکلتے لیہا کو چھوٹی ہونے کے سبب وہ ہمیشہ اس کی تائی اور تایا کے پاس چھوڑ جاتے۔ ایسے ہی ایک بار وہ ترکی کی سیاحت کے لیے نکلے اور کبھی واپس نہ آسکے۔ ایک پلین کریش نے انہیں ہمیشہ کے لیے اپنوں سے دور کردیا۔

ماں باپ کے انتقال کے وقت لیہا حیات محض دو سال کی تھی، اسے معلوم ہی نہیں ہوسکا کہ قیامت اس پر آ کر گزر گئی۔ وہ بڑی ہوئی تو عالم حیات کو باپ کے روپ میں اور شاہانہ بیگم کو ماں کے روپ میں دیکھا۔ جب کہ سکندر اور احمد دونوں اس کے بہترین دوست تھے۔ ایک ایسے دوست کہ جان مانگنے پر بھی انکار نہ کریں۔ وہ حیات ولا کی شہزادی تھی۔ اسے دنیا میں اللہ نے صرف خوش رہنے کے لیے ہی بھیجا تھا۔ وہ محبتوں کے سائے میں پلی اور پھر بڑی ہوئی۔ لیکن اللہ نے صرف ایک ہی تو موسم نہیں بنایا تھا۔ اب تک اس کی زندگی میں صرف بہار ہی آئی تھی۔ اسے خزاں کا بھی ذائقہ چکھنا تھا۔

کامسٹ یونیورسٹی ایبٹ آباد کیمپس کے لان میں اس وقت تین دوستوں کا ایک گروپ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ تین لڑکیوں کا یہ گروپ یونیورسٹی میں تھری اسٹارز کے نام سے جانا جاتا تھا۔

عالیہ، لیہا اور شیریں..... وہ تینوں لڑکیاں بچپن کی دوست تھیں۔ چوبیس گھنٹوں میں سے بارہ گھنٹے ان کے ساتھ ہی گزرتے تھے۔ جو دوستی ان کے

درمیان تھی ویسی دوستی بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ وہ تینوں محبت کی لڑی میں موتیوں کی صورت تھیں۔ ان کا ساتھ اٹوٹ تھا۔ وہ ساتھ ہوتیں تو کوئی انہیں افسردہ نہیں کرسکتا تھا۔ دکھ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی سوچتا تھا۔ ان کے پاس کرنے کے لیے ہزاروں باتیں اور یہ باتیں اتنی بے حساب تھیں کہ روز کرنے سے بھی ادھوری رہ جاتیں۔ جیسے ابھی وہ تینوں باتیں کرتی بے فکری سے قہقہے لگا رہی تھیں۔

یہ سردیوں کا موسم تھا۔ درختوں کے پتے گر چکے تھے۔ لیکن بنجر درخت اب بھی شان سے کھڑے تھے۔ وہ بھی ایسے ہی ایک خالی بنجر درخت کے نیچے بیٹھی گرما گرم سموسے اور کافی سے انصاف کرتی، نرم گرم دھوپ کا مزا لے رہی تھیں۔ ساتھ ہی لیہا حیات مسلسل شیریں آفندی پر ہنس بھی رہی تھی..... وجہ محبت تھی جو شیریں احسان کو حمزہ آفریدی سے ہوگئی تھی۔

"لوگ دوستوں کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اور تم اتنی بدتمیز ہو کہ میرے حال دل پر ہنس رہی ہو مذاق اڑا رہی ہو۔" وہ چڑ کر بولی تو لیہا کی ہنسی میں مزید اضافہ ہوا..... لیکن جب اس نے شیریں کا منہ بنتے دیکھا تو اس ہنسی پر بمشکل قابو پایا۔ اور بولی۔

"محبت تو اتنا حسین احساس ہے یار۔ جیسے خزاں میں اچانک پھول کھلنے لگے۔ دھوپ میں برسات ہونے لگے۔ صحرا میں اچانک گلستان نظر آجائے۔ تم کیوں اس احساس کو محسوس کرکے بھی ناشکری کررہی ہو یار۔"

"ایسا صرف تم محسوس کرسکتی ہو جناب۔ کیوں کہ یہ جو تمہارے دو عدد کزن ہیں نا وہ جان دیتے ہیں تم پر محبت کے معاملے میں تم جتنی خوش نصیب ہو اتنا کوئی نہیں ہوتا لیہا حیات۔" اب کی بار شیریں بنا چڑے مسکرا کر بولی۔

"ماشاء اللہ ..... اور ہم لوگ چاہتے ہیں تم ہمیشہ خوش نصیب ہی رہو۔" عالیہ جو کب سے خاموش بیٹھی تھی خلوص سے بولی۔

"یار میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ایک کھڑوس انسان سے محبت ہوگئی ہے۔ اور یہ میری شاید بدقسمتی ہے۔ وہ تو میرے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہے۔" وہ بہت جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"چاہے وہ تمہیں کچھ بھی سمجھتا ہوں۔ تمہاری محبت اگر سچی ہوگی شیریں تو حمزہ اک دن خود تمہارا ہوجائے گا۔ محبت کسی کو نہیں رلاتی۔ محبت تو آفاقی جذبہ ہے۔ تم پر وارد ہوا ہے تو خود کو خوش قسمت سمجھو۔" لیہا نے اب کی بار اسے سنجیدگی سے سمجھایا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ لیہا تمہیں محبت پر اتنا یقین کیسے ہے۔ تم سکندر سے اتنی محبت کیوں کرتی ہو یار۔" عالیہ جو لیہا سے بہت محبت کرتی تھی اور کبھی کبھی اسے لیہا کی شدتیں دیکھ کر ڈر سا لگنے لگتا تھا، اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں سکندر سے اتنی محبت کیوں نہ کروں عالیہ، جب اللہ نے اسے بنایا ہی میرے لیے ہے۔ تائی جان نے ہمیشہ مجھے یہ ہی بتایا کہ میں سکندر کا نصیب ہوں اور سکندر میرا..... میں اس سے کیوں محبت نہ کروں جس کی آنکھوں میں نے ہمیشہ اپنے لیے محبت کے رنگ دیکھے ہیں۔ جیسے مقناطیس اپنی طرف کھینچتا ہے نا دوسرے مقناطیس کو..... بالکل ویسے ہی محبت کی بھی کشش محبوب کو اپنی طرف کھینچتی ہے..... وہ میرے لیے کبھی انجانا نہیں تھا۔ اسے ہمیشہ میں نے خوشبو کی طرح اپنی سانسوں میں مہکتا محسوس کیا ہے۔ جب سے میں نے جذبوں کو سمجھنا محسوس کیا تب سے میں نے اس ہی سے محبت کی ہے۔" وہ ہمیشہ کی طرح سکندر کی باتیں کرتے بے خود ہوگئی تھی..... محبت اس کی آنکھوں کے چراغوں میں جگنوؤں کی طرح چمکنے لگی۔

اور اس پل عالیہ بخت نے جانا، محبت بے خود کردیتی ہے۔ محبت جس دل میں بس جائے۔ اس دل سے پھر انسان کا اختیار اٹھ جاتا ہے۔

زندگی میں ہر انسان محبت کرتا ہے۔ کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی کے دل کا بے تاج بادشاہ ضرور بنتا ہے۔ یہ ایک مقدس جذبہ ہے۔ عالیہ بخت کا دل بھی تو کسی کی محبت کا اسیر تھا۔ کب سے تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔ شاید تب سے جب اس نے پہلی بار احمد عالم حیات کو دیکھا تھا۔ یا تب سے جب اس کے دل نے خواہش کی کہ وہ جو اس کے دل کا فاتح ہے وہ لیہا ہی کی طرح اس کا بھی خیال رکھے اس سے بھی باتیں کرے۔ وہ کئی سالوں سے احمد حیات کی محبت میں گرفتار تھی اور یہ واحد راز تھا جو اس نے کبھی لیہا سے بھی نہیں شیئر کیا تھا۔

"واہ! کیا تعلق ہے یار..... تم نے نام لیا اور وہ حاضر ہوگیا۔" سوچوں کے جال سے عالیہ کو شیریں کی آواز نے نکالا تھا۔

لیہا نے مسکراتی نظروں سے دور گیٹ سے نظر آتی سفید کرولا کو دیکھا۔

"سکندر نہیں آیا..... احمد بھائی آئے ہیں۔" وہ پورے یقین سے بولی تھی۔ حالانکہ ابھی کار سے کوئی بھی نہیں اترا تھا۔

"کیا مطلب تم اتنی پریقین کیسے ہو۔" عالیہ نے دھڑکتے دل سے حیران ہوکر پوچھا۔

"کیوں کہ جتنی شدت سے میں نے سکندر کو نہیں پکارا تھا، اس سے زیادہ شدت سے کسی کے دل نے احمد بھائی کو پکارا تھا۔" وہ شرارت سے بولتی اپنا سامان سمیٹنے لگی۔

"شیریں، عالیہ، آؤ تم دونوں بھی میرے ساتھ چلو، ہم ڈراپ کردیں گے۔" بیگ پیک کرتے اس نے ان دونوں کو بھی آفر کی۔

"نہیں تم جاؤ..... میں بھائی کو میسج کرتی ہوں وہ لینے آجائیں گے۔" اس نے فوراً انکار کیا تھا، کیوں کہ سامنے کھڑی سفید کرولا سے ٹیک لگائے وہ احمد حیات کو دیکھ چکی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو میسج کرنے کی، تم چل رہی ہو میرے ساتھ، آؤ شیریں دیر ہورہی ہے۔" اس نے عالیہ کا ہاتھ پکڑا اور شیریں کو پکارا۔

"اسلام علیکم..... تم سناؤ کیسی ہو..... اور آج کل کہاں گم ہو..... پرسوں خالہ آئیں تب بھی تم نے چکر نہیں لگایا۔" احمد بھی اب اس سے باتوں میں مصروف ہوگیا تھا۔

لیہا بیگ سے چاکلیٹ نکال کر کھانے لگی۔ جب کہ عالیہ کھڑکی سے نظر آتے منظر دیکھتی بظاہر ان سب سے انجان لگ رہی تھی لیکن اس کا سارا دھیان احمد کی ہی طرف تھا۔

کچھ دیر بعد شیریں کا گھر آگیا تو وہ کار سے اتر گئی۔ اب بس خاموشی اور وہ دونوں رہ گئی تھیں۔

"کیا بات ہے میڈم..... آج آپ کیوں اتنی خاموش خاموش ہیں۔ کسی سے لڑائی تو نہیں کرلی یونیورسٹی میں۔" احمد نے اسے چھیڑتے ہوئے بات کرنے کے لیے اکسایا..... وہ ان کے گھر کی چڑیا تھی، جو خاموش ہوتی تو سب کو کچھ ہونے لگتا تھا۔

"اچھا تو میں آپ کو ایسی لگتی ہوں۔ گھر چلیں بی جان کو شکایت لگاتی ہوں۔" وہ منہ بنا کر بولی اور کھڑکی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"لگتا ہے بہت زبردست لڑائی کرکے آئی ہو۔" وہ ہنوز شرارتی موڈ میں تھا۔ پیچھے بیٹھی عالیہ کو وقتی طور پر وہ بھول ہی چکا تھا۔

"بس اب میں آپ سے بات ہی نہیں کروں گی۔" وہ جھٹ سے خفا ہوئی۔

جب ہمیں پتا ہو کوئی ہمیں منالے گا۔ تو ہم یوں ہی جلدی سے خفا ہوجاتے ہیں۔

"اچھا بابا..... آئی ایم سوری۔" وہ مسکرایا جیسے اسے لیہا کو منانا سب سے زیادہ پسند ہو۔

"آپ کا سوری میں تب قبول کروں گی جب آپ میری ایک بات مانیں گے۔" مسکراہٹ چھپاتے فرمائش کی گئی۔

"اور وہ بات کون سی ہے؟" وہ مستقل مسکرا رہا تھا۔

"آپ وعدہ کریں جو میں مانگوں گی وہ ضرور دیں گے۔" ہاتھ آگے کیا گیا۔

"کبھی انکار کیا ہے۔" احمد نے لیہا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے وعدہ کیا۔ اور تب ہی گاڑی رکی تھی اور عالیہ کا گھر آ گیا...... وہ خدا حافظ کہتی اتر گئی۔

گاڑی ایک بار پھر چل دی۔

"احمد بھائی! میں عالیہ سے بہت محبت کرتی ہوں، اور وہ بھی کسی سے بہت محبت کرتی ہے۔ جانتے ہیں کس سے۔" اب کی بار وہ بہت سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

"کس سے۔" اس نے یوں ہی پوچھا۔ اور جواب ملنے کے بعد اپنے سوال پر افسوس کیا۔

"احمد حیات سے۔" اسے لگا لیہا مذاق کر رہی ہے۔ اس نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ہمیشہ سے زیادہ سنجیدہ تھی۔

"وہ جتنی محبت آپ سے کرتی ہے اتنی محبت آپ کو کوئی نہیں دے سکتا، آپ اس سے شادی کر لیں نا احمد بھائی۔ وہ بہت اچھی ہے۔ سب سے اچھی۔" اس نے انوکھی فرمائش کی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو۔" گاڑی جھٹکے سے رکی۔ وہ برہم ہوا۔

"آپ نے وعدہ کیا تھا۔" یاد دلایا گیا۔

"بھاڑ میں گیا وعدہ۔"

گاڑی ایک بار پھر اسٹارٹ ہوئی۔ اس بار رفتار حد سے زیادہ تیز تھی۔ لیکن وہ خوف زدہ نہیں ہوئی۔ اسے یقین تھا احمد عالم جب تک لیہا حیات کے ساتھ ہے لیہا حیات کو کوئی خطرہ چھو بھی نہیں سکتا۔

"آپ مجھے انکار کر رہے ہیں احمد بھائی۔" وہ بے یقینی سے بولی۔

کچھ ہی دیر میں کار حیات ولا کے گیٹ کے باہر جھٹکے سے رکی تھی۔

"اترو......" وہ غصے بولا۔ اس کا سوال نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

"پہلے آپ مجھے جواب دیں۔" وہ ضد پر اتری۔

"لیہا میں کہہ رہا ہوں اترو کار سے۔"

"نہیں میں نہیں اتروں گی جب تک آپ جواب نہیں دیں گے۔"

"لیہا زندگی بھر کے فیصلے لمحوں میں نہیں کیے جاتے۔ تم وقت تو دو۔" اب کی بار اس نے غصے کی جگہ نرمی سے بات کی تھی۔ جس پر وہ خوشی سے سرہلاتی کار سے اتر گئی تھی۔ اور اس کے اترتے ہی احمد زن سے گاڑی گھما لے گیا۔

☆☆☆

وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا...... آج کل اس کے سمسٹر ایگزیمز چل رہے تھے۔ اور اس ہی وجہ سے کمبائن اسٹڈی کرتے اس کو کافی دیر ہو جاتی تھی۔ بی بی جان اور آغا جان کو وہ بتا چکا تھا کہ کچھ دن وہ گھر دیر سے آئے گا اس لیے کوئی اس کے انتظار میں نہیں جاگتا تھا سوائے لیہا حیات کے۔

وہ رات کو جتنے بجے بھی گھر میں داخل ہوتا اس کے لیے دروازہ وہی کھولتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک وہ گھر نہیں پہنچے گا لیہا یوں ہی اس کے انتظار میں جاگتی رہے گی۔ اس کی عادت تھی کہ وہ اس وقت تک جب تک گھر کا ہر فرد گھر نہ آ جاتا۔ وہ سب کا احساس کرتی تھی۔ اور یہ ہی بات سکندر کو سب سے اچھی لگتی تھی۔

وہ اس کی کزن ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھی دوست بھی تھی۔ دونوں کی عمروں میں بھی زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس کا بچپن اس کے ساتھ ہی کھیلتے گزرا تھا۔ اس کے ہوتے اسے کبھی کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا لیہا اس سے محبت کرتی ہے اور وہ خود بھی تو اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا لیہا اس کا نصیب ہے اور یہ ہی سبب تھا کہ اسے اپنے نصیب پر رشک آتا تھا۔

وہ تھی ہی ایسی کہ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اپنے نصیب پر فخر کرتا۔ کبھی برسات سی...... کبھی بہار سی، انتہائی حساس لڑکی، خود سے پہلے دوسروں کا سوچنے والی...... بی جان اور آغا جان اس کے سگے ماں باپ نہیں تھے لیکن پھر وہ جان دیتی تھی ان پر...... اتنا

خیال تو احمد اور سکندر بھی نہیں رکھتے تھے ان کا۔

لیہا کو اس نے جب بھی دیکھا مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اس کے علاوہ کبھی کوئی رنگ اس کے چہرے پر چچا ہی نہیں۔ اور اب...... ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اپنی سالوں پرانی روش بھول چکی تھی۔ آج جب وہ گھر میں داخل ہوا تو کوئی اس کا منتظر نہیں تھا۔ لاؤنج کا گیٹ پہلے سے کھلا ہوا تھا۔ وہ حیران حیران اپنے کمرے میں آیا تھا۔ نائٹ ڈریس پہننے کے بعد اس نے اپنے کمرے کی گلاس ونڈو پر پردے ڈالے اور ابھی وہ اپنے بیڈ کی طرف مڑ ہی رہا تھا کہ چونک کر پلٹا، پردے سرکائے۔ لان کے اندھیرے میں جو چاندنی روشنی بن کر اتر رہی تھی وہ بھی آج اس ہی چاندنی کا حصہ بنی بیٹھی تھی۔

وہ حیران ہوا۔ رات کے اس پہر میں وہ لان میں کیوں تھی؟ گھڑی میں دیکھا رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ رات ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

"اداس ہو لیہا؟" وہ اس کے پاس کچھ فاصلے پر آ کے بیٹھا۔

"نہیں تو......" سکندر کو دیکھ کر وہ مسکرائی...... مسکرانا فرض ہو گیا تھا۔

"پھر پریشان ہو۔" وہ بھی مسکرایا۔

"ہاں۔" اس نے اعتراف کیا۔ جو شخص ساتھ بیٹھا تھا وہ زندگی تھا اس سے لیہا حیات کیسے کچھ چھپا سکتی تھی۔

"تم جانتے ہو نا میری بیسٹ فرینڈ عالیہ کو۔ بلکہ تم تو ہزاروں بار مل چکے ہو اس سے...... وہ پسند کرتی ہے احمد بھائی کو...... نہیں پسند نہیں محبت کرتی ہے وہ احمد بھائی سے۔" وہ پریشان سی بتا کہے بتانے لگی۔

"جانتا ہوں۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔ اس کی ہنسی اتنی خوب صورت تھی کہ چاندنی پھیکی پڑنے لگی۔

"کیسے!" جھیل سی آنکھوں میں حیرانی ابھری۔

"ہزاروں بار مل چکا ہوں۔ تمہارا بچپن اس کے ساتھ گزرا ہے تو میرا بھی تو گزرا ہے یار...... اور پھر محبت کرنے والے محبت کرنے والوں کو پہچان لیتے ہیں۔ محبت کے رنگ سب سے منفرد جو ہوتے ہیں۔"

لیہا کے چہرے پر لفظ محبت کے نام پر گلال ابھرا۔ وہ مسکرائی اور پھر شرما سی گئی۔

"لیکن احمد بھائی اسے پسند نہیں کرتے سکندر۔" اس نے پریشانی کی وجہ بتائی۔

"اور تم اس لیے پریشان ہو۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ لیہا نے ہاں میں سر ہلایا۔

"یار محبت اپنا رستہ خود بنا لیتی ہے۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو، اگر اللہ نے ان دونوں کا ساتھ لکھا ہو گا تو وہ مل جائیں گے۔ اللہ کی مرضی کے آگے تو ہر بشر بے بس ہے۔" سکندر نے لیہا کو سمجھایا۔

"لیکن سکندر میں اسے اداس نہیں دیکھ سکتی۔" پریشانی کی اصل وجہ سامنے آئی۔

"اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ سکندر عالم تمہیں افسردہ نہیں دیکھ سکتا۔ اب پلیز مسکرا دو۔ یہ پریشانی اس چاند چہرے پر جچتی نہیں۔" اور سکندر کی اس بات پر لیہا حیات کھلکھلا کر ہنس دی۔ یوں جیسے ساون کی پہلی بارش۔

اور دور اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا احمد عالم حیات یہ منظر بے حد سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بس اک لمحے سوچا۔ اور فیصلہ ہو گیا۔ احمد حیات نے لیہا حیات کو کبھی انکار نہیں کیا تھا۔ وہ اب بھی انکار نہیں کرے گا۔

☆☆☆

اور پھر...... یہ احمد حیات ہی جانتا تھا اس نے بی بی جان اور آغا جان کو کس طرح عالیہ کے لیے راضی کیا۔ بی بی جان کی خواہش تھی حیات ولا میں شیریں احسان احمد، حیات کی دلہن بن کر آئے۔ لیکن جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ احمد حیات کے نصیب میں تو عالیہ ہی لکھی تھی، پھر کیسے کوئی اور اس کی جگہ لے سکتا تھا۔ احمد اور عالیہ کی شادی میں لیہا نے اپنے سارے ارمان پورے کیے۔ اس نے احمد کی

بہن بن کر عالیہ سے نیگ وصول کیے۔ اور عالیہ کی بہن بن کر احمد سے..... یہ مشکل لمحے تھے احمد کے لیے، لیکن وہ محبت کے لیے سہہ گئے لیہا اور سکندر ..... وہ دونوں ہی احمد کی زندگی تھے ..... ان کی خوشیاں سب سے اہم تھیں۔

وقت گزرا..... عالیہ نے بہت جلد اپنی بے لوث محبت سے حیات ولا میں اپنا مقام بنالیا۔ احمد نے بھی اسے بہت محبت دی۔ اللہ نے پہلے حسیب اور پھر دانیال کو ان کی زندگی میں بھیجا۔ اب آغا جان سکندر اور لیہا کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ سکندر اور لیہا دونوں ہی خوش تھے۔ لیہا اپنی شادی کی ساری شاپنگ اپنی پسند سے کر رہی تھی۔ ہر روز وہ، عالیہ اور شیریں شاپنگ پر نکل جاتیں۔ سکندر نے خود اپنے ساتھ لے جا کر اسے شادی کا جوڑا دلایا تھا۔ فرنیچر پسند کرنے بھی وہ دونوں ساتھ مردان گئے تھے۔ ایک ایک چیز ارمانوں سے خریدی جا رہی تھی۔ سب خوش تھے..... احمد کے لیے تو ویسے بھی ہمیشہ لیہا کی خوشی اہم رہی تھی..... شادی کے بعد انہوں نے کبھی بھی لیہا کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔

سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا..... شادی میں کچھ ہی دن رہ گئے تھے۔ اس کی ساری کزنز حیات ولا آ چکی تھیں۔ ہر رات ڈھولکی بجتی، گانے گائے جاتے، لیہا خود بھی ان سب کا ساتھ دیتی۔

لگتا تھا زندگی میں خوشیوں کی برسات ہو رہی ہے۔

مہندی کی رات آئی۔ اس کے ہاتھوں میں سکندر کے نام کی مہندی سجی۔ اس نے سکندر کے نام کا پیلا جوڑا پہنا۔ اور پھر وہ رات بھی گزر گئی۔ وہ صبح طلوع ہوئی جس کا نہ جانے کب سے انتظار کیا تھا دو محبت کرنے والوں نے۔

☆☆☆

لیہا تیار ہو کر بیوٹی پارلر سے آ چکی تھی۔ جس نے دیکھا بے ساختہ ماشاء اللہ کہا۔ شادی کا سارا انتظام گھر کے لان میں ہی کیا گیا تھا۔ عالیہ اور شیریں اب تک تیار ہونے میں مصروف تھیں۔

شیریں کے جھمکے کا ہک ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے پاس دوسرا ایئر رنگ نہیں تھا۔ عالیہ نے اسے اپنی الماری کی چابیاں دے کر کہا وہ خود دوسرے ایئر رنگز تلاش کر لے۔ خود وہ لائنر لگا رہی تھی۔ اگر ذرا بھی غلطی ہو جاتی تو پورا منہ دھونا پڑ جاتا۔ اس کی ساری توجہ کیک لائنر اور برش کی طرف تھی۔

جب کہ دوسری طرف شیریں نے غلطی سے عالیہ کے بجائے احمد کی دراز کھول لی تھی۔ اس میں بھی بہت سے باکس پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک باکس اٹھایا۔ تو غلطی سے دوسرا باکس نیچے گر گیا۔

وہ اٹھانے کے لیے جھکی..... اور حیران رہ گئی۔ اس باکس میں تو لیہا کی تصویریں تھیں اور زمین پر گری ڈائری۔

وہ غیر محسوس انداز میں اسے اٹھا کر پڑھنے لگی۔ اور شاکڈ رہ گئی۔

"عالیہ..... احمد بھائی لیہا سے محبت کرتے تھے۔" وہ حیرانی سے بولتی عالیہ کی طرف پلٹی۔ اس کی آواز بھی یا کوئی دھماکا۔

عالیہ کا لائنر لگاتا ہاتھ کانپا، آنکھ کے باہر برش سے لکیر لگی۔ وہ جھٹکے سے پلٹی اور اس کے ہاتھ میں ڈائری اور تصویریں دیکھ کر حیران ہوئی۔

"میں نے تمہیں دوسری دراز کا کہا تھا شیریں۔" وہ غصہ نہیں ہوئی تھی۔ بس شرمندہ تھی۔ بھرم ٹوٹا تھا نا۔

"تم کیسے رہ رہی ہو اس شخص کے ساتھ جو تم سے محبت نہیں کرتا عالیہ!" شیریں گنگ سی تھی۔

"میں تو ان سے محبت کرتی ہوں نا..... بس کافی ہے..... محبت سب بھلا دیتی ہے۔"

کیا لیہا جانتی ہے احمد بھائی اس سے محبت کرتے ہیں۔" اس کی آواز تھوڑی بلند ہوئی۔ اور اسی وقت سکندر جو عالیہ کو ڈھونڈتا یہیں آ رہا تھا دروازے پر ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔

"پتا نہیں لیہا جانتی ہے یا نہیں..... لیکن اس

سے فرق نہیں پڑتا ہے۔ احمد لیہا سے محبت کرتے ہیں۔ بلکہ بے حساب کرتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ ان کی آنکھوں میں اس کا عکس دیکھا ہے۔ مجھے تو ان کی زندگی میں آئے صرف چار سال ہوئے۔ اور وہ تو ان کے دل میں ہے اور وہ بھی نا جانے کتنے سالوں سے۔" عالیہ کی آواز سکندر کے کانوں میں سیسہ انڈیل رہی تھی۔ وہ اگر جانتیں کہ ان دونوں کی یہ بے مقصد لایعنی گفتگو اک ہنستی مسکراتی لڑکی کی زندگی میں زہر گھول دے گی تو وہ زندگی بھر لب نہ کھولتیں۔ سکندر سے اس سے زیادہ نہیں سنا گیا۔ خوشیوں کو نظر لگ گئی تھی۔ وہ الٹے قدموں وہاں سے پلٹ آیا۔

☆☆☆

کیا سرخ رنگ کسی پر اتنا خوب صورت بھی لگ سکتا تھا جتنا لیہا حیات پر لگ رہا تھا۔ آئینے نے اس کے عکس کو دیکھا تو نفی میں سر ہلایا۔

آج اس کا اس کمرے میں آخری دن تھا..... وہ کمرہ جہاں اس نے خواب دیکھے تھے ..... پھر ان خوابوں کی تعبیر کی خوشی محسوس کی..... جہاں اس کے اپنے دل نے لاتعداد سرگوشیاں کی تھیں..... آج وہ اس کمرے سے رخصت ہو کر ہمیشہ کے لیے سکندر کے کمرے میں جا رہی تھی۔ اور وہ خوش تھی..... بے حد..... بے حساب۔

وہ اپنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ جب دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا..... اس نے آنکھیں کھولیں..... اور آنے والے نے اس کی آنکھوں میں حیرانی کے رنگ بھر دیے.....

"سکندر تم اس وقت یہاں، گلابی لب حیرت سے بولے۔

"مجھ کچھ ضروری بات کرنی ہے تم سے لیہا۔" وہ سنجیدہ تھا۔ ایسی سنجیدگی جو دلوں کو دھڑکا دے۔

"اس وقت۔" وہ بات مکمل نہ کر سکی..... سکندر کے اگلے جملے نے اس کو ساکت کر دیا تھا۔

"میں تم سے شادی نہیں کر سکتا لیہا....."

"یہ بہت گھٹیا مذاق ہے سکندر!" اس کا رنگ زرد ہوا۔ دل بے یقین ہوا۔

"لیکن یہ مذاق نہیں ہے۔ میں جا رہا ہوں لیہا۔" وہ خوفناک حد تک سنجیدہ تھا۔

"تم محبت کرتے ہو مجھ سے سکندر..... آج ہمارا نکاح ہے۔" وہ اسے پتا نہیں کیا سمجھانا چاہ رہی تھی۔ لیکن سامنے کھڑا شخص اس وقت سوچنے سمجھنے کی حدوں سے نکل چکا تھا۔

"میں فیصلہ کر چکا ہوں لیہا، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا..... مگر اب میں باوجود محبت کے تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"وجہ۔" لیہا کی آنکھیں پتھر ہوئیں۔

"میرے جان سے پیارے بھائی کے دل میں بستی ہو تم..... اور اب جب میں یہ حقیقت جان چکا ہوں تو میرے لیے تمہارے ساتھ زندگی گزارنا ناممکن ہے۔ ایک ہی گھر میں رہتے، ہر روز یہ بات میری غیرت پر کوڑے کی طرح لگے گی..... میں تمہیں اپنا کر ساری زندگی کی اذیت نہیں خرید سکتا۔"

اس وقت محبت سو گئی تھی..... وہ بس ایک غیرت مند آدمی بن گیا تھا۔

"اگر احمد بھائی مجھ سے محبت کرتے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے سکندر..... تم مجھے ایک ایسی خطا کی سزا دے رہے ہو جو میں نے کی ہی نہیں۔" وہ سسکی۔

"لیکن جرم تو میرا بھی کوئی نہیں..... سزا تو میں بھی کاٹوں گا۔"

وہ موم نہیں ہوا..... اور پھر ہر التجا رد ہو گئی..... وہ چلا گیا ساری زندگی کی ذلت کو اس کا مقدر بنا کر۔

لیہا حیات کو لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہو، آنکھ کھولے گی سب ٹھیک ہو گا۔ لیکن وہ غلط تھی۔

☆☆☆

تکلیف کے جس پل صراط سے لیہا گزر رہی تھی۔ اس ہی پل صراط سے احمد حیات بھی تو گزر رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے

سکندر کو ڈھونڈ لائے۔ اور کالر سے پکڑ کر لیہا کے سامنے لا کھڑے۔ اور پوچھے، بتاؤ کیا ملا تمہیں اک ہنستی مسکراتی لڑکی کو ویران کر کے۔

وہ رات دیر تک سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔ وہ ڈر رہا تھا گھر جانے سے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جن آنکھوں میں اس نے ہمیشہ بہار کے رنگ دیکھے تھے۔ اب ان آنکھوں میں خزاں کو ٹھہرتے کیسے دیکھے گا۔ اسے پہلی بار اپنے بھائی سکندر سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔

اس واقعے کو ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ اور اس دوران ایک بار بھی احمد کا سامنا لیہا سے نہیں ہوا تھا۔ اس نے ایک کمرے کو ہی اپنا مسکن بنالیا تھا۔ آغا جان، بی بی جان، عالیہ..... وہ کسی سے بات نہیں کرتی تھی اور نہ ملتی تھی۔ مسکرانا تو اب خواب ہوا۔ وہ تو اس ایک ماہ میں ایک لفظ تک نہیں بولی تھی۔ ایک ماہ پہلے تک یہ ہی حیات ولا اک سریلی کوئل کی کوک سے گونجتا تھا، اور اب وہ کوئل بھول گئی تھی کہ کوک ہوتی کیا ہے۔

کچھ وقت اور گذرا..... لیہا نے حالات سے آہستہ آہستہ سمجھوتا کرنا سیکھ لیا..... وہ اب پہلے کی طرح تو نہیں، مگر تھوڑی بہت آغا جان اور بی بی جان سے باتیں کر لیتی تھی۔ البتہ عالیہ کا سامنا کرتے وہ اب بھی کتراتی تھی۔ اور رہا احمد..... تو وہ اسے سکندر سے بھی زیادہ قابل نفرت لگتا..... وہ اس کا چہرہ تک دیکھنا نہیں چاہتی تھی..... وہ ہی تھا جسے وجہ بنا کر سکندر اسے چھوڑ گیا تھا۔

"آخر کب تک لیہا تم اپنی زندگی کو روگ بنا کر گزارو گی۔ تین سال گزر چکے ہیں اور کسی واقعے کو بھلانے کے لیے یہ ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے۔ زندگی میں آگے بڑھو۔ اور جانے والوں کو بتاؤ تمہارے بعد بھی جہاں اور ہیں۔"

آج کل بی بی جان ہر روز اس سے کچھ اسی ہی طرح کی باتیں کرتی تھیں۔ لفظوں کا ہیر پھیر تھا..... معنی ایک ہی تھے۔ سکندر حیات دو سال پہلے شادی کر چکا تھا اور نرمین اور عباد اس کے دو بچے تھے۔

"میں آگے بڑھ چکی ہوں بی بی جان..... اسی لیے تو زندہ ہوں۔" وہ ہنس کر کہتی۔

اور بی بی جان پھر اتنی ہی سنجیدگی سے پوچھتیں۔

"زندہ ہونا اسے کہتے ہیں لیہا۔"

"سانس تو لے رہی ہوں نا بی بی جان۔" وہ خود کو کسی دوسرے کام میں مصروف کر کے بات ہی ختم کر دیتی۔

پھر کچھ دن گزرتے..... بات نئے سرے سے شروع ہوتی..... پھر اس ہی طرح کی باتوں پر ختم۔

☆☆☆

سنی نہیں
زمانے نے تیری میری کہانیاں
کردے کوئی
نوازشیں کرم..... مہربانیاں۔

"تمہارے آغا جان نے تمہارے لیے لڑکا پسند کر لیا ہے لیہا۔"

وہ پالک پنیر بنا رہی تھی۔ جب ہی بی بی جان نے اس کو یہ خبر سنائی اور اس کے ہاتھ سے یہ خبر سن کر پنیر کا پیالا زمین پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔

"پوچھو گی نہیں کسی سے۔" وہ ایک بار پھر کدو کش اٹھا کر پنیر کرش کرنے لگی تھی۔ جب بی جان نے اس سے سوال کیا۔

"کیا فرق پڑتا ہے بی بی جان۔" اس کی ساری توجہ اپنے کام کی طرف تھی۔

"اس کا مطلب ہے تم راضی ہو۔" وہ بے اختیار خوش ہوئیں۔ بے طرح خوش۔

لیہا نے ان کے لہجے میں کھنکتی خوشی کو محسوس کر کے حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا..... اور استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"آپ نے میری رضا جاننے کی کوشش ہی کب کی ہے بی بی جان۔"

"مطلب تم راضی نہیں ہو۔" ان کی ساری خوشی

لمحے میں ختم ہوئی۔

"میں نے ایسا بھی نہیں کہا..... میں نافرمان بیٹی نہیں بننا چاہتی ویسے بھی میں خود کو درخت سے ٹوٹے اس پتے کی طرح بنا چکی ہوں جسے بے رحم، ہوائیں کب اور کہاں پھینک دیں نہیں پتا چلتا۔" وہ اذیت سے بولتی لمحے بھر کو رکی۔ آنکھوں میں بھر آنے والے آنسو اس نے اندر اتارے۔

"آپ میری زندگی کا جو بھی فیصلہ کریں گی مجھے منظور ہوگا۔ بس قید کا دن بتا دیجیے گا۔" وہ اذیت سے بولتی کچن سے نکل گئی تھی۔

اور بی بی جان۔ وہ اس کی اذیت اک ماں کی طرح محسوس کر رہی تھیں۔

"جسے تم اک نئی اذیت سمجھ رہی ہو، وہی تمہاری زندگی میں آنے والی بہار ہے لیہا۔" وہ خود سے گویا ہوئی تھیں۔

☆☆☆

احمد اور عالیہ کو اللہ نے جڑواں بچوں سے نوازا تھا..... عالیہ آج کل اپنے میکے میں تھی..... اس لیے حیات ولا کی ساری ذمہ داریاں اس کے کندھوں پر آگئی تھیں..... بی بی جان کی تو خود کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ وہ گھر کو کیا دیکھتیں..... اور یہ ہی وجہ تھی کہ احمد آج کل بھوکا آفس جاتا تھا..... اور رات میں جب وہ تھکا ہارا گھر لوٹتا تو بھی اسے کھانا خود جا کر گرم کرنا پڑتا تھا..... لیہا اس کے لیے بنا کر رکھ دیتی تھی یہ ہی بہت تھا۔

اور آج، آج تو اس نے صرف صبح آفس میں دو کپ چائے پی تھی، لنچ کرنا وہ بھول چکا تھا اور اس کے بعد بھی آفس میں اتنا کام تھا کہ گھر پہنچتے پہنچتے اسے اچھی خاصی دیر ہو چکی تھی۔ بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر بنا چینج کیے سیدھا کچن میں آیا تھا..... لیکن یہ کیا..... نہ ہاٹ پاٹ میں روٹی تھی..... اور نہ ہی فریج میں کھانے کے لیے کچھ.....

"اف خدا! یہ تو ظلم ہے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے کف موڑے..... اور فریج سے آٹا اور انڈے نکالے۔

وہ روٹی بیل رہا تھا جب لیہا کچن میں داخل ہوئی۔ اور اسے روٹی بیلتا دیکھ ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ آغا جان اور بی بی جان کے ساتھ آج عالیہ کی طرف گئی تھی، رات کا کھانا بھی انہوں نے وہیں کھایا تھا۔ اسی لیے گھر میں اس نے کچھ نہیں بنایا تھا۔

اسے احمد کو یوں کام کرتا دیکھ بہت یاد کچھ آیا تھا۔ یہی شخص تھا جو اس کی ہر بات آنکھیں بند کر کے مانتا تھا، جو اس کا یوں خیال رکھتا جیسے وہ کوئی کانچ کی گڑیا ہو۔

"آپ ہٹیں میں بنا دیتی ہوں روٹی۔" تین سال کے طویل عرصے میں آج پہلی بار بات کی تھی اس نے احمد سے۔

تقشہ نما روٹی بیلتا احمد ساکت ہو گیا تھا۔ اس نے اک لمحے کو حیرت سے لیہا کو دیکھا۔

"نہیں میں بنالوں گا۔" اس نے سنجیدگی سے انکار کیا۔

اب کی بار وہ منہ سے کچھ نہیں بولی۔ اس نے خاموشی سے احمد کے ہاتھ سے بیلن لے لیا تھا۔

"آپ کپڑے چینج کر لیں..... تب تک میں آملیٹ بھی بنا لیتی ہوں۔"

روٹی توے پر ڈالتے وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

احمد خاموشی سے وہاں سے چلا آیا۔

پندرہ منٹ بعد جب وہ دوبارہ کچن میں آیا تو کھانا تیار تھا۔ وہ ٹھنڈے پانی کی بوتل اور گلاس میز پر رکھ رہی تھی۔

وہ اسے ناپسند کرتی تھی..... اس کے باوجود اسے اس کے بھوکے ہونے کا احساس تھا۔ کیوں؟ کیوں کہ لیہا حیات ایک حساس لڑکی تھی، وہ کیسے برداشت کرتی کہ کوئی اس کے ہوتے بھوکا سوئے۔

"دو دن بعد تم اس گھر سے رخصت ہو کر چلی جاؤ گی لیہا۔ میں چاہتا ہوں تم جاؤ تو تمہارے ساتھ تمہارے دل میں میرے لیے نفرت نہ جائے۔" وہ دھیرے دھیرے بولنا شروع ہوا۔

''محبت ..... جرم تو نہیں۔ مگر پھر بھی سزا ملتی ہے۔ جیسے مجھے مل رہی ہے۔ حالانکہ میں اور میری محبت دونوں ہی بے غرض تھے۔ میں نے کبھی اپنی محبت کو کسی پر آشکار نہیں کیا۔ چاہا تھا یا پتا نہیں سوچا تھا۔ ایک پاکیزہ محبت کی تھی میں نے .....اور پھر بھی اسی محبت نے مجھے منہ کے بل گرایا۔ میرا نصیب تو دیکھو..... جسے چاہت کی انتہا تک چاہا..... اس ہی کی نفرت میرے حصے میں آئی۔''

وہ پہلی بار اپنے جذبوں کی ترجمانی کررہا تھا..... لیہا نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ یہ سب کیوں بول رہا تھا۔

''تم چاہتی تھیں میں عالیہ سے شادی کرلوں..... حالانکہ میں نے اسے کبھی نہ غور سے دیکھا تھا اور نہ ہی اسے جانتا تھا میں۔ دل نے بس ایک لڑکی کو جانا..... اور نظروں نے بس اسی لڑکی کو دیکھا..... وہی لڑکی چاہتی تھی کہ میں اس کی سب سے اچھی دوست سے شادی کرلوں۔ مجھے تمہاری اس فرمائش پر پہلی بار غصہ آیا تھا۔ اور بہت شدید غصہ آیا تھا۔ لیکن جب میرے دل نے تمہاری اور سکندر کی محبت کی مہک کو محسوس کیا تو میرا دل خود ہی تمہاری خواہش کے احترام میں جھک گیا۔ تمہاری اور سکندر کی شادی پر میں بہت خوش تھا۔ تم خوش تھیں تو میں کیسے ناخوش ہوتا۔ لیکن پھر عالیہ اور شیریں کی ذرا سی غلطی سے سب کچھ بدل گیا۔ اس دن کے بعد میں نے جب تمہاری آنکھوں میں دیکھا۔ مجھے اپنے لیے نفرت ہی نظر آئی۔ مجھے یقین نہیں آتا تم مجھ سے اتنی نفرت بھی کرسکتی ہو۔ مجھے یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں تمہارا گناہ گار نہیں ہوں۔'' وہ اب بے بس نظر آرہا تھا۔

''ہاں آپ نہیں ہیں گناہ گار..... لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ آپ ہی کی وجہ سے سکندر مجھے ذلت کی اس گہری کھائی میں دھکیل گیا تھا۔ تین سال گزر چکے ..... سب کہتے ہیں یہ بہت طویل عرصہ ہوتا۔ لیکن اس عرصے میں بھی مجھے وہ ذلت نہیں بھولی۔ انسان محبت کا درد برداشت کرسکتا۔ اسے فراموش بھی کرسکتا۔ لیکن اپنے وجود کو ذلت کی کھائی میں دھکیلنے والے کو کوئی کیسے بھلائے۔'' وہ سسک پڑی۔

''احمد نے برداشت کی آخری حدوں پر کھڑے ہوکر اسے دیکھا۔ یہ وہ لڑکی تھی جسے انہوں نے ہنستے دیکھا تھا۔ غصہ کرتے دیکھا تھا۔ لڑتے دیکھا تھا۔ ضد کرتے دیکھا تھا۔ لیکن کبھی روتے نہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

اور پھر ڈھول بھی بجے..... اور شہنائیوں کی صدا بھی گونجی..... وہ ایک بار پھر دلہن بنی۔ بارات آئی۔ مولوی صاحب نے دو لاکھ مہر کے عوض اسے ہمیشہ کے لئے بابا جان کے دوست کے بیٹے عاطف کے نام کردیا۔

اس کا سامنا اب ایک نئی زندگی سے ہوا تھا۔

وہ ایک چھوٹی سی فیملی سے ایک بھرے پرے سسرال میں آگئی۔ عاطف کے دو بڑے بھائی تھے۔ جو کہ شادی شدہ تھے۔ اور ساتھ ہی رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک چھوٹا بھائی اور بہن بھی تھے۔ عاطف ایک بہت اچھا شوہر ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنے گھر میں سب سے مختلف تھا۔ بے حد خاموش سنجیدہ لیکن سب سے زیادہ پیار کرنے والا، خیال رکھنے والا۔ اپنے دونوں بھائیوں کے برعکس، وہ اپنی بیوی کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ اس کے ناز اٹھاتا۔ آہستہ آہستہ لیہا کو محسوس ہونے لگا وہ خوش ہے۔ وہ عاطف کو دل سے قبول کررہی تھی..... اور ہوسکتا تھا کہ بہت جلد اسے عاطف سے محبت بھی ہوجاتی لیکن اس سے پہلے وہ ہوگیا تھا جو نہیں ہونا چاہیے۔

اس دن وہ فروٹ سیلڈ بنارہی تھی۔ عاطف بھی ساتھ ہی کھڑا تھا اور کٹنگ میں اس کی مدد کررہا تھا۔ ساتھ ساتھ ہنسی مذاق بھی جاری تھا۔

''میرا دل چاہتا ہے لیہا کہ میں تمہیں ایک شہزادی بنا کر رکھوں۔ تمہیں کوئی کام نہ کرنے دوں۔'' وہ بہت لگاوٹ سے بول رہا تھا جب اس کی بڑی بھابھی سحرش کچن میں داخل ہوئیں۔ ان کے

کانوں نے عاطف کا کہا جملہ بھی سنا تھا اور لیہا کی بھرپور ہنسی کی کھنک بھی۔ ان کے اندر کی پیاسی عورت جل سی گئی تھی۔

ارمان بھی تو عاطف کا ہی بڑا بھائی تھا۔ تو پھر وہ کیوں اتنا اچھا نہیں۔

''سکندر بھی تم سے ایسے ہی محبت کرتا تھا نا لیہا.....'' اندر آتے سحرش بھابھی نے بظاہر مسکراتے ہوئے یہ بات کی تھی۔ مگر دل میں کچھ اور ہی تھا۔

لیہا کی مسکراہٹ یوں غائب ہوئی جیسے وہ کبھی مسکرائی ہی نہ ہو..... وہ سکندر کا نام تک اب نہیں سننا چاہتی تھی۔ اور پھر یہاں اس کا ذکر معنی بھی کیا رکھتا۔

''کون سکندر.....'' عاطف حیرت سے بولا۔

''آغا جان اور بی بی جان کا بیٹا۔ اور میرا کزن سکندر۔'' لیہا جواب دینا چاہتی تھی، لیکن اس سے پہلے سحرش بھابھی بول پڑیں۔

''لیہا کا کزن تھا۔ ان دونوں کی شادی ہورہی تھی، لیکن پھر عین نکاح کے وقت وہ لیہا کو چھوڑ گیا تھا۔ اسے غلط فہمی ہوگئی تھی شاید کچھ..... ورنہ تو لیہا اور سکندر ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔''

سحرش بھابھی یوں بولیں جیسے کوئی بے حد عام سی بات ہو۔

جب کہ عاطف فق چہرہ لیے انہیں دیکھے گیا۔

وہ اپنا کام کرکے، کچن سے چلی گئی تھیں، ایک ہنستے بستے گھر کو وہ آگ لگا چکی تھیں۔ یہ آگ اب کب تک جلتی رہنی تھی، اور کیا کیا جلانے والی تھی، کون جانتا تھا۔

☆☆☆

''پاپا آپ نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی تھی کہ لیہا کی کسی سے شادی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ اور وہ اس شخص سے بہت محبت بھی کرتی تھی۔''

وہ غصے سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ شہروز خان کے پاس پہنچا تھا..... اس کی مردانہ انا یہ سن کر بلبلا اٹھی تھی کہ اس کی بیوی اپنے دل میں پہلے ہی کسی کو بسا چکی تھی۔

''یہ تو بہت پرانی اور غیر اہم بات تھی..... ویسے بھی لیہا ایک بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی ہے۔ تم کتنا خوش ہو اس کے ساتھ۔''

وہ بیٹے کی فطرت جانتے تھے۔ تب ہی تحمل سے بولے۔

''نہیں ہوں میں خوش اس کے ساتھ..... یہ بالکل بھی غیر اہم بات نہیں تھی۔ آپ نے اور سب نے مل کر دھوکا دیا ہے مجھے.....'' وہ غصے سے پاگل ہورہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سب تہس نہس کردے۔

''فضول باتیں مت کرو، سکندر نے تو بے وقوفی کی تھی وہ تو لیہا کے قابل تھا ہی نہیں۔'' انہوں نے اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔

''رہنے دیں پاپا یہ فضول باتیں..... لیہا مجھے ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔ میں تو کسی کی پسند کی ہوئی چیز کی طرف دیکھنا تک اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا اور آپ نے۔'' وہ غصے سے بات ادھوری چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔

شہروز خان کو لگا۔ یہ وقتی غصہ ہے، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ لیکن وہ غلط تھے۔

☆☆☆

پھر گر پڑے، کوئی ملائنہ سہارا کیا کریں
سنی نہیں زمانے نے تیری میری کہانیاں

عاطف اسے ایک بار پھر حیات ولا چھوڑ کر جاچکا تھا۔ وہ ایک بار پھر وہیں پر پہنچ گئی تھی جہاں سے چلی تھی۔

عاطف نے گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اور نہ ہی اس نے گھر میں کسی کو بتایا کہ عاطف اسے گھر سے نکال چکا ہے۔

اسے امید تھی کہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ نکاح میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ اسے پندرہ دن ہوگئے تھے واپس آئے۔

اس کی طبیعت بہت بوجھل رہتی تھی نہ کھانے کو دل کرتا تھا۔ اور نا ہی کچھ دوسرا کام کرنے کو..... بی

بی جان نے بھی اس کی طبیعت کی تبدیلی کو محسوس کیا تو وہ اسے لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے آئی تھیں۔

اور وہاں سے ملنے والی خوش خبری نے اس کی امید کو دوگنا کر دیا تھا۔

وہ رپورٹس لے کر اسی شام اپنے گھر واپس لوٹ آئی۔ بی بی جان کے کہنے پر احمد ہی اسے چھوڑنے آیا تھا۔ اور یہ منظر عاطف نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھ لیا۔ احمد اسے چھوڑنے آیا تھا، لیکن باہر سے ہی چلا گیا۔ لیہا نے اسے اندر آنے کا نہیں کہا تھا اور اس کا اس طرح باہر سے ہی چلے جانا عاطف کو مزید برا لگا۔ اس کا دماغ کہتا تھا کہ کچھ تو ہے اس کے اور احمد کے درمیان سکندر یوں ہی تو عین نکاح کے وقت اسے چھوڑ کے نہیں گیا ہوگا۔ مرد کا دماغ تو ویسے بھی پر کا کوا بنا دیتا ہے۔ اور اس وقت تو معاملہ ہی اور تھا۔

وہ سب سے مل کر بہت خوشی خوشی اپنے کمرے میں آئی۔ اس نے کتنی محبت سے عاطف کو وہ خوش خبری دی تھی۔

"میں ماں بننے والی ہوں عاطف۔" اس کے لفظوں اور لہجے میں کتنی خوشی تھی۔

لیکن شک میں ڈوبا دل لہجے کی سچائی محسوس ہی نہ کر سکا۔ اس نے ایک جھٹکے سے لیہا کو خود سے دور کیا۔ رپورٹس ریزہ ریزہ کر دیں۔

"یہ میرا بچہ نہیں ہو سکتا کسی اور کا گناہ میرے سر نہ لادو۔"

وہ بچے کو اپنانے سے انکاری ہو گیا۔

ایک عورت کے دامن پر کیچڑ پھینکو تو شاید وہ پھر بھی سہہ جائے، لیکن ماں نہیں سہہ سکتی۔

وہ الٹے قدموں لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆

اسے لگا کہ عاطف کا غصہ جیسے ہی ختم ہوگا وہ اسے منانے چلا آئے گا۔ لیکن وہ نہیں آیا..... البتہ طلاق کا نوٹس آ گیا۔ لیہا کی دنیا ایک بار پھر ویران ہو گئی۔

پہلے واقعے نے اس کی مسکراہٹ چھینی تھی، اور اب تو وہ رونا بھی بھول گئی۔

اسے طلاق دے کر عاطف واپس باہر جا چکا تھا۔

زندگی ویران کیسے ہوتی اس نے اب جانا تھا۔

عالیہ سارا سارا دن اس کے پاس بیٹھی رہتی۔ اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتی۔ اس کا خیال رکھتی۔ زبردستی اپنے ہاتھوں سے اسے کھانا کھلاتی۔

وہ اس کے آنے کے بعد اپنے بچوں کو بھی بھول گئی تھی۔ اس کی پہلی ترجیح اب لیہا تھی......!

اور رہا احمد...... تو اسے اب خود سے بھی نظریں ملانے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ لیہا کی طلاق کی وجہ جانتا تھا۔ اور یہ ہی وجہ تھی کہ اس کا درد کم ہی نہیں ہوتا تھا۔

محبت کیا اتنا بڑا جرم ہے کہ لوگ اس کی سزا میں آپ کی زندگی جہنم بنا دیں۔ درد صرف اس کے حصے میں آتا تو پھر بھی خیر تھی...... لیکن لیہا کے حصے میں ہی کانٹے آ رہے تھے۔

☆☆☆

تیرا وہ پیار
یاد آئے گا
بھولے گا نا...... یہ دل میرا
کیا ہو گیا سوچا نا تھا
تیرا وہ پیار...... تیرا وہ پیار

اس سے الگ ہونے کے بعد اس پر آشکار ہوا کہ وہ تو عاطف کو دل سے قبول کر چکی تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو شاید اتنی یادیں نہ ہوتیں۔ اور نہ تڑپ، مرد تو بس لمحے بھر کے لیے محبت کرتا ہے۔ عورت محبت کرے تو ساری زندگی محبوب کے نام کر دیتی ہے۔

"ایک عورت کو دوسری عورت سے حسد محسوس ہوتا تھا۔ پھر اس عورت نے حسد کے ہاتھوں مجبور ہو کر دوسری عورت کے محبت بھرے آشیانے میں آگ لگا دی۔ اور دوسری عورت کا گھر اتنا کمزور تھا کہ اس آگ نے لمحے میں اس گھر کو اپنی لپیٹ میں لے کر راکھ کر دیا۔ اور اب وہ عورت اپنی آنکھوں سے اس گھر کو جلتا محسوس کر رہی تھی۔

اسے جب سکندر چھوڑ کے گیا تو اسے خود سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔ اور اب عاطف کے جانے کے بعد اسے خود پر ترس آنے لگا۔ اس نے یقین کر لیا اب باقی زندگی میں اس کے لیے خوشی کا ایک لمحہ تک نہیں ہے...... لیکن اسے نہیں پتا تھا تھوڑی سی مشکل ابھی اور آنی ہے۔

☆☆☆

ایک بے حد سرد دن تھا، اداسی میں لپٹا۔ وہ بی بی جان کے ساتھ چیک اپ کرانے گئی تھی۔ اور واپسی پر لاؤنج میں کھڑے اس شخص کو دیکھ کر ساکت رہ گئی۔

سکندر لوٹ آیا تھا...... اپنے دو سالہ بیٹے عباد اور بیوی فرحین سکندر کے ساتھ...... وہ رو، رو کر آغا جان سے معافی مانگ رہا تھا لیکن آغا جان نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اس نے اولاد کا سہارا لیا۔ عباد کو ان کی گود میں دینے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام ہو گیا۔ جب ہر طرح سے وہ ناکام ہو گیا تو اس نے لیہا کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔ اسی لیہا کی طرف جس کی زندگی اس نے برباد کر دی تھی۔

"لیہا اب جب کہ تم خود ماں بننے والی ہو تو اولاد اور ماں باپ کے رشتے کو زیادہ بہتر طریقے سے محسوس کر سکتی ہو گی۔ میں جب سے سکندر کی زندگی میں آئی ہوں بھی انہیں خوش نہیں دیکھ سکی۔ میں جانتی ہوں انہوں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا۔ اس کے باوجود تمہارے آگے معافی کی درخواست رکھتی ہوں...... تمہیں تمہاری اولاد کا واسطہ سکندر کو معاف کر دو۔" فرحین اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ لیہا کے سامنے گزرے ماہ و سال گزرنے لگے۔ اسے ایک ایک ذلت، اذیت یاد آئی۔

"میں نے معاف کیا...... آغا جان...... بی بی جان آپ بھی انہیں معاف کر دیں، میرے خاطر۔"

وہ سپاٹ لہجے میں بولتی وہاں سے چلی آئی۔ سب نے حیرت سے اسے جاتا دیکھا۔ کسی کو اس سے معافی کی امید نہیں تھی۔

اس کے لیے اس گھر میں رہنا پہلے سے زیادہ مشکل ہو گیا۔ سکندر کو معاف کرنا آسان تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہنا بہت مشکل، اس لیے اس نے حیات ولا ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

"آغا جان میں اب اس گھر میں مزید نہیں رہ سکتی۔ میں اپنی زندگی کی نئی شروعات کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے کسی کی سنے بغیر اپنا فیصلہ سنا دیا۔

☆☆☆

لیہا نے ایک بے حد پیاری سی شہزادی کو جنم دیا۔ آغا جان نے اس کا نام عروج رکھا تھا۔ اور جب وہ دو ماہ کی تھی تو لیہا ہمیشہ کے لیے حیات ولا چھوڑ کر لاہور شفٹ ہو گئی۔ سکون کو ڈھونڈتے اس نے تنہائیوں کا انتخاب کیا تھا۔

لیہا حیات کی بیٹی، لیہا حیات سے زیادہ بدنصیب واقع ہوئی تھی۔ اس کا باپ اسے اپنانے سے انکاری تھا۔

عروج دو سال کی تھی جب اس کے دل میں اپنے پاپا سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ اور تب اس نے عروج کا تعارف احمد سے کرایا...... اس کے پاپا کی حیثیت سے۔

لیہا جس انسان سے سب سے زیادہ نفرت کرتی تھی اس ہی انسان کی شبیہہ اس کی بیٹی نے چرائی تھی۔ عروج کی آنکھیں بالکل سکندر کی آنکھوں جیسی تھیں...... وہ جب بھی عروج کو دیکھتی سکندر کا چہرہ چھم سے اس کی آنکھوں کے آگے آ جاتا۔

انہیں عاطف اور سکندر کے کہے لفظ یاد آتے۔ اور پھر وہی لفظ بازگشت بن کر ان کے کانوں میں گونجنے لگتے......

وہ رفتہ رفتہ ذہنی مریضہ بنتی جا رہی تھی...... اور اسے خود بھی اس بات کا احساس تھا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ اب زیادہ نہیں جی سکے گی۔ اسی لیے اس نے اپنی عروج، احمد اور عالیہ کو دے دی تھی۔

اس نے عروج کو ہمیشہ یہ ہی بتایا تھا کہ احمد عالم ہی تمہارے پاپا ہیں۔ اس نے سچ اس لیے چھپایا تھا کیوں کہ وہ اپنی بیٹی کی زندگی برزخ نہیں بنانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

یہ میری ماں کی داستان حیات تھی۔ جس سے میں اب تک ناواقف تھی۔ جسے میں ہمیشہ اپنا باپ سمجھتی رہی وہ میرا باپ نہیں تھا۔ پھر بھی میرے ناز نخرے اٹھاتا رہا۔

اگر مجھے شیریں آنٹی یہ سچائی نہ بتاتیں کہ سکندر نے احمد کا تو صرف بہانہ بنایا تھا دراصل اسے باہر کے ملک سے اچھی آفر آئی تھی جہاں وہ شادی کر کے نہیں جاسکتا تھا، تو میں اپنی ماں کے خوشیوں کے قاتل کے بیٹے کی زندگی میں خوشی بن کر شامل ہو جاتی۔

لیکن اب جب میں سب کچھ جان گئی تھی تو ایسا ہونا ناممکن تھا میں ایسا حیات نہیں ہوں کہ سب بھول جاؤں۔ میں معاف کرنا نہیں بدلہ لینا جانتی ہوں۔ اور میں وہی کروں گی جو مجھے آتا ہے۔ اب حساب کا وقت ہے۔ مجھے حساب لینا ہے سکندر حیات سے۔

ذلت کی جس کھائی میں انہوں نے میری ماں کو دھکیلا تھا، اب اسی کھائی میں۔ میں انہیں دھکیلوں گی۔ اب ان کا بیٹا ساری زندگی محبت کا سوگ مناتے گزارے گا۔ یہی ہوگا میرا انتقام، میں نے فیصلہ کرلیا تھا۔ اور اس فیصلے کے بعد جو بھی قدم اٹھنا تھا وہ انتقام کا ہی اٹھنا تھا۔

☆☆☆

"پاپا سکندر چاچو میرے لیے عباد سکندر کا پروپوزل لائے تھے۔" میں اس وقت پاپا کے کمرے میں ان کے سامنے بیٹھی سوال کر رہی تھی۔

"ہاں۔" انہوں نے مجھے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا..... جتنی سنجیدگی سے میں سوال کر رہی تھی۔

"آپ نے کیا جواب دیا۔" میں نے اگلا سوال پوچھا۔ ڈھٹائی کی اور بے شرمی کی حد تھی۔

"میں نے انکار کردیا۔" وہ سپاٹ آواز میں بولے۔

"کیوں.....!" میں جان کر بھی ان جان بن رہی تھی۔

"کیوں کہ وہ مجھے میری بیٹی کے لائق نہیں لگا۔ لیکن عروج تم کیوں پوچھ رہی ہو یہ سب..... کہیں کسی نے بتایا اس پروپوزل کے بارے میں۔" وہ پہلی بار حیران ہوئے۔

"ظاہری بات ہے میری زندگی بھر کا سوال ہے..... سوال کرنا تو میرا حق ہے پاپا۔"

"ہاں شاید۔" ان سے شاید میری ڈھٹائی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"خیر..... پاپا سکندر چاچو کو ہاں بول دیں۔ کیوں کہ میں اگر شادی کروں گی تو صرف "عباد سکندر" سے اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" اس بار میں نے سنجیدگی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ جو بات محبت میں عروج حیات کبھی نہ کہہ سکتی تھی۔ وہی بات نفرت نے اس سے کہلوا دی تھی۔

ہاں یہ سچ ہے۔ اگر سکندر چاچو سے انتقام لینا میرا مقصد نہ ہوتا تو کبھی میں اپنے باپ کے سامنے اس خواہش کا اظہار نہ کرتی۔ بلکہ ہنستے ہنستے عباد سکندر سے دستبردار ہو جاتی۔

"کیا کہہ رہی ہو عروج..... ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔" پاپا اس ساری گفتگو میں پہلی بار خفا ہوئے۔

"کیوں..... بتا دیں۔ میں مان لوں گی آپ کی بات۔" میں نے بھی بنا ڈرے کہا۔

"نہیں بتا سکتا....." وہ مدھم پڑے۔

"تو بس پھر تیاری کریں میری اور عباد کی شادی کی۔" میں قطعیت سے بولتی وہاں سے چلی آئی تھی۔

بے شرمی کی اگر کوئی حد تھی تو میں اس دن توڑ چکی تھی۔ اندر سے لاکھ شرمندہ سہی مگر اوپر سے بالکل مطمئن تھی میں۔

حیات ولا میں عروج احمد اور عباد سکندر کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ لیکن سب ہی عجب کشمکش کا شکار تھے۔ کچھ بے حد خوش تھے اور کچھ بے حد افسردہ..... اور میں خود شاید برف کا مجسمہ بن چکی تھی۔

دو ماہ رہ گئے تھے میری شادی کو..... اور خوشی کا کوئی احساس میرے اندر کہیں جاگا تھا..... حالانکہ میں محبت کرتی تھی عباد سے..... سکندر چاچو کی سچائی جاننے کے بعد بھی..... محبت پر میرا اختیار نہیں تھا..... اور نفرت پر بھی نہیں شاید..... میں، عباد، افشاں، ماما ہم سب ہر روز شاپنگ پر جاتے عباد اور ماما ہر چیز میں میری پسند کو ترجیح دیتے..... اکثر ہم لوگ ڈنر بھی باہر سے ہی کر آتے..... یہ سب خوبصورت لمحات تھے۔ جن کی مدت بس تھوڑی ہی رہ گئی تھی۔ پاپا نے اس دن کے بعد مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ شاید مجھ سے خفا تھے۔ لیکن پھر میری خوشی کا سوچ کر خود ہی مان بھی گئے تھے۔

دادا جان اور دادو نے مجھے وہ سارے زیور دے دیے تھے جو حیات ولا سے رخصت ہوتے میری ماں یہیں چھوڑ گئی تھی۔ اگر میری اور عباد کی شادی پر سکندر چاچو کے بعد کوئی سب سے زیادہ خوش تھا تو وہ دادو اور دادا جان تھے۔

کبھی کبھی میں سوچتی کہ میرا انتقام ان دونوں پر کس طرح اثر انداز ہوگا جو مجھ سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔ میں جب بھی ان کی محبت کے بارے میں سوچتی تو انتقام کے رنگ پھیکے پڑنے لگتے۔ اور تب ہی میں نے جانا۔ دنیا میں اگر کوئی سب سے مضبوط جذبہ ہے تو وہ محبت ہے۔ جس کہ آگے نفرت بے معنی ہے۔ محبت کی تپش سے نفرت موم کی مانند پگھلنے لگتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ میری نفرت کبھی تم ہو میری ماں کا دو دا اتنا ارزاں تو نہ تھا کہ میری محبت اسے بھلا دے۔

شادی میں بس پندرہ دن رہ گئے تھے۔ دانیال اور حسیب نے ابھی سے سارا گھر برقی قمقموں سے سجا دیا تھا۔ افشاں ہر روز میرے اٹھنے سے پہلے میری سائیڈ ٹیبل پر گلابوں کا گلدستہ رکھ جاتی۔ عالیہ آنٹی جنہیں اب میں ماما کہتی تھی ہر روز میری پسند کا ناشتا بناتیں۔ سکندر انکل ہر دوسرے دن مجھے زبردستی شاپنگ پر لے جاتے۔ میں نے اپنی ہر چیز اپنی پسند سے تو لی ہی تھی لیکن اب عباد کی ساری شاپنگ بھی میں اپنی پسند سے کر رہی تھی۔

اس دن زندگی میں پہلی بار میں اور پاپا اکیلے واک کے لیے نکلے تھے۔ اس رات ایبٹ آباد کی سڑکیں زرد پتوں سے سجی ہوئی تھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ آسمان پر چمکتا ادھورا چاند اور اکا دکا ستارے بھی ہم دونوں کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"عروج..... میں کبھی تمہیں احساس نہ دلا سکا کہ مجھے اپنے سارے بچوں میں اگر سب سے زیادہ کسی سے محبت ہے تو وہ تم سے ہے۔ ہمارا ساتھ مختصر رہا۔ حالانکہ تم میری وہ اولاد تھیں جسے میں نے دعاؤں میں مانگا تھا رب سے..... تم میری خواہش تھیں۔ میری سب سے پیاری اولاد..... میں نے ہمیشہ تمہاری خوشی کا سوچا۔ میں ہمیشہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ میری بیٹی کے لیے تو کوئی شہزادہ بھیجنا..... جو اسے مجھ سے بھی زیادہ محبت کرے۔" تارکول کی اس سڑک پر چلتے پاپا آج بہت ہی عجیب انداز میں بات کر رہے تھے۔ شاید ان کی آواز بھیگ بھی رہی تھی۔

"میری دعا ہے تمہارا نصیب بہت خوب صورت ہو۔ عباد تم سے سب سے زیادہ محبت کرے، خدا تمہارا ہر لمحہ گلابوں سا مہکتا رکھے۔ تم خوش رہو ہمیشہ۔"

"پاپا آپ..... آپ رو رہے ہیں۔" میں ان کی بات درمیان میں کاٹ کر ان کے آگے آ کھڑی ہوئی۔ زرد روشنیوں میں پاپا کے چہرے پر موتی نظر

آنے لگے تھے۔ اور اس دن پہلی بار میں بے اختیار ہو کر اپنے باپ کے سینے سے لگ گئی۔

اس کے بعد میں نے اور پاپا نے ایک دوسرے سے بہت باتیں کیں، کئی شکوے کیے۔ اس کے بعد پاپا مجھے آئسکریم کھلانے لے گئے۔ اور جب ہم گھر آئے تو بہت ہلکے پھلکے اور خوش اور مطمئن تھے۔ اب نہ مجھے ان سے کوئی شکایت تھی، اور نہ انہیں مجھ سے۔

☆☆☆

اس رات جب میں سونے کے لیے اپنے بیڈ پر لیٹی تو بے اختیار بہت سی سوچوں نے مجھے آگھیرا۔ میں نے سوچا تھا جس طرح سکندر حیات عین نکاح کے وقت میری ماں کو چھوڑ گیا تھا، بالکل ویسے ہی میں بھی عباد سکندر کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گی۔ مجھے شادی نہیں کرنی تھی۔ مجھے بدلہ لینا تھا۔ لیکن مجھے اس رات پہلی بار یہ احساس ہوا کہ اس سب میں تو میرے پیارے باپ کی بھی بدنامی تھی۔ اس عمل سے تو میری ماں بھی رسوا ہوتی۔ دانیال اور حسیب کو بھی شرمندگی اٹھانی پڑتی۔ افشاں کے لیے بھی مسائل کھڑے ہوتے۔ حالانکہ مجھے تو صرف سکندر حیات سے بدلہ لینا تھا۔ اس رات میں ایک پل کو بھی سو نہ سکی۔ ساری رات سوچوں میں گزر گئی۔ اور صبح جب میں اٹھی تو فیصلہ کر چکی تھی۔ ایک ایسا فیصلہ جس کے بعد سب کچھ بدل جانا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح جب سورج ٹھیک سے طلوع بھی نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے کمرے سے نکل آئی۔ مجھے پتا تھا پاپا ہر صبح نماز فجر ادا کرنے قریبی مسجد میں جاتے ہیں اور ان کی واپسی تب ہوتی جب سورج اپنی کرنیں ہر سو بکھیر دیتا ہے۔

میں لان میں نصب سنگ مرمر کی بینچ پر براجمان بے چینی سے ان کی منتظر تھی۔ مجھے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ انتظار کتنا مشکل ہے۔ اور پھر پاپا آگئے۔ انہوں نے حیرت سے مجھے اس بینچ پر بیٹھے دیکھا اور پھر سیدھے میرے پاس چلے آئے۔

"السلام علیکم صبح بخیر بیٹا۔" انہوں نے مسکرا کر سلام کیا، اور مجھ سے کچھ فاصلے پر آبیٹھے۔ ان کے چہرے پر بکھرا ہر رنگ محبت تھا۔

"وعلیکم السلام پاپا...... مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں بے چینی سے بولی۔

"خیریت ہے نا سب...... اور آج آپ اتنی جلدی کیسے اٹھ گئی ہو، شاید آپ کو یاد نہیں رہا ہو گا آج سنڈے ہے۔" وہ میری کیفیت سمجھے بنا شرارت سے گویا ہوئے۔

"پاپا میں یہ شادی نہیں کر سکتی، مجھے عباد سے شادی نہیں کرنی پاپا۔" میرا ضبط جواب دے گیا تھا اور میں پھٹ پڑی۔

"کیا بول رہی ہو عروج...... یہ کس طرح کا مذاق ہے۔"

"یہ مذاق نہیں ہے۔ بس میں عباد سے شادی نہیں کر سکتی۔ یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔ آپ ماما کی بھی ہر بات مانتے تھے نا، اب میری بھی مان لیں۔ کوئی سوال نہیں کیجیے گا پاپا۔" میں نے ان کے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"شادی میں اب جب صرف پندرہ دن رہ گئے ہیں، تب تمہیں خیال آرہا ہے کہ تم عباد سے شادی نہیں کر سکتی ہو...... تمہارا دماغ کہاں ہے عروج...... تم نے خود عباد سے شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ اب ایسا کیا ہو گیا ہے کہ تم پیچھے ہٹ رہی ہو۔" پاپا اب تک تحمل سے بول رہے تھے۔

"آپ کی محبت نے میری نفرت کو ہرا دیا ہے پاپا۔ میں نے عباد سکندر سے شادی کا فیصلہ سکندر حیات سے بدلہ لینے کے لیے کیا تھا۔ مجھے اپنی ماں کے آنسوؤں کا، اس ذلت کا جو میری ماں نے سہی حساب لینا تھا سکندر حیات سے اور میں ایسا کر گزرتی اگر آپ کی محبت میرے قدموں میں زنجیر نہ ڈالتی۔ مجھے احساس ہوا میں ایک عورت ہونے کے ساتھ ساتھ کسی کی بہن، کسی کی بیٹی کسی کی عزت بھی تو ہوں۔ میں اگر سکندر حیات اور عباد سکندر کے دامن کو

داغدار کر کے ان کو رسوا کرتی تو اس کے چھینٹے میرے باپ میرے بھائی بہن کے دامن پر بھی لگتے اور مجھے گوارا نہیں۔" میں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے انہیں ساری باتیں بتاتی چلی گئی۔ اور وہ گم صم سے گئے۔ آخر میں بس انہوں نے کہا تو اتنا ہی۔

"نہ جانے آزمائش کا یہ سفر کبھی ختم ہو گا بھی یا نہیں۔" اور مجھے اپنا آپ شرمندگی کے گڑھے میں گرتا محسوس ہوا۔

☆☆☆

مجھے لگتا تھا سب سے مشکل کام پاپا کا سامنا کرنا ہے۔ لیکن اس سے مشکل تو عباد کا سامنا کرنا تھا...... وہ دوسرے دن اپنے سوال لے کر میرے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے پچھلے آٹھ سالوں سے کوئی لڑکی خوب صورت لفظوں سے سجے کارڈ اور تحفے بھیجتی رہی۔ شروع شروع میں وہ اجنبی تھی میرے لیے۔ لیکن جن دنوں میں امریکا میں تھا میں نے یہ راز بوجھ لیا۔ وہ تم تھیں عروج احمد...... وہ ساری محبت سے بھری باتیں تمہاری تھیں...... پھر اس موڑ پر لا کر مجھے تنہا کیوں کر دیا۔ عروج احمد۔" وہ سراپا سوال تھا۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو، وہ میں ہی تھی جو ہر خوشی کے موقع پر تمہیں وہ خوب صورت لفظوں سے سجے تحفے بھیجتی تھی۔ لیکن میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ عباد سکندر مجھے تم سے محبت ہے۔"

"تمہارا ہر کارڈ محبت سے عبارت تھا۔" وہ بضد ہوا۔

"لیکن اس پر درج کوئی تحریر میری ذاتی نہیں تھی۔ وہ مشہور لوگوں کے مشہور اقوال تھے۔"

"گویا تم واقعی مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔" وہ بے یقین ہوا۔

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں۔" میں نے منہ پھیرا، اور وہاں سے چلی آئی تنہا وہ تھا۔

☆☆☆

اس کے بعد میرے لیے حیات ولا میں رہنا ناگزیر ہو گیا۔ میری ایک کولیگ نے کچھ ماہ پہلے مجھ سے ایک وادی میں جاب کی بابت بات کی تھی۔ تب تو میں نے اسے کوئی واضح جواب نہیں دیا تھا۔ لیکن اب میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں وہ جاب ضرور کروں گی۔ مجھے یہاں سے جانا تھا۔ اب یہاں رہنا مجھے مشکل لگنے لگا تھا۔

پندرہ اکتوبر کا دن میری شادی کے لیے فکس ہوا تھا۔ اور میں 18 اکتوبر کی صبح ہمیشہ کے لیے حیات ولا کو چھوڑ آئی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا میں کہاں جا رہی ہوں۔ میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ بس ایک عباد سکندر تھا جس نے میرے گھر چھوڑتے قدموں کو پہچان لیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا۔

"تم اگر جانا ہی چاہتی ہو تو کم از کم سب کو بتا کر جاؤ، ویسے بھی اب تمہارے جانے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری زندگی کی خوشیاں تم سے مشترک نہیں ہیں۔ میں تمہارا انتظار نہیں کروں گا۔"

اس کے لفظوں سے زیادہ اس کا انداز تلخ تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی چیخ چیخ کر مجھ سے نفرت کا اظہار کر رہی تھی۔

میں بنا کوئی جواب دیے وہاں سے چلی آئی تھی۔ میں نے محبت کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکے تھے۔ میں نے آخر اپنا انتقام لے ہی لیا تھا۔ اور اس سب کے باوجود نہ جانے کیوں میں خوش نہیں تھی۔

☆☆☆

اتنے ماہ گزر گئے ہیں۔ لیکن جانے والوں نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ بس صرف ایک اس کے جانے سے حیات ولا مسکرانا بھول گیا ہے۔ سب کے لبوں پر کسی نے قفل ڈال دیے ہوں۔ اب وہ پہلی والی رونقیں خواب ہوئیں۔ سب ایک ساتھ بیٹھنا باتیں کرنا بھول چکے ہیں۔ شاید اگر کبھی جانے والا پیچھے رہ جانے والوں کا درد محسوس کر لے، تو کبھی کوئی کسی کو چھوڑ کر نہ جائے۔

وہ جا رہی تھی تو میں نے کہا تھا میں اس کا انتظار

نہیں کروں گا۔ میں نے غلط کہا تھا میں سب سے زیادہ شدت سے اس کا منتظر ہوں۔

میں پندرہ سال کا تھا جب اس کی آنکھوں میں مجھے اپنا عکس نظر آیا تھا۔ میں نے ہمیشہ اس کی نظروں میں اپنے لیے انوکھے رنگ دیکھے تھے۔

وہ حسیب کی برات کا دن تھا، جب میں نے اپنے آنگن میں ایک سنہری پری دیکھی۔ جس کے وجود سے سنہری کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ اور ان کرنوں نے عباد سکندر کے دل کو باندھ لیا تھا۔ اپنے حصار میں۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا محبت کتنی خاص ہوتی۔ یہ پل میں کسی کو کسی کا دیوانہ بنا دیتی۔ محبت، انسان کو محبوب کا عادی بنا دیتی ہے۔ پھر محبوب ہنستا تو ہم ہنستے، وہ روتا تو ہم ہماری آنکھیں روتیں محبت ایک قسم ہے۔ ساتھ جینے کی قسم۔

اور اس پل میرے دل نے خواہش کی میں جینا چاہتا ہوں اس دل ربا کے ساتھ۔ مجھے اس کی اب ہر ادا پر پیار آنے لگا۔ میرا دل خواہش کرنے لگا اس سے باتیں کرنے کی۔ لیکن میں جہاں ہوتا وہ نہ جانے کیوں وہاں سے چلی جاتی۔ وہ مجھے نظر انداز کرتی اور پھر بھی اچھی لگتی۔

میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے امریکا چلا گیا۔ گھر والوں سے۔ دوستوں سے سب سے دور، لیکن وہاں بھی مجھے کوئی اتنی شدت سے یاد نہیں آیا جتنی شدت سے وہ یاد آئی۔ مجھے احساس ہوا یہ صرف محبت نہیں بلکہ والہانہ محبت ہے۔ میں نے ہر دن اس کے انتظار میں گزارا اور جب میں پاکستان واپس آیا تو مجھے احساس ہوا وہ بہت بدل چکی ہے۔

پہلے والی خود غرض اور نک چڑھی سی عروج کی جگہ حساس اور کم گو عروج نے لے لی تھی۔ مجھے اس کا یہ روپ بھی بہت اچھا لگا۔ اب پاپا چاہتے تھے میں شادی کرلوں۔ انہوں نے بہو کے روپ میں ہمیشہ عروج کو دیکھا تھا۔ دادا جان، اور دادو کی بھی یہ ہی خواہش تھی اور میں خود تو ویسے ہی گوڈے گوڈے اس کی محبت میں گرفتار تھا۔ ہماری محبت میں کوئی ولن تھا اور نہ ہی ظالم سماج، میری اور اس کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں میں جتنا خوش ان دنوں تھا اس سے پہلے اتنا خوش کبھی نہ تھا۔

لیکن پھر ہماری خوشیوں کے چاند کو گرہن لگا اور شادی سے محض پندرہ دن پہلے اس نے مجھ سے شادی سے انکار کردیا۔ اور اس کے کچھ دن بعد وہ بنا کسی کو کچھ بتائے ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئی۔ مجھے اس سے بہت سی شکایتیں تھیں۔ اس نے میرے جذبات کا مذاق بنایا۔ مجھے اس مقام پر چھوڑا کہ رسوائی میرا مقدر ہوئی۔

اس نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے یہ سوال بڑے پاپا سے کیا۔ اور انہوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ کوئی راز..... راز نہ رکھا۔

مجھ سب سمجھ آ گیا کہ عروج نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔

میں ہر روز سوچتا ہوں کہ کیا وہ محبت بھی فریب تھی جو عروج احمد نے عباد سکندر سے کی۔ اور میرا دل کہتا ہے نہیں۔ وہ محبت ہی تو اک حقیقت تھی..... دماغ کہتا ہے وہ لوٹ کر کیوں نہیں آتی پھر.....؟؟ دل کہتا ہے تم خود کیوں نہیں لے آتے اسے۔ اور بس یہ ہی ایک بات ہے جو دماغ ماننے سے انکاری ہے۔ دماغ کہتا ہے وہ خود گئی ہے۔ اور اسے خود ہی آنا ہوگا۔ شاید محبت کے درمیان انا حائل ہوگئی ہے۔

☆☆☆

میں واپس جانا چاہتی ہوں لیکن مجبور ہوں۔ میری انا میرے پیروں کی بیڑیاں بن چکی ہے۔ دل کہتا ہے بس ایک بار وہ پکار لے۔ وہ نہیں پکارے گا تو شاید میں کبھی وہاں لوٹ کر نہ جا سکوں۔ میری کل رات پاپا سے بات ہوئی تھی۔ وہ بھی مجھے واپس آنے کا کہہ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے میں کہاں ہوں۔ مجھے کبھی کبھی احساس ہوتا ہے میں ماں باپ بہن بھائیوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت ثابت ہوئی ہوں۔ سات ماہ پہلے جب میں نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا تو پاپا نے صرف میری خوشی کے لیے مجھے اجازت دی تھی۔ انہوں نے نہ دنیا کی پروا کی اور نا گھر والوں کی..... انہیں خیال تھا تو بس میرا کتنے اچھے ہیں میرے پاپا اور کتنی بری ہوں میں۔ میں نے جب بھی دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو مین نے اپنے رب سے اس کا ساتھ مانگا ہے۔ اور مجھے میرے رب پر یقین ہے۔ اس کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ میری قسمت میں اچھا ثابت ہوگا۔

میں اس وقت اپنے کمرے کی واحد کھڑکی میں کھڑی ماضی کو سوچ رہی تھی۔ جب میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے مضمحل قدموں سے دروازہ کھولا۔ سامنے ہی فضلو چاچا کھڑے تھے۔ ہاتھوں میں سرخ گلابوں کا فل سائز بکے لیے۔

"بی بی کوئی صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے۔ نام نہیں بتا رہے۔ کہہ رہے ہیں بکے دے دیں عروج کو..... وہ پہچان جائے گی۔"

میں نے حیران نظروں سے بکے کو دیکھا۔ اور پھر خاموشی سے تھام لیا۔

کون ہو سکتا ہے..... مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔

ایک ہاتھ میں بکے پکڑے، دوسرے ہاتھ سے دروازہ بند کرتے میں واپس کمرے میں آئی اور الجھی نظروں سے پھولوں کو دیکھا۔

پھولوں کے عین درمیان میں ایک چھوٹا سا گلابی کارڈ لگا ہوا تھا۔ ویسا ہی گلابی کارڈ، جو میں عباد سکندر کو بھیجتی تھی۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ اور میں بھاگتی ہوئی گیٹ سے باہر آئی۔ پھول اب بھی میرے ہاتھ میں ہی تھے۔

اور پھول بھیجنے والا سیاہ کار سے ٹیک لگائے سامنے ہی کھڑا تھا۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی داڑھی، بلو ڈرائے ہوئے بال، سینے پر بندھے ہاتھ۔ سنجیدگی سے مجھ پر نگاہیں مرکوز کیے عباد سکندر پہلے سے بھی زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا۔

"تم یہاں....." میں خوشی سے بات مکمل ہی نہیں کر سکی۔ یہ وہی شخص تھا جس نے کہا تھا عروج تمہارے جانے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"تمہیں لینے آیا ہوں۔ گاڑی میں بیٹھو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

اور اس بار میں بنا اک لفظ بولے چپ چاپ اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی اور میں بھی چاہنے کے باوجود کچھ نہیں بول سکی۔ ایبٹ آباد سے کچھ دور ایک ہوٹل میں ہم دونوں نے کھانا کھایا اور اس کے بعد ایک بار پھر ہم اپنے سفر پر رواں دواں ہوگئے۔ ہماری گاڑی ایبٹ آباد کے مضافات میں داخل ہو رہی تھی جب ہمت کر کے میں نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"عباد کیا تم مجھ سے اب بھی خفا ہو۔" میں جانتی تھی یہ ایک بے تکا سوال ہے۔

"نہیں....." وہ سنجیدگی سے بولا۔ مجھے مزید شرمندگی ہوئی۔

"آئی ایم سوری میں نے بہت غلط کیا تمہارے ساتھ۔" میں اب کی بار بولی تو میری آواز بھیگی ہوئی محسوس ہوئی۔

"واہ ..... تو عروج میڈم آپ کو احساس ہوگیا۔" وہ گاڑی ایک جھٹکے سے روک کر بھرپور طنز سے بولا۔ "تم نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا اور پھر چلی گئیں۔ تب جب کارڈز بٹ چکے تھے۔ ہال بک ہو چکا تھا۔ ہر چیز تیار تھی۔ تم نے جاتے ہوئے اپنا سوچا، تمہیں لمحے بھر کو بھی یہ احساس نہیں ہوا تم تو پاپا سے بدلہ لے کر جا رہی ہو۔ لیکن میں کیسے لوگوں کا سامنا کروں گا۔ مجھے کس اذیت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھے کس جرم کی سزا دے کر گئی تھیں تم۔ جرم محبت کی۔ اس بات کی کہ میں نے ساری دنیا میں بس ایک تمہیں چاہا تھا۔ بس اک تمہاری آرزو کی تھی۔ اور تمہارے ہی خواب آنکھوں میں سجائے تھے۔"

وہ براہ راست میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ضبط کے باوجود غصے کے شرارے نکل رہے تھے۔

کشف بلوچ

انتظار

"تم نے میری عزت نفس پر ایک کاری وار کیا۔ تم کیا جانو اس اذیت کو میں آج بھی بالکل اسی طرح محسوس کرتا ہوں۔ عقل اور انا تقاضا کرتی تھی عباد سکندر بھول جاؤ انہیں جو محبت کے بدلے بے وفائی کرتے ہیں۔

لیکن دل تو پاگل ہی ہے نا۔ ہمیشہ دماغ کے فیصلوں کے آڑے آجاتا ہے۔ ایسی جگہ پر لا کے مارتا ہے جہاں پانی بھی نہیں ملتا۔

میرے دل نے مجھے مجبور کردیا کہ تمہارے جانے کے بعد بھی تمہارا انتظار کروں..... میں نفرت کرنا چاہتا تھا تم سے لیکن محبت سے نفرت کرنا ناممکن ہے۔"

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ضبط کے رنگوں میں بے بسی کے رنگ ملنے لگے تھے۔

"زندگی میں ہر قدم پر خوش قسمت ثابت ہونے والا عباد سکندر محبت کے مقام پر بہت بدقسمت ثابت ہوا۔ جس سے سب سے زیادہ محبت کی۔ اس ہی نے محبت کو رسوا کردیا۔ تم نے مجھے جرم محبت کی سزا دی ہے عروج۔" وہ اب عجیب انداز میں بول رہا تھا۔

"مجھے معاف کردو۔" میرے آنسوؤں میں روانی آئی۔

"شٹ اپ..... تمہاری معافی میری اذیت کو کم نہیں کرسکتی..... تم نے بہت غلط کیا تھا میرے ساتھ اور اس سے بھی زیادہ اپنے ساتھ۔" وہ حلق کے بل چلایا۔

"تم سکندر حیات سے بدلہ لینا چاہتی تھیں تو ان سے لیتیں مجھ سے کیوں لیا۔" وہ اب شکوہ کررہا تھا۔

"میں جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ غلط کیا۔ اور اس سے بھی زیادہ اپنے ساتھ..... مجھے بھی تم سے محبت تھی، اور ہے، بے غرض، بے حساب لیکن شاید جو ہوا۔ وہ یوں ہی لکھا تھا۔" میں اب اپنے آنسو صاف کرتے سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

"لیکن کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم اب سب بھول جاؤ، میں بھی بھولنا چاہتی ہوں سب کچھ۔ اپنوں سے دور رہنا بہت مشکل ہے۔ اور میں باوجود کوشش کے اس مشکل کو آسانی میں نہیں بدل سکی۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا تم میری ہر غلطی معاف کردو۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اشفاق احمد کہتے ہیں محبوب وہ ہوتا ہے جس کا غلط بھی صحیح لگے۔ اور مجھے تمہارا غلط بھی ٹھیک لگتا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"اور رہی بات معاف کرنے کی..... تو محبوب کی ایک مسکراہٹ پر محب سب کچھ بھلا دیتا ہے۔"

اس کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ میرے لبوں پر کھلنے لگی۔

کیسے بتاتی تجھے
شرماتی تھی میں
جیسے آنچل میں جلتا دیا

"بالکل..... جہاں محبت ہو، وہاں سب ٹھیک ہوجاتا ہے۔ پھر چاہے کتنے ہی طوفان زندگی میں کیوں نہ آئیں۔" وہ محبت سے محبت کا اقرار کررہا تھا۔ میرے گالوں پر یکدم سرخی چھانے لگی۔ میں نے شرما کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔

جب ہم اللہ پر توکل کرکے اپنی ہر مشکل میں اس سے رجوع کرتے ہیں تو ہماری زندگی پر چھائے سیاہ بادل خود بخود چھٹ جاتے ہیں۔

اور جو آپ سے محبت کرتے ہیں وہ پھر آپ کی غلطیوں پر سزائیں دیتے آپ کو۔ ان کا ظرف بہت بلند ہوتا ہے۔ جیسے عباد سکندر..... مجھے اب لگتا ہے جیسے وہ مجھے کسی دعا کی صورت ملا تھا۔ وہ دعا جو میری ماں نے مرنے سے پہلے میرے لیے کی تھی۔ وہ دعا جو میرا باپ ہر لمحے میرے لیے کرتا تھا۔ وہ دعا جو میں نے زندگی میں نا جانے کتنی بار اللہ سے مانگی تھی۔ دعا جو کبھی رد نہیں ہوتی۔ وقت آنے پر وہ خوشی بن کر ہمارے نصیب کو سجا دیتی ہے۔ عباد سکندر بھی میرے لیے وہی دعا تھا۔

☆☆

حسین رتوں کے انتظار میں ہماری زندگی کے قیمتی پل، ریت کی مانند ہماری مٹھی سے سرک جاتے ہیں۔" ہم اپنی سانسیں روکے، خود کو بے حال کیے تیزی سے آنے والے بہتر وقت کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں۔ مگر جب ہانپتے کانپتے وہاں پہنچتے ہیں تو ادراک ہوتا ہے سب ہی حسین پل تو پیچھے چھوڑ آئیں، آگے تو فقط حال کا ملال ہے۔"

زینب خالہ نے اس کے عجلت میں بندھے روکھے سوکھے بالوں کو نرمی سے کھولتے ہوئے کہا۔

"اب آپ اشعر کے اوٹ پٹانگ باتوں کو سنجیدگی سے نہ لیجیے گا خالہ جانی!" فریال نے تیل کی شیشی کی طرف بڑھتے، ان کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنے لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"اشعر کی تو عادت ہے ایسی باتوں کی، پتا ہے خالہ جانی!" وہ بات کرتے ہوئے کچھ سوچ کر ہنسی اور اپنے سر کو اوپر کر کے پیچھے بیٹھی خالہ کو دیکھنا چاہا اور پھر ناکام ہو کر اپنے سر کو ان کے بائیں بازو پر رکھ کر ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اصل میں اشعر کو اس کی دادی نے پالا ہے، کیونکہ اس کی ممی تو شروع سے ہی جاب کرتی تھیں۔ اس لیے اشعر میں نابوڑھی دادی کی روح حلول کر گئی۔"

فریال نے شرارتی انداز میں اپنی ایک آنکھ دبا کر کہا تو خالہ جانی نے پیار سے اس کے بھرے بھرے گالوں پر ایک چپت رسید کی۔

"اشعر غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا۔" انہوں نے ہتھیلی پر تیل انڈیلتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا تو فریال جھنجلا گئی۔

"اب آپ بھی اشعر کی حمایت کر رہی ہیں، اس نے تو بس فضول کی ضد باندھ لی ہے، وہ جاب کی بات سنتے ہی ممی کو بیچ میں لے آتا ہے۔ حالانکہ اس کی ممی شوقیہ جاب کرتی تھیں جبکہ وہ جانتا ہے میں مجبوری میں باہر نکل رہی ہوں، اس کی تنخواہ سے ہمارا گزارہ اچھا ہو رہا ہے۔ مگر ذرا سوچیے! ابھی ہماری شادی کو

گے اور ویسے بھی ہم اشعر کے والدین سے الگ اپنے فلیٹ میں رہتے ہیں۔ میری جاب سے سیونگ اچھی ہو جائے گی اور یہ ہی بات وہ سمجھ نہیں رہا۔" فریال کی بات سن کر ان کی مالش کرتی انگلیاں تھم سی گئیں۔

"ہاں تم نے درست کہا کہ آنے والے وقت کے لیے اچھی بچت ہو جائے گی، مگر یہ خوب صورت پل اس بچت کی نذر ہو جائیں گے۔" انہوں نے رسان سے کہا۔ "مگر یہ بات وقت سے پہلے کہاں سمجھ میں آئے گی تمہیں، مجھے بھی تو وقت گنوانے کے بعد سمجھ آئی تھی۔" ان کے لہجے میں درد کی آمیزش تھی۔ فریال خاموش رہی۔

"تمہارے خالو سے جب میرا بیاہ ہوا تو سسرال کی یہ آخری شادی تھی سو پہلے ہی دن ولیمے سے فراغت حاصل کرتے ہی سارے جیٹھ جیٹھانیاں گھر کا بٹوارہ کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ پہلے کمرے تقسیم ہوئیں، پھر شادی پر اٹھنے والے اخراجات، باورچی خانہ اور سب سے آخر میں بوڑھے والدین۔ جو برآمدے کے آخری کونے میں سر جوڑے بیٹھے تھے۔ وہ چونکہ اپنی ساری جمع پونجی پہلے ہی اولاد میں تقسیم کر چکے تھے۔ اس لیے کسی کو ان میں خاص دلچسپی نہیں تھی۔ نئے دولہا نے بخوشی اپنے پاس رکھ لیا، کیونکہ باقی سب کی بیویوں نے نظروں ہی نظروں میں انہیں تنبیہہ کی، جبکہ نئی دلہن کی نظریں گھونگھٹ میں چھپی ہوئی تھیں۔"

ہتھیلی پر لگی مہندی کے نقش و نگار جوں ہی مدھم ہوئے، مہکتے لمحے بھی پنکھ لگا کر اڑ گئے۔ اور اڑے اڑے رنگوں جیسے دن آنگن میں اتر آئے۔

چار افراد، دو ڈربے نما کمرے، باورچی خانے کی خستہ حالی، قرضے، کمر توڑ مہنگائی، میاں کی معمولی تنخواہ، مجال ہے جو بیس تاریخ کو پار کر لے اور اوپر سے ننھے مہمان کی آمد نے تو جیسے میرے ہاتھوں کے توتے اڑا دیے۔ مہینے کا آخر اور میاں کے ہاتھ میں کبھی ابا کے دمے کی ادویات، کبھی اماں کی جوڑوں کے درد کی شیشیاں اور کبھی میری طاقت کے ڈرپس

اور ان سب میں تنخواہ اڑن چھو۔ باورچی خانے کے خالی مرتبان میرا منہ چڑا رہے ہوتے۔ گیس اور بجلی کے بل پر درج ہندسوں میں ہر ماہ ایک صفر کا اضافہ ہو جاتا اور ساتھ میں ماتھے پر تفکر کی ایک اور لکیر بھی نمودار ہو جاتی۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد ہی میں کمر کس کر میدان میں آ گئی اور میاں کی مخالفت کے باوجود جاب کر لی۔" انہوں نے ایک سرد آہ بھری، مالش کرتی انگلیاں ایک ثانیے کے لیے ٹھہریں۔ مگر نظریں اب بھی دور کسی منظر میں الجھی ہوئی تھیں۔

"یہ ہی تو میں کب سے کہنا چاہ رہی تھی خالہ جانی کہ آپ نے بھی تو حالات کو بہتر کرنے کے لیے جاب کی تھی۔ تو میری جاب پر اتنے اعتراضات کیوں؟" فریال نے مڑ کر ان کے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ اور پھر سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ خالہ جانی کی انگلیاں پھر سے اس کے بالوں میں حرکت کرنے لگیں۔

"جاب کرنے کے کچھ سال بعد ہی گھر پر چھائی خستہ حالی کے اثرات کم پڑنے لگے۔" انہوں نے باتوں کا سلسلہ وہیں سے شروع کیا جہاں سے ختم ہوا تھا۔

"میرا سوال تو بیچ میں ہی رہ گیا۔" فریال نے دل میں سوچا مگر چپ رہی۔

"مگر میری مشکلات بڑھنے لگیں۔ وقت جیسے سکڑ سا گیا۔ تب سانس سینے کی تہ سے کھینچ کر نتھنوں سے باہر بھی نہ نکلنے پاتی کہ اگلا پہر آن دھمکتا۔ میں صبح فجر کے وقت اٹھتی تب ہی کہیں جا کر جاب پر پہنچ پاتی، سب کو ناشتا کرا کے، ایک ہاتھ سے جھوٹے برتن دھوتی تو دوسرے سے بیٹے کا فیڈر بناتی۔ ایک پاؤں باورچی خانے میں ہوتا تو دوسرا اپنے کمرے میں جہاں میاں آنکھوں میں محبت کی شوخیاں سموئے، بہانے بہانے سے اپنے قریب بلاتے مگر مجھ پر تو کاموں کی وحشت سوار ہوتی۔ وہ ٹائی مانگتے تو میں تولیہ پکڑا کر ابا کی طرف لپکتی جہاں ان کی دوائی کا وقت ہو رہا ہوتا۔ جلدی میں ان کی لرزتی ہتھیلی پر دو گولی رکھ کر میں باہر کی طرف دوڑتی جہاں میرے

کپڑے استری کے انتظار میں میز پر الٹے سیدھے لٹک رہے ہوتے۔ بیٹے کو بیمار ساس کے سپرد کر کے میاں کے ساتھ بائیک پر بیٹھتے ہوئے، بے ساختہ اپنے مڑے ہوئے پائنچے کو درست کرتی، آدھا دھڑ پیچھے چھوڑے کرسی پر دھڑام سی گرتی اور سانسوں کو ہموار کرتی فائلوں کے ڈھیر میں گم ہو جاتی۔

آسمان پر اڑتے پنچھی اپنے گھونسلوں میں دبک جاتے، تب میری واپسی کا سفر شروع ہوتا۔ بائیک پر بیٹھتے ہی ذہن کی اسکرین پر گھر پہنچتے ہی ضروری کاموں کی لسٹ بننا شروع کر دیتی۔ بائیک سے اترتے ہی تھکے ہارے، ادھ موئے جسم کو گھسیٹتے ہوئے باورچی خانے میں چل دیتی۔ محبت کے وہ مہکتے پل جن میں کانوں میں رس گھولتی سرگوشیاں رقص کرتی تھیں خواب ہو گئے اب تو بستر پر سر رکھتے ہی دن بھر کا تھکا ہارا وجود نیند کی وادیوں میں اتر جاتا۔

صبح آلارم کی آواز سن کر بے ساختہ من میں یہ خواہش جاگتی کہ کاش وقت سے چند گھڑیاں مستعار لی جا سکتیں مگر کہاں؟ پہلے وقت ہی وقت تھا، مگر آسانیاں میسر نہیں تھیں اور پھر آسانیاں میسر ہوئیں تو وقت ناپید۔

چند ٹھنڈے ٹھار گھونٹ چائے اور گھی کی تہ جمے پراٹھے حلق میں اتار کر پیٹھ پر بوجھ لادے جانور کی طرح کام پر جت جاتی۔ محبت، خوشی اور فرصت کے لمحات مختصر ہونے لگے اور ساتھ ہی میاں کی شکایات نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ وہ قناعت پسند آدمی تھے۔ دو نوالے لہسن ادرک کی چٹنی کے ساتھ کھا کر الحمدللہ کی تسبیح کے دانے گرانے لگ جاتے۔ وہ بہتر سے بہترین کی دوڑ میں شامل نہیں تھے۔ جو میسر ہے اس پر صابر شاکر اور میں ان کے الٹ۔ چند سالوں بعد گھر کے حالات قدرے بہتر ہوئے تو اپنی تنخواہ سے کمیٹیوں کے پیٹ بھرنے لگی۔ اپنے گھر کے لیے زمین خرید ڈالی۔ اور اپنے سنہرے خوابوں کی قسطیں بھرنے لگی۔

"کبھی اپنے چہرے کو گھڑی بھر غور سے دیکھا

ہے تم نے"؟ اتوار کے دن بازار سے خریدے سستے لان کے سوٹ خود ہی سیتے ہوئے، میری آدھی توجہ باورچی خانے میں چولہے پر چڑھی دال پر تھی اور آدھی قمیص کی آستینوں پر، تب ہی میاں کی بات سن کر چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ جو اخبار کی ورق گردانی چھوڑ کر میرے چہرے کو پڑھنے میں مشغول تھے۔

"کیا ہوا؟" میں نے جلدی سے دانتوں سے دھاگا توڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو تو شب و روز کی مشقت نے تمہارے چہرے کا سارا رنگ روپ چرا لیا ہے، وہ سارے لمحے جو ہم نے ایک دوسرے کی قربت میں بتانے تھے وہ مستقبل کی دیمک نے چاٹ ڈالے۔" وہ ملول ہوئے اور میں نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

"کوئی نہیں، قدموں تلے زمین اپنی ہو اور اس کے اوپر کا سارا نیلا امبر بھی اور جیب میں کھنکتے سکے ہوں تو زندگی کے سب ہی رنگ واپس آپ کی مٹھی میں آجاتے ہیں۔" میں نے سامنے پڑوسیوں کے نئے نکور گھر کی عنابی اور کافوری دیواروں کو رشک آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیتا وقت بھی......؟"

ان کی رندھی ہوئی آواز سن کر سوئی میں دھاگا ڈالتے ہوئے میرا ہاتھ رکا اور میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اس دن مٹتی ہوئی شام کی نیم جاں آنکھوں میں غضب کی اداسی تھی۔

پھر وقت بدل گیا اور اتنی تیزی سے کہ جیسے کسی ان دیکھے ہاتھ نے کتاب کا صفحہ پلٹ دیا ہو۔ پلک جھپکتے ہی سارے مناظر بدل گئے۔ اب قدموں تلے زمین اپنی ہے اور اس کے اوپر بچھا نیلا آسماں بھی گھر کے کونے کونے میں خوش حالی کدکتی پھرتی ہے اور وقت کی فراوانی ہے مگر وہ نہیں رہے جس کی سنگت میں یہ سنہرے دن بتانے کی چاہ تھی۔ میاں آنکھوں میں ہزار شکوے لیے منوں مٹی تلے جا لیٹے اور ان کی نشانیوں نے آسودگی کے پھولوں سے کڑھی چادر میرے سر پر رکھ کر زمانے بھر کی آسانیاں میرے قدموں میں ڈال دیں اور عمر تباہ کر دیا۔ اب دن سست روی سے رینگتے ہیں۔ اور میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک سفر کرتی رہتی ہوں۔ کبھی الماریوں میں پڑے پرانے کپڑوں کی گرد جھاڑنے بیٹھ جاتی تو کسی رنگین دوپٹے میں اٹکی بھولی بسری یاد نکل آتی تو دل میں جیسے اداسیاں سی بھر جاتیں۔

میاں جب بھی کسی بھیگتی شام میں چل کر کہیں باہر جانے کی ضد کرتے اور جھٹ الماری میں ٹھونسی کسی ان دیکھے پل کے انتظار میں سوکھتی گلابی ساڑھی کو نکال کر مجھے تھماتے، تو میری کشادہ پیشانی پر ہزار بل پڑ جاتے اور میری انگلیاں حساب کتاب میں محو ہو جاتیں اور شام روٹھ کر رات کی بانہوں میں سسکتے ہوئے سو جاتی۔"

خالہ جانی کے لہجے میں دکھ موجزن تھا۔ انہوں نے فریال کے تیل لگے بالوں کو نرمی سے سمیٹا اور سلیقے سے چوٹی گوندھنے لگی۔

فریال گم صم آنگن کے بیچوں بیچ ایستادہ املتاس کے شگوفوں کا اجلا زرد رنگ دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"ہمیشہ دوسروں کے تجربات سے سیکھنے کی کوشش کرو، کیونکہ اپنے تجربے بہت اذیت ناک ہوتے ہیں۔" فریال نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ نل کے نیچے ہاتھ دھوتی خالہ جانی کی بات سن کر وہ تخت سے اٹھی اور برآمدے میں پڑے اپنے ہینڈ بیگ کو کھنگالنے لگی۔

"کسی کی زندگی ہماری وجہ سے سنور جائے، بھلا اس سے بڑھ کر کوئی نیکی کیا ہو گی۔" خالہ جانی نے گندم کے دانے زمین پر بکھیرتے ہوئے کہا۔ املتاس کے پیڑ پر بیٹھی سیاہ چڑیاں دھیرے دھیرے نیچے اترنے لگی۔

اشعر اسے اتنے دنوں سے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اپنے فیصلے پر اڑی رہی، مگر آج خالہ جانی کی باتیں سن کر لگا۔ "اگر وقت پر درست فیصلے نہیں کیے جائیں تو سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

موبائل پر اشعر کو میسج کرتے ہوئے فریال کا وجود بہت ہلکا پھلکا تھا۔

☆☆

ناولٹ

منشا محسن علی

پھٹی چٹائیاں

میں قرۃ العین ہوں اور اپنے والدین کی اکلوتی اولاد نہیں ہوں، اس بات کا افسوس مجھے تاعمر رہے گا شاید تب بھی جب بڑھاپے میں میرے دانت جھڑ رہے ہوں گے۔ اکلوتے ہونے کی خواہش کرنے کی وجہ صرف اور صرف پروٹوکول ہے جو کہ اکلوتی اولاد کے حصے میں ہی آتا ہے۔ خیر سے اپنے ماں باپ کے ہم چار بیٹے، بیٹیاں ہیں۔ رافیہ عرف روفی بجو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں، جن کی صلاحیتوں کا سارا محلہ متعارف ہے۔ شفاء تو جیسے ان کے ہاتھوں میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے۔ امی، ابو، دادی گھر کے سارے ملازمین تک ان کے متاثرین میں شامل ہیں۔

رہی بات میری تو میں اس گھر کی بگڑی ہوئی، نکمی اور باغی اولاد کے درجے پر فائز ہوں۔ دوسرے نمبر پر رحمان ہے، جسے رنگ برنگے پرندے، بلیاں پالنے کا شوق ہے اور یہی بلیاں اگر کوئی آسٹریلین تو تا ہڑپ کر جائیں تو سات خوف معاف اور اگر معصوم بہن (جو کہ میں ہوں) جذبہ آزادی سے سرشار ننھے پرندوں کو پروانہء آزادی تھمادے تو قصوروار۔ رحمان زراعت کے شعبے میں ماسٹر کر رہا ہے۔ تیسرے نمبر پر آرزو ہے جو دن بدن ڈائٹنگ کر کر کے سوکھا بانس ہوتی جا رہی ہے۔ گھاس پھونس کھانے کے علاوہ اسے کوئی کام نہیں۔ وہ بی ایس کے چوتھے سمسٹر میں ہے۔

بقول میری دادی کے "گلزار ولا" کا ہر فرد انفرادی طور پر اپنی اپنی ڈیوٹیاں سرانجام دینے میں مگن ہے۔ بس نہیں (یعنی کہ پھر میں..... قرۃ العین) کو کوئی کام نہیں۔ سارا خاندان روز بروز تعلیمی اور تخلیقی شعبوں میں ترقی کرتا جا رہا ہے۔

خیر سے ہر فن مولا تو اس گھر کا ہر فرد ہے سوائے میرے۔ کوکنگ، اسپورٹس، گارڈننگ، ریڈنگ، ڈیزائننگ ہر فن میں طاق ہیں اور میں جو آرٹس کی طالبہ ہوں، بیچلر آف آرٹس بی اے کی انگلش فرصت دے گی تو میری سوئی ہوئی تخلیقی صلاحیتیں جاگیں گی ناں۔ شیطان کی آنت کی طرح لمبا کورس ہے ختم ہی نہیں ہوتا۔

یہ ایک بارش کے بعد کی ٹھنڈی میٹھی دوپہر کا منظر تھا جب میں "دنیا ایک اسٹیج ہے" کو رٹنے میں مگن تھی۔ دادی کترنوں کا ڈھیر پھیلائے بیٹھی تھیں اور امی کچن میں دھواں اڑائے ہوئی تھیں۔

"اللہ نے دنیا میں ہر انسان کو کوئی نہ کوئی ہنر دے کر بھیجا ہے، کوئی چیز بھی نکمی پیدا نہیں کی۔ حتیٰ کہ ٹڈی تک بھی نہیں، مگر ایک تم ہو جسے دیکھ کر خیال آتا ہے کہ تمہیں نکما پیدا کرنے میں کیا مصلحت رہی ہوگی۔" یہ فائرنگ دادی کی طرف سے ہوئی تھی، یعنی میں زد میں آنے والی تھی، گھبرا اٹھنگ ہونے کو تھا۔

"مگر دادی ہر کوئی تو اب پیدائشی فنکار نہیں ہوتا ناں۔" میری منمناہٹ امی کی آواز میں دب جاتی تھی۔ وہ کچن سے بیلن لے کر برآمد ہوئی تھیں۔

"ہر کوئی پیدائشی نکما، کام چور بھی نہیں ہوتا۔" میں نے نظموں کی کتاب پرے پھینکی تھی۔

"تو کیا کیا کروں آخر میں، خودکشی کے ایک سو ایک طریقوں پر غور کروں؟" میرے دماغ کا فیوز بھک سے اڑا تھا۔ ارے بھئی میری بھی کوئی عزت ہے، اسٹیٹس ہے یہ کیا کہ ہر کوئی مجھے رگید کر رکھ دے۔ امی نے بیلن کو تھپکانا شروع کر دیا تھا۔

"کھانے پکانے تمہیں نہیں آتے لیکن کھانا خوب آتا ہے۔ سلائی کڑھائی کی ابھی تمہاری عمر نہیں ہوئی۔ پودوں کی کانٹ چھانٹ سے تمہیں الرجی ہے۔ بی اے کی انگلش میں تم فیل ہو چکی ہو، ایسے اعزازات پر تمہیں گلزار ولا کے مکین سات توپوں کی سلامیاں دینے سے تو رہے بی بی!" مجھ ننھی سی جان پر یہ حملہ خاصا بھاری پڑا تھا۔

"روفی اوور آل میں ملبوس چہکتی مہکتی آئی تھی۔ ایسی صورت حال میں تو کھل سی جاتی تھی۔

"پھر عینی کی کلاس ہو رہی ہے۔" میری کلاس اس گھر کے مکینوں کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔

"کنیز کی بیٹی عروسہ نے بی اے میں ٹاپ کیا ہے۔ پدی سی لڑکی مگر ایسی افلاطون کہ بس..... اور ایک یہ ہے، کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی۔ ارے کون بیاہنے آئے گا اس لڑکی کو۔" چیونگم کے پٹاخے پھوڑتے رحمان کی کھی کھی، مجھے سخت طیش میں مبتلا کر چکی تھی۔ میں نے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے حاضرین محفل کو للکارا تھا۔

"آپ لوگوں نے قرۃ العین کو کچھ زیادہ ہی ہلکا لے لیا ہے۔ میں اب آپ سب کو وہ کر کے دکھاؤں گی جو کبھی کسی نے نہیں کیا ہوگا۔" اپنے پیچھے دبے دبے قہقہوں کا طوفان چھوڑتی میں باہر آ گئی تھی، کیا یہ انسلٹ کی بات نہیں تھی؟

☆☆☆

میری تخلیقی صلاحیتیں جاگ گئی تھی۔ کاش کہ میرے پاس بھی کوئی جادو کی چھڑی ہوتی کہ میں پہلی فرصت میں ہی اپنے گھر کے مکینوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے غائب کرا دیتی۔ ہائے..... دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے۔ انگلش ٹیسٹ میں فیل ہونے کے بعد غم غلط کرنے کو اکیڈمی کی روش پر میں اپنی اکلوتی دوست کے ساتھ ٹہل رہی تھی۔

"آخر اتنی بڑھک مارنے کی ضرورت ہی کیا تھی بھلا؟" ارم نے بھی میرے لتے لیے تھے۔ کوئی بھی تو مجھ معصوم کو بخشنے کو تیار نہ تھا، ہائے ری قسمت۔

"تو اور کیا کرتی، روز روز کے طعنوں نے میری زندگی عذاب کر کے رکھ دی ہے۔ کاش میں اس سیارے کی مخلوق ہی نہ ہوتی۔ مشتری، مریخ پر پیدا ہوئی ہوتی۔" ارم نے کوک کا ڈبا ڈسٹ بن میں اچھالا تھا۔

"پھر بھی تمہاری زندگی کے مسئلے جوں کے توں ہی رہتے۔"

"کبھی تسلی کے دو حرف نہ بولنا تم، کیسی دوست ہو تم، پرا دکھ تمہیں نظر نہیں آتا۔" سارے زمانے کی دکھی میں گئی۔ ارم اور میں تھک ہار کر دوبارہ بنچ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"ایسا کون سا تخلیقی کام ہے جو تم کر سکتی ہو۔ آخر سو میں سے کوئی دو فیصد جتنی کوئی تو صلاحیت ہوگی ہی تم میں۔" بات تو رسوائی کی ہی تھی مگر میں نظر انداز کر گئی تھی اور دماغ کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے تھے۔ آخر دماغ ایک نقطے پر اٹک گیا تھا، اگاتھا کرسٹی، ابن صفی، چارلس ڈکنز، نمرہ احمد، عمیرہ احمد، سمیرا حمید..... ان مصنفین کی تحریریں پڑھ پڑھ کر کبھی کبھی تو میرے دماغ کی بھی گھنٹی بجنا شروع ہو جاتی تھی۔

"عینی! تم لکھ سکتی ہو۔ قلم اٹھاؤ، یہ سب بھی تو اسی سیارے کی مخلوق ہیں۔" میرے دماغ کی بتی روشن ہوئی تو میں نے ارم کے ہاتھ پر تالی بجائی۔

"میں لکھ سکتی ہوں۔"

"مگر کیا؟"

"ارے بھئی کہانیاں، ناول، افسانے۔" ارم قہقہہ لگا کر مجھے شرمندہ کر گئی تھی۔

"بہنا..... وہ اور لوگ ہوتے ہیں، اس میں بہت محنت، مشاہدے اور مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے اور تم ان تینوں میں کوری ہو۔" میں روہانسی ہو گئی تھی۔

"دفع ہو پرے..... کیسی دوست ہو تم، جو ابھی سے حوصلے پست کر رہی ہو۔" میں تو جیسے ساری کشتیاں ہی جلا بیٹھی تھی اور اب کوئی بھی چارہ نہ تھا۔

"اچھا چلو، تم کوئی افسانہ لکھو پھر کسی رسالے میں بھیجیں گے۔" تسلی کے وہ دو حرف میں دوپٹے کے پلو سے باندھے ساتھ لے آئی تھی۔ پھر تو مانو سب نے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھا تھا۔ کاغذوں کے پلندے تھامے میں کبھی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی، صفحے کالے کر رہی ہوتی تو کبھی صبح صبح لان کے بنچوں پر سر جھکائے کلپ بورڈ پر جھکی ہوئی ہو..... حتیٰ کہ آدھی آدھی راتوں کو گیلری میں ٹہلتی ہوئی افسانے کا پلاٹ سوچنے میں ہلکان ہوئی پھر رہی ہوتی تھی۔

کچن کے دروازے سے لگی کھڑی روفی بجو کے ہاتھ میں کافی کا کپ ہوتا تھا۔

"عین..... تمہیں کوئی دماغی عارضہ تو نہیں لاحق ہو گیا؟" میں رک جاتی۔

"آپ کو ایسا کیوں لگا؟"

"ارے بھئی آج کل تم کافی عجیب سی ہوتی جا رہی ہو۔ اتنی پڑھاکو تو تم کبھی بھی نہیں رہیں۔" بڑا ہی کوئی طنزیہ لہجہ تھا۔ میری آنکھیں برسنے کو تیار تھیں۔

"میں اگر نہیں پڑھتی تب بھی مسئلہ ہے اور اگر

میں پڑھتی ہوں تو بھی مسئلہ ہے۔ آپ لوگوں کو چین کیوں نہیں پڑتا آخر؟" میں آخر میں چیخ ہی تو پڑی تھی اور یہ الگ بات تھی کہ میری ان ننھی منی چیخوں سے گھر والے ابھی بھی خوف زدہ نہیں ہوئے۔

آرز ملتانی مٹی کا ماسک لگائے بامشکل خود کو بولنے سے روکی ہوئے تھی۔ رحمان عرف بھی کھی کی دل جلی باتیں مجھے الگ کبیدہ خاطر کیے ہوئے تھیں۔

"عینی...... اس بار تو پکا ٹاپ کرے گی۔" وہ تینوں سائنس دان مجھے غریب کو بالکل ہی ناکارہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ میں پیر پٹختی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ رات ابھی نہیں اتری تھی، شام کے بلب روشن تھے۔ میں جلے پیر کی بلی کی طرح ٹہلے جا رہی تھی، آخر تھک ہار کر ارم کو فون ملا لیا تھا۔

"میں نے ایک افسانہ لکھ لیا ہے۔" میری آواز خوشی سے کپکپا رہی تھی۔

"ہائیں...... سچ...... اتنی جلدی؟" وہ مشکوک ہو رہی تھی، اسے تو جیسے مجھ پر یقین ہی نہیں تھا۔ کمینی نہ ہو تو......

"ہاں، ہاں۔" میں نے اپنی آواز میں حتی الامکان یقین بھرنے کی کوشش کی تھی۔

"کیا نام رکھا ہے؟" میں نے ڈریسنگ ٹیبل سے کاغذوں کا پلندہ اٹھا کر نظر ڈالی تھی۔

"آدھی رات نام ہے۔"

ارم آرام دہ صوفے پر پاپ کارن کا باؤل تھامے بیٹھی ڈسکوری چینل دیکھتی سیدھی ہوئی تھی۔

"نام تو خاصا...... خیر...... رومانٹک تو ہے ناں؟" میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ میرے افسانے میں رومینس نام کی کوئی چیز بھی دور دور تک نہیں تھی۔ میرا لہجہ ذرا سا گڑبڑایا تھا۔

"ہاں...... تھوڑا بہت تو ہے۔"

"تمہیں تو پتا ہے ناں آج کل کی لڑکیاں ہلکی پھلکی سیدھی سی کہانیاں پڑھنا چاہتی ہیں۔"

میں نے بولتی ٹرین کو روکا تھا۔

"اچھا سنو تو......"

"ہاں ہاں سن رہی ہوں۔"

میں نے ہاتھ میں پکڑے پلندے پر پیار بھری نظر ڈالی تھی۔ دل میں گدگدی سی ہو رہی تھی کہ میں تو مستقبل کی قرۃ العین حیدر بننے جا رہی تھی، اُف......

"اسے کہاں بھیجنا ہے؟"

"چنبیلی ڈائجسٹ کو بھجوا دو۔"

اور اگلے دن افسانے کو نہایت اہتمام سے پیک کر کے میں ڈاک خانے پوسٹ کرنے کے بعد دن گننے لگی تھی۔ وقت میری اہمیت میرے گھر والوں پر ثابت کرنے جا رہا تھا۔

"ہونہہ...... عینی تو نکمی اور ناکارہ ہے۔ اسے کچھ آتا جاتا نہیں...... اب سب کو پتا چلے گا۔"

☆☆☆

"چنبیلی ڈائجسٹ کی مدیرہ الفت بات کر رہی ہوں اور مس قرۃ العین آپ کو سختی سے وارن کر رہی ہوں کہ یہ دوشیزاؤں کا ماہنامہ ہے۔ آپ کو مذاق کرنے کی اجازت کس نے دی آخر، الامان ایسا خوف ناک افسانہ بھیجنے کی جرأت کیسے ہوئی آپ کو۔ میری نائب مدیرہ آپ کا یہ شاہکار پڑھ کر بے ہوش ہو چکی ہیں، دو بار ان پر پانی ڈال کر انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کر چکی ہوں۔ یہ ایک رومانوی پرچا ہے، خوف ناک نہیں۔"

اور پھر تو جیسے چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ الفت صاحبہ میں ذرا بھی "الفت" نہیں تھی، مجھ پر سکتے کا دورہ پڑا تھا۔ شیخ چلی کے سارے خیال زمین بوس ہو چکے تھے۔ سارے انڈے ٹوٹ چکے تھے، پولٹری فارم کیسے بنتا آخر۔ دادی وظیفے پڑھتی مجھے چپ پا کر چلانے لگی تھیں۔

"اے لڑکی! کاہے چھوئی موئی ہو کے پڑی ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"ٹھیک ہوں دادی...... بی پی مسئلہ کر رہا ہے۔" سکنج بین کے تین نمکین گلاس پی کر میں ارم سے اپنے دکھڑے رو رہی تھی۔ تخلیقی صلاحیتیں بھک کرکے اڑی ہیں۔ بے عزتی سی ہوئی تھی۔

"ارے میں نے تو پہلے کہا تھا رومانس کا تڑکا جب تک نہیں لگے گا، کہانی قابل اشاعت نہیں ہوگی۔"

میرا دل جل کر خاک ہو گیا تھا۔ کہانی نہ ہوئی ہانڈی ہو گئی۔

"اچھا اچھا، اتنی سڑی سڑی باتیں تو مت کرو۔ اب یہ سوچو آگے کیا کرنا ہے۔" میں بیڈ پر اوندھے منہ پڑی صدماتی کیفیت میں تھی۔

"اب ان تلوں میں تیل نہیں رہا بہن۔" دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے وہ والا گانا سنوں۔ "روتے ہیں چھم چھم نیناں۔"

"ارے پریشان مت ہو، ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر حوصلے نہیں ہارا کرتے۔ آگے بڑھنا ہوگا، جیت تمہاری منتظر ہے۔ ہیری پوٹر کی مصنفہ جے کے رولنگ اور چارلس ڈکنز نے بھی تو ابتدا میں ایسی مشکلات دیکھی تھیں اور آج دیکھو تو ساری دنیا ان کی دیوانی ہے۔"

ہائے...... ہیری پوٹر تو میری فیورٹ تھی، اب جا کے دل میں کہیں حوصلہ ہوا تھا۔ تمہیں لگتا ہے میں ان جیسی شہرت حاصل کر پاؤں گی؟ جانے کیوں مجھے ہمیشہ سے ہی اپنی صلاحیتوں پر شک سا رہا ہے۔ اب بھی شک کا کیڑا میرے دماغ میں کلبلا رہا تھا۔

"سو فیصد میری جان، کامیابیاں تمہاری منتظر ہیں۔"

ارم کے دیے گئے حوصلے نے میرے موڈ پر اچھا تاثر چھوڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اپنے دشمن اول سے اس دن ہنس ہنس کر باتیں کرتی بے چارے کو شاک میں مبتلا کر گئی تھی۔

دشمن اول کا نام شریف احسن ہے مگر ذرا جو شرافت ہو اس میں، البتہ خباثت کوٹ کوٹ کر ضرور بھری گئی ہے۔ میرا کزن ہے، شمالی علاقہ جات ٹرپ سے ابھی ابھی لوٹا تھا۔

"یہ میری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں؟" پکوڑے ٹھونستا وہ بے یقینی کا شکار لگ رہا تھا۔

"صرف آنکھیں مت کہو، اپنی آنکھوں کے ساتھ گناہ گار کا لفظ بھی لگایا کرو۔" بلیک شرٹ اور بلیو جینز میں خبیث آج بھی قیامت ڈھا رہا تھا مگر میں نے تو جیسے ہمیشہ کی طرح اس سے نظریں ہی پھیر لی تھیں۔

"ساری زندگی جلتی کڑھتی ہی رہنا مجھ سے، جل ککڑی۔" میں نے ٹی وی ریموٹ جھپٹا تھا۔

"تم سے جلتی ہے میری جوتی۔"

"ہاہاہا...... میں بھی کہوں ایسا کیا انقلاب آیا ہے کہ محترمہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئی جاتی ہیں ورنہ تو یہ منہ اور مسور کی دال۔ پھر سوچا کہیں قاسم علی شاہ اور ڈیل کارنیگی کے لیکچرز نہ سننے جا رہے ہوں۔"

"تم ایسے انسان ہو ہی نہیں کہ تم سے ہنس ہنس کر باتیں کی جائیں۔" میں دشمن اول کی طرف کشن پھینکتی، پھوپھو کی طرف آ گئی۔ پھوپھو میری واحد حمایتی اور پسندیدہ ہستی تھیں جن سے میری تو کم از کم خوب بنتی تھی۔ وہ ہمیشہ میری ڈھال بن جاتی تھیں، امی اور دادی اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی تھیں۔

"ارے بھئی اب پانچوں انگلیاں کہاں برابر ہوتی ہیں۔ کوئی نہ کوئی تو اونچ نیچ ہوتا ہی ہے۔ قرۃ العین بس تعلیمی لحاظ سے ذرا پیچھے ہے ورنہ تو کوئی کمی نہیں ہے اس میں۔" میں پھوپھو سے لپٹ جاتی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اسے گھرداری سے ذرا بھی شغف نہیں۔"

"وقت کے ساتھ ساتھ سب آ جائے گا۔"

پھوپھو کی بات پر دادی کو خوب تاؤ آتا تھا۔

"ارے ایسے کیسے آ جائے گا، جب کام میں ہاتھ ہی نہیں ڈالے گی تو سسرال میں خاک عزت رہے گی۔"

"ارے ہو جائے گا اماں!"

"ارے تم تو رہنے ہی دو رفعت! اس کو کھانے پکا کر فرشتے دینے نہیں آئیں گے۔ خود ہاتھ پیر چلائے، تم پھوپھی بھتیجی میں اتنی دوستی ہے تو تم کیوں نہیں سکھاتیں اس کو کوکنگ۔"

پھوپھو نے جیسے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا تھا جیسے پوچھ رہی ہوں "کیا کہتی ہو پھر عینی؟" میں

نے قربانی کے بکرے کی طرح سر کو جھکا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھوپھو! میں کل سے آپ کے پاس کوکنگ سیکھنے آجاؤں گی۔" دشمن اول زور سے کھانسا تھا۔ کاش میں اس کی بتیسی توڑ سکتی، مکار، الو، خبیث کہیں کا......!!

☆☆☆

"مشتاق احمد یوسفی مرحوم کہا کرتے تھے کہ انڈہ ایک ایسی چیز ہے جو کہ پھوہڑ سے پھوہڑ عورت بھی مزے کا بناتی ہے۔ مگر عینی......؟" میں جو دشمن اول سے توصیفی الفاظ سننے کو تیار کھڑی تھی اس کا "مگر" میرا دل جلا گیا تھا۔ اسی لیے تو کہتی ہوں کہ اس کا نام شریف احسن کے بجائے خبیث احسن ہونا چاہیے تھا۔ وہ کانٹے سے آملیٹ کے کئی ٹکڑے کیے بغور معائنہ کر رہا تھا۔

"مگر تم پھوہڑ سے پھوہڑ سے بھی کہیں نیچے کی لائن میں ہو۔"

دل تو چاہ رہا تھا فرائنگ پین اس کے سر پر مار کر دو ٹکڑے کر دوں۔ پھوپھو کا اسٹائلش انٹیریر سے آراستہ گھر، سرسبز لان اور سفیدے کے درختوں کی قطاریں مجھے بہت پسند تھیں۔ میں یہاں آکر ہمیشہ اپنے آپ کو تروتازہ محسوس کرتی تھی۔ یہ گھر میرے لیے زمین پر جنت سے کم نہ ہوتا اگر دشمن اول اس گھر کا مکین نہ ہوتا، بچپن سے ہی ہم دونوں میں بلی چوہے والا بیر تھا اور ہم ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔ جانے اسے مجھے رلانے میں کیا مزا آتا تھا۔

"تم لڑکی ہوتے تو پھر پوچھتی میں تم سے۔" میں نے غصے سے آملیٹ والی پلیٹ اس کے سامنے سے اچک لی تھی۔

"اگر میں ہوتا بھی تو کم از کم تمہاری طرح پھوہڑ ہرگز بھی نہ ہوتا۔" اسپورٹس شوز کے تسمے باندھتا مجھے وہ سخت زہر لگ رہا تھا۔

"لیکن تم محلے کی وہ پھاپھے کٹنی تو ضرور ہی ہوتے جو ادھر اُدھر کی باتیں چٹخارے لے کر سناتی ہے۔ چغلیاں کرتی ہے۔" وہ سیدھا میرے سامنے آکھڑا ہوا تھا، گیلے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نانی کو تمہارے لذیذ آملیٹ کا قصہ سنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" میری جان نکل گئی تھی۔ اس سے ہر ایسی بات کی توقع رکھی جاسکتی تھی کیوں کہ ہمیشہ وہ میری ایسی توقعات پر پورا اترتا چلا آرہا تھا۔ وہ سیٹی بجاتا باہر جا رہا تھا۔

"اگر تم نے دادی سے ایک لفظ بھی کہا ناں تو میں تمہاری جان لے لوں گی اور اس بار اسے صرف دھمکی مت سمجھنا۔" میں پیچھے سے چلائی تھی، وہ بھی ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا۔

"اک ستم اور...... میری جاں باقی ہے۔" اب تو میرا دل چاہ رہا ہے کہ چاہے میں ایک اچھی رائٹر، شیف نہ ہوتی مگر ایک اچھی "شوٹر" تو کم از کم ضرور ہی ہوتی۔ اپنے ناپسندیدہ لوگوں کو شوٹ کرتے وقت میرا نشانہ ذرا بھی نہ چوکتا۔

میں نے پلیٹ سے آملیٹ کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا تھا۔ چند ثانیے بعد مجھے خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔

"میرا بنایا گیا آملیٹ اب اتنا برا بھی نہیں تھا، جتنا وہ ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا، کیا ہوا جو نمک مرچ ذرا سی تیز تھی۔

پھوپھو کے پاس کوکنگ کلاسز کے ساتھ ساتھ میری لکھنے کی مصروفیات بھی زور و شور سے جاری تھیں۔ میں دادی اور امی کی خدمت میں ایک بار اپنے بنائے گئے سادہ بسکٹ، سادہ کیک اور آلو شملہ کا سالن پیش کر کے تھوڑی بہت پسندیدگی کی سند وصول کر چکی تھی۔ دادی کا شک پھر بھی رفع نہ ہوتا تھا۔

"عینی...... یہ تم نے ہی بنائے ہیں ناں؟" میں زور و شور سے سر کو ہلاتی تھی۔

"جی دادی......" دادی ٹرے کو خاصی جانچ پڑتال سے دیکھتی تھیں اور پھر نظر مجھ پر پڑتی تھی۔

"ایسا ذائقہ تو رفعت کے ہاتھ کا ہے۔" اور میرا دل چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں دھنس جاؤں۔ اب کیا بتاتی کہ کیک اور بسکٹ کو اوون میں رکھنے کا کام ہی صرف میں نے سرانجام دیا تھا، باقی سارا کام تو پھپھو نے کیا تھا میں نے تو دشمن اول کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے کا دروازہ بند کر کے مہدی حسن کو سنتے صفحات ہی کالے کیے تھے۔ شاید مجھے بھی مستقبل قریب میں جے کے رولنگ اور چارلس ڈکنز جیسی شہرت حاصل ہونے والی تھی۔ ارم کی ہمدردیاں میرے ساتھ تھیں۔

"ارم...... یہ افسانہ تو پکا لگ جائے گا ناں؟" میری کشتی طوفان میں ڈول رہی ہوتی تھی۔

"ہاں، ہاں...... کیوں نہیں۔" میری سب سے بڑی غلطی کہیں یا پھر بے وقوفی یہ تھی کہ میں ارم کی بات پر یقین کر لیتی تھی۔

کیا خوب صورت احساس تھا کہ میں پاکستان کی ایک مشہور مصنفہ بن جاؤں گی۔ مدیرہ مجھے لمبے لمبے خط لکھ لکھ کر اپنے جریدوں کے لیے لکھنے کے لیے قائل کریں گی۔ پبلشرز میرے آگے ہاتھ جوڑے کھڑے ہوں گے۔ اف...... ٹی وی چینلز کے پروڈکشن ہاؤسز مجھ سے رابطہ کریں گے۔

میں نے دو ہفتوں میں چار افسانے لکھ کر کوئل اور دوسرے رسالوں کو بھجوا دیے تھے اور ان کے جواب کی منتظر دن انگلیوں کی پوروں پر گن رہی تھی۔ شریف احسن میرے انداز و اطوار کو خاصے مشکوک سے انداز میں دیکھ رہا تھا۔

میں اڑی اڑی جاواں ہوا دے نال...... سڑ سڑ کے مرن گے سارے جل ککڑے۔

☆☆☆

بزنس ٹور سے واپسی کے بعد پاپا آج مجھے لاؤنج میں اخبار پڑھتے نظر آہی گئے تھے یا پھر یوں کہنا مناسب ہوگا کہ میں ان کے سامنے آگئی تھی۔ اخبار کو تہہ کر کے رکھتے ہوئے وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے تھے، ان کی مسکراہٹ بارش کی پہلی پھوار کا سا تاثر چھوڑتی تھی...... ہلکا نرم......

"عین بیٹا!...... ادھر بیٹھو میرے پاس آکر۔" میں ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ میرے بالوں میں ہمیشہ کی طرح ہاتھ پھیرنے لگے تھے۔

"کیا کر رہی ہو آج کل؟" میں نے پیار سے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"اکیڈمی جاتی ہوں انگلش پڑھنے اور پھوپھو سے کوکنگ سیکھ رہی ہوں۔"

"رفعت سے...... اسے تو خود ابھی تک کچھ خاص بنانا نہیں آیا۔" وہ ہنسے تھے۔ مجھ سے اپنی استانی کی برائی برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"اب ایسا بھی نہیں پاپا! پھوپھو جیسی کوکنگ تو ہماری فیملی میں کوئی بھی نہیں کر سکتا۔" میں نے رفعت پھوپھو کا دفاع کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"جی بیٹا جی! میں تو تمہیں چھیڑنے کو کہہ رہا تھا۔ خیر کیا کیا بنانا سیکھ لیا ہے؟" پاپا نے دلچسپی سے مجھے دیکھا تھا۔ رحمان عرف کھی کھی باجرے کی تھیلی اٹھائے سامنے سے گزرا تھا۔

"صرف اور صرف چائے اور انڈہ۔"

میں نے دل میں پکا ارادہ کر لیا تھا اس کی آسٹریلین چڑیاں اڑانے کا۔ یہی تو وقت تھا اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا۔ رفی بجو ادھر ہی چلی آئی تھیں۔

"چلیں پاپا! اپنا بی پی چیک کرائیں۔" وہ یوں ہی روزانہ گھر کے سارے افراد کا بلڈ پریشر چیک کرتی رہتی تھیں، سوائے میرے...... میں نے اس بات پر تو خوب واویلا کیا تھا۔

"کیا میں اس گھر کی فرد نہیں ہوں؟" اسکیل تھامے جرنل پر جھکی آرزو بامشکل اپنی ہنسی کو روک پائی تھی۔

"عینی! تمہارا بی پی تو ہمیشہ ہی شوٹ کر جاتا ہے، چاہے چیک کیا جائے، نہ کیا جائے۔" میں نے چائے کا کپ میز پر پٹخا تھا۔

"آخر کب مجھے اس گھر کا فرد سمجھا جائے گا؟" میرے آنسو پلکوں کی دہلیز پھلانگنے کو ہمیشہ ہی تیار رہتے تھے۔

"تم میں ایسے گٹس ہی نہیں ہیں کہ تمہیں اس فیملی کا حصہ سمجھا جائے۔" رحمان کی شرارتیں کبھی بھی تو میرے لیے بے ضرر ثابت نہیں ہوتی تھیں اور پھر میں نے پنجرے کی کنڈی کھول دی اور قومی ترانہ

پڑھ ڈالا۔ سارے آسٹریلین توتے، انواع واقسام کی چڑیاں آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر گئیں۔

چار دن رحمان عرف گھی کمرے میں حالت سوگ میں نظر بند رہا جب کہ گھر کی معزز خواتین (امی اور دادی) نے میرا کھانا پینا بند کر دیا۔ میری کوکنگ کلاسز کام آ گئیں، اپنا پکا ہی آرام سے کھانے لگی۔

دنیا کے تقریباً سارے گھروں میں ساس بہو کے جھگڑے ہوتے ہیں، مگر گلزار ولا میں تو کبھی برتن تک نہ کھڑکے۔ ساس بہو میں بلا کا ایکا تھا، دونوں کا جو کھاتے ہوئے اسٹار پلس کا مشہور زمانہ سوپ ''ساس بھی کبھی بہو تھی'' ذوق وشوق سے دیکھتی تھیں اور ہر روز شام کی چائے پر تبصرے کیے جاتے تھے۔

''اس بار تو تمہارا بی اے ہو جائے گا ناں؟'' پاپا کو ہمیشہ سے دو ہی فکریں رہی تھیں، ایک میرے بی اے کی دوسرا اپنے بزنس کی۔

''جی پاپا..... ہو جائے گا۔'' میں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔ چینی کا جار اٹھائے امی سامنے سے گزری تھیں۔

''کوئی بات نہیں، ایک اور چانس رہتا ہے ابھی..... اب نہ سہی تو تب سہی۔'' امی اور دادی کے یہی طنز میرا خون جلاتے تھے، تب ہی تو میری صحت گرنے لگی تھی اور میں اتنی کم زور ہو چکی تھی۔ دشمن اول کی بتیسی بھی آج کل کچھ زیادہ ہی باہر رہنے لگی تھی، بات بے بات ہنستا تھا، کم بخت..... لوفر کہیں کا۔

''تم آج کل ڈائٹنگ تو نہیں کر رہیں عینی؟'' میں نے ایک نظر اپنے سراپے پر ڈالی اور دوسری نظر اسے دیکھا تھا۔ میں تو ڈائٹنگ کا نام تک نہیں لے سکتی تھی، یہ کام تو آرزو اور رنی بجو ہی کر سکتی تھیں۔

''تمہارے منہ میں خاک..... میں بھلا کیوں کرنے لگی ڈائٹنگ؟''

''اوہو..... اس کا تو پھر صرف ایک ہی مطلب سمجھ میں آتا ہے۔'' میں نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اس چپٹی ناک والے بندر کو گھورا تھا۔

''کون سا مطلب؟'' وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالے غٹا غٹ پیتا جا رہا تھا۔

''یہی کہ بی اے کی انگلش نے تمہارے خون کی بوند بوند چوس ڈالی ہے۔''

''میں ڈائٹنگ کروں یا بی اے کی انگلش میرا خون پی جائے، اس بارے میں تمہیں فکر مند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، سمجھے۔''

''تمہیں تو غصہ آ رہا ہے عینی..... سچی؟'' کاش میں اس چپٹے ناک والے بندر کے منہ پر ایک گھونسا رسید کر سکتی۔ حسرت ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے۔

''تم پر غصہ کرتی ہے میری جوتی۔'' چولہا بند کرتی میں باہر کی طرف مڑی تھی۔

''اچھا سنو تو..... پیار آ رہا ہوگا پھر؟'' لہجہ شرارتی تھا مگر ہائے ہم کانچ سے بنی لڑکیاں پیار کے پتھر کے آگے ہماری کیا اوقات۔ دل میں ایسے ایٹم پھوٹے کہ میں نے سرپٹ بھاگنے کی سوچی۔ دل تھا کہ دھک دھک.....

☆☆☆

میں اینتھولوجی آف انگلش ورس تھامے ٹیرس پر ٹہل رہی تھی۔ ہوائیں اپنے پیروں سنگ بارش باندھ لائی تھیں۔ بوگن ویلیا کے پھولوں پر گرتی بوندیں بھلی لگ رہی تھیں۔ میں نے جوتے اتار کر ٹیرس کے ننگے فرش پر ننگے پاؤں چل کر کافی لطف لینے کا سوچا تھا۔

ایسا موسم ہو اور قرۃ العین گلزار اپنی فیورٹ نظم نہ پڑھے، یہ تو ناممکن سی بات تھی آخر..... کتاب کا صفحہ نمبر سولہ میرے سامنے تھا۔ ڈی جے ان رائٹ کی ''دی ریپل''..... جانے کیوں مجھے ہمیشہ سے ہی ریپل میں اپنی جھلک نظر آتی تھی۔ کتنا منفرد اور سویٹ سا تھا ناں وہ۔ ہر بار پڑھنے پر پہلی بار پڑھنے کے جیسا مزا ملتا تھا۔ ہوا کا شور میری آواز کے شور میں مدغم ہو گیا تھا۔ ریپل ہونے میں بڑا مزا تھا۔ لوگوں کی پروا نہیں ہوتی صرف دل کی سنی جاتی ہے اور بس.....

جب ہر کوئی اپنے بالوں کو مختصر کرتا ہے
ریپل اپنے بالوں کو بڑا کر لیتا ہے
جب ہر کوئی اپنے بالوں کو بڑا کر لیتا ہے
ریپل بالوں کو مختصر کر لیتا ہے
جب ہر کوئی سبق کے دوران بولتا ہے
ریپل ایک لفظ بھی نہیں کہتا
جب کوئی بھی سبق کے دوران نہیں بولتا
ریپل بولنا شروع کر دیتا ہے
جب ہر کوئی یونیفارم پہن کر آتا ہے
ریپل مضحکہ خیز کپڑے پہن لیتا ہے
کتوں کو پسند کرنے والے گروپ میں
ریپل بلیوں کی حمایت کرتا ہے
بلیوں کو پسند کرنے والے گروپ میں
ریپل کتوں کی حمایت کرتا ہے
جب ہر کوئی سورج کی ستائش کرتا ہے
ریپل بارش برسنے کی دعا کرتا ہے
جب ہر کوئی میٹنگ میں شریک ہوتا ہے
ریپل گھر رک کر کتاب پڑھتا ہے
جب ہر کوئی ''جی ہاں..... پلیز'' کہتا ہے
ریپل ''جی نہیں..... شکریہ'' کہتا ہے

یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہم میں ریپلو موجود ہیں شاید آپ اسے کچھ زیادہ اچھا نہیں سمجھیں

میں نے ہنستے ہوئے سر اٹھا کر سر پر برستے آسمان کو دیکھا تھا۔ مجھے آسمان بھی ایک ریپل لگا تھا، وسیع و عریض اور پیارا سا ایک ریپل..... بوگن ویلیا کا ایک پھول میں نے توڑ کر اپنے بالوں میں ٹانک لیا تھا۔ اس بات سے بالکل بے خبر ہو کر کہ اپنے ٹیرس پر بیڈمنٹن کھیلتے دشمن اول نے مجھے اپنے دل میں ٹانک لیا تھا۔ دل اور محبت بھی ریپل ہیں زمانے سے ہٹے ہوئے۔

☆☆☆

وہ فون کال سننے سے پہلے آخر میں، میں کیوں نہ گئی تھی۔ زمین پیروں تلے سے نہایت سکون اور اطمینان سے کھسکی تھی۔ میرے دماغ میں کوئل ڈائجسٹ کی مدیرہ عظمت جی کی باتیں گونج رہی تھیں۔ ہونہہ..... ذرا بھی عظیم نہیں لگی تھیں مجھے تو، دل آٹھ آٹھ آنسو رو رہا تھا۔

''قرۃ العین گلزار؟''

''جی جی، بات کر رہی ہوں۔'' دل کی دھڑکنیں خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھیں۔

''آپ نے پہلی شادی افسانہ بھیجا، پھر دوسری شادی بھیج دیا۔ براہ مہربانی اب تیسری شادی بھیجنے کا تردد مت کیجیے گا، آپ کا ہم پر احسان ہوگا اور ایک بات یاد رکھیں یہ ایک رومانوی ماہنامہ ہے، کوئی شادی دفتر نہیں۔ جہاں آپ شادیوں پر شادیاں کروائے جا رہی ہیں۔''

دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دوں اور گچی مروڑ کر رکھ دوں۔ جے کے رولنگ اور چارلس ڈکنز تو اصل ادیب تھے اور میں تو زبردستی کی مصنفہ بننے جا رہی تھی۔ کم از کم ادیبوں والے گنس تو تا عمر مجھ میں پیدا نہیں ہونے والے۔

''ٹرن..... ٹرن..... ٹرن.....'' فون کی گھنٹی صور اسرافیل کے مشابہ تھی۔ میں نے بے دلی سے اٹھایا۔

''ہیلو..... قرۃ العین اسپیکنگ۔'' دوسری طرف سے خاصی دیر مشاورت کے بعد جواب آیا تھا۔

''سویرا ڈائجسٹ سے نغمانہ بات کر رہی ہوں۔'' سوکھے دھانوں میں جیسے پانی پڑ گیا تھا، مرتا ہوا پودا امید کا تناور پودا ہو گیا۔

''جی جی.....''

''آپ کا افسانہ پہلی طلاق موصول ہوا۔ آج دوسری طلاق ہماری میز پر ہے۔ آپ نے شاید ہمارے ادارے کو طلاق دفتر سمجھ لیا ہے۔ براہ مہربانی دوبارہ کوئی تحریر ارسال مت کیجیے گا۔''

نغمانہ جی میں ذرا بھی نغمگی نہیں تھی۔ دھان سواہ ہو گئے اور امید کا تناور پودا جل کر راکھ..... میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ آج ثابت ہوا تھا کہ تخلیقی صلاحیتیں مجھ میں تو سو میں سے دو فیصد بھی نہیں تھیں۔ دل ناداں کے سارے خوش فہم وہم ہی تو تھے اور تو کچھ بھی نہیں تھا۔

''ارم تمہارے مشوروں نے مجھے تو کہیں کا بھی نہیں چھوڑا۔ تم دوست ہو کہ دشمن.....'' اکیڈمی کے لان کی پلاسٹک چیئرز پر میں بڈھال سی ہو کر ارم کے

سامنے ہمیشہ کی طرح دکھڑے رو رہی تھی۔

"ارے ایسی بات نہیں، اصل میں ہم سے غلطی ہوئی ہے۔"

"کیسی غلطی بھلا؟"

"شاید ہم غلط ٹیلنٹ پر طبع آزمائی کر رہے تھے، کیا پتا تم میں لکھنے کے علاوہ کوئی اور ٹیلنٹ ہو۔" ارم کی چمکتی آنکھوں میں نئی امید کروٹ لے رہی تھی اور مجھے تو دور دور تک بس اندھیرا ہی نظر آ رہا تھا۔

"کوئی اور ٹیلنٹ؟" میں سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"کبھی کبھی تو لگتا ہے جیسے مجھ میں ٹیلنٹ کی بھرمار ہے اور کبھی سو میں سے انڈہ ہی دکھائی پڑتا ہے۔

بچپن میں تو چاک اور کوئلے سے خوب لکیریں کھینچی تھی، محلے کی ساری دیواروں پر نقش و نگار کے ایسے خوف ناک نمونے بنائے تھے کہ انتظامیہ کو چونے کا سفید پوچھا مارنا پڑ گیا تھا۔ جانے یہ آرٹ کی کوئی قسم تھی یا پھر کچھ اور..... یہی سوال میں نے ارم کے سامنے رکھا تھا۔ وہ تو ایسی پرجوش نظر آئی کہ مجھے بھول ہی گیا کہ میں مسترد ہو چکی تھی۔

"ارے پاگل یہی تو آرٹ ہے، آج کل تو مصوری میں کیا کیا نہیں بنایا جا رہا۔ آڑھی ٹیڑھی لکیریں کھینچ کر ہی لوگ پکاسو اور صادقین بن جاتے ہیں۔" میں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اب بے چارے پکاسو اور صادقین کے فن پر تو شک مت کرو۔ تمہارے سامنے ہوتے تو تمہارا گلا گھونٹ چکے ہوتے۔" ارم سنبھل گئی تھی۔

"ارے چھوڑو بھئی وہ لوگ جب ایسا کر سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں۔ آج کل تو تجریدی آرٹ کے نمونے ایسے بنائے جا رہے ہیں کہ ہنسی آتی ہے اور شاہکار پر شاہکار تخلیق ہو رہے ہیں۔" خواب محل تیار ہو رہا تھا جہاں کی میں شہزادی تھی اور زرق برق لباس میں ملبوس ادھر اُدھر گھوم رہی تھی۔

"کیا واقعی میں ایک اچھی مشہور مصورہ بن سکوں گی؟" میری آواز خواب ناک ہو چکی تھی۔ ارم چپس کے شاپر کا پٹا خا پھوڑتی ذرا آگے ہوئی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ایک دن آئے گا جب تم ایک عظیم مصورہ کے طور پر جانی جاؤ گی۔ نمائشیں لگی ہوں گی تمہاری تصویروں کی..... آٹو گراف..... آٹو گراف کی آوازیں ہوں گی، لاکھوں میں تمہاری تصویریں فروخت ہوں گی۔" اف..... مجھے تو جیسے یہ سب سوچ سوچ کر ہی گدگدی سی ہو رہی تھی۔

"ارم! اگر کہیں میں اس فیلڈ میں بھی ناکام ہو گئی تو.....؟" اندیشوں کے ناگ پھن پھیلائے میرے گرد رقصاں تھے۔ اس نے میرے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر جیسے دلاسا دیا تھا۔

"سمندر میں اترنے سے پہلے شارکوں سے مت ڈرو، تم واقعی ایک تخلیقی ذہن کی مالک ہو، آرٹسٹ ہو اور یہ لوگ تو فطری طور پر شروع سے ہی سب سے الگ تھلگ اور حساس لوگ ہوتے ہیں۔" مجھے کچھ کچھ ڈھارس بندھی تھی، اک نئے خواب کا بیج۔ اب کہیں دل کو یقین سا ہو چلا تھا کہ میں ضرور کچھ نہ کچھ بن جاؤں گی۔ کیا پتا کبھی میں بھی مونا لیزا کی مسکراہٹ جیسا کوئی عظیم الشان شاہکار تخلیق کر ہی ڈالوں۔ اب ہونے کو تو آخر کچھ بھی ہو سکتا ہے تو پھر کیوں نہ اچھی سوچ سوچی جائے؟

☆☆☆

اگلی آنے والی صبح گھر کے مکینوں کو حیرت میں ڈال گئی تھی کیوں کہ اس ٹھنڈی میٹھی صبح میں جب پرندے درختوں کے جھنڈوں میں اپنی بولیاں بول رہے تھے تو میں لان کے وسط میں ایزل اور کینوس سجائے، واٹر کلرز کا ڈھیر پکڑے، برشز کانوں کی اوٹ میں اڑسے بیٹھی تھی۔ رحمان ہکا بکا اندر بھاگا تھا، آرزو کھیرے کے سلائس کھاتی باہر آئی تھی اور رنی بجوا بھی تک شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھیں۔ وہ تینوں حیرت سے چلائے تھے۔

"عینی! یہ کیا ہو رہا ہے؟" ان کی آواز کسی دھماکے سے کم تو ہرگز نہیں تھی۔

"پینٹنگ....." میری آواز میں بلا کا سکون تھا۔ وہ پاس رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"تمہیں کس نے مشورہ دیا آخر مصوری کا؟" آرزو کا سلائس اٹھاتا ہاتھ رکا تھا اور میں تو جیسے ان کی سب باتوں کو نظر انداز کیے سکون میں تھی۔ آخر آرٹسٹ بہت ہی بے نیاز قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے بھی آخر کار بے نیازی کا چولا پہن لیا تھا۔

"میرا اپنا مشورہ ہے۔"

"ہائیں..... مگر اتنے اچانک کیسے، بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی تمہیں؟"

"آرٹسٹ کو کبھی بھی کہیں بھی آگاہی ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی ہو گئی کہ مجھ میں ایک عظیم آرٹسٹ چھپا بیٹھا ہے۔" رحمان کرسی سے کشن گرین گھاس پر الٹ گیا تھا اور قلابازیاں لگانے لگا تھا۔

"بی اے کلیئر ہوتا نہیں محترمہ سے اور چلی ہیں مصوری کرنے۔ برش پکڑنا آتا ہے یا نہیں؟" آرزو نے بامشکل ہنسی روکی تھی۔

"عینی! تمہیں بھی بیٹھے بیٹھے جانے کیا کچھ سوجھتا رہتا ہے۔" رنی بجوا اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"یہ کام بہت محنت اور ریاضت کا ہے۔ ایزل، کینوس اور برشز تھام لینے سے کوئی آرٹسٹ نہیں بن جاتا۔" میری آنکھیں ساون بھادوں کر کے وہ تینوں چلے گئے تھے اور میں پیچھے بیٹھی رہ گئی تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ رنگوں کے سارے ڈبے ان تینوں پر الٹ دوں، یہ بھی ایک قسم کا شاہکار ہی ہوگا۔ دادی اور امی کی مسکراہٹ نے تو جیسے جلتی تیل کا کام کیا تھا۔

"عینی! کوکنگ بھی آرٹ کی ایک قسم ہے، تم اسی میں ہی ماہر کیوں نہیں ہو جاتیں تاکہ تمہاری امی اور دادی کو بھی تم پر فخر کا موقع مل سکے۔" میں پھوپھو کی طرف چلی آئی تھی، وہ کہیں جانے کو تیار کھڑی تھیں۔ مجھے دیکھا تو مسکرا دی تھیں۔

"شکر ہے عینی کہ تم آ گئی ہو۔ میں ذرا اپنی دوست عذرا کی طرف تیمارداری کو جا رہی ہوں۔ شریف کے کچھ دوستوں نے آنا ہے، بریانی چڑھا دی ہے پلیز تم دیکھ لینا۔" وہ چلی گئی تھیں، میں کچن میں آ گئی تھی۔ چولہے پر دو دیگچیاں چڑھی ہوئی تھیں، ایک میں بریانی کا مسالا تیار ہو رہا تھا جب کہ دوسری میں چاول ابل رہے تھے۔ میں آنچ برابر کرنی باہر آ گئی تھی۔

پھوپھو کا گھر شروع سے ہی میرا فیورٹ رہا تھا، طویل گیلریاں، کھلے ہوادار کمرے، ان ڈور پلانٹس کی جگہ جگہ موجودگی دماغ کو تر و تازہ کر کے رکھ دیتی تھی۔ پودوں کے پتوں پر انگلیاں پھیرتے، سرخ اینٹوں پر ننگے پاؤں چلتی، ٹیولپ کے پھولوں کا گداز محسوس کرتی، میں سب بھول بھال گئی تھی۔ خبر تو تب ہوئی تھی جب وہ میرے سر پر کھڑا مجھ پر چیخ چلا رہا تھا۔

"تم اتنی لاپروا اور نکمی ہو گی میں سوچ بھی کیسے سکتا تھا۔ میں سمجھتا تھا باقی سب ایسے ہی تمہیں چھیڑنے کو تمہاری کاہلی اور نکمے پن کو نشانہ بناتے ہیں مگر تم تو واقعی کسی قابل نہیں ہو۔ جو ذمہ داری دی جاتی ہے اسے نبھایا جاتا ہے، مگر تم کیا سمجھو گی۔ ادھر آؤ اور دیکھو۔" وہ مجھے ہاتھ سے کھینچتا کچن کی طرف لے آیا تھا۔ کچن میں جلنے کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

"امی اپنی جگہ تمہیں یہاں کھڑا کر کے گئی تھیں، مگر تمہیں کیا پروا ہے۔ میرے دوست ابھی پہنچنے والے ہیں، کیا میں انہیں یہ جلا ہوا کھانا کھلاؤں گا۔ تم جیسی لڑکی میں نے نہیں دیکھی، سخت افسوس اور غصہ ہے مجھے تم پر۔" وہ غصے سے بڑبڑاتا ہر نکل گیا تھا۔ میں جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی، میرے گالوں پر آنسو بہنے لگے تھے۔

پھر میں وہاں نہیں رکی تھی، سیدھی گھر ہی چلی آئی تھی، غلطی میری ہی تھی۔ وہ سارا دن عجب بے چینی اور پریشانی میں گزرا تھا۔ ٹیرس کے جھولے سے میں نے پشت ٹکا لی تھی۔

"کیا میں واقعی اتنی ناکارہ اور کام چور تھی؟ مجھ میں کوئی قابلیت، کوئی ٹیلنٹ، ہنر نہیں تھا۔" ڈش واشر میں پلیٹیں دھوتی میں رو رہی تھی۔ پہلے تو میں اس کی ہر چھوٹی بڑی بات کو نظر انداز کر دیتی تھی، مجھے

ذرا بھی، رتی برابر بھی تو فرق نہیں پڑا کرتا تھا مگر جانے اب کیوں مجھے اس کی ہر ہر بات محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا کہا گیا ایک ایک لفظ دل پر گہری چوٹ کی طرح پڑتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

شام کی چائے کے وقت لان میں چلتے ہوئے میں فون کان سے لگائے ارم سے محو گفتگو تھی۔

''ارم اس نے مجھے نکمی، کام چور اور کاہل کہا۔ وہ سخت غصے میں تھا۔''

''تو تم پہلے کی طرح اس کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دو ناں۔ پہلے بھی تو تم دونوں کی اتنی لڑائیاں ہو چکی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کو خوب برا بھلا کہہ چکے ہو، تو پھر اب تمہیں فرق کیوں پڑ رہا ہے؟'' فوارے کے پاس کھڑی میں ارم کی بات پر غور کر رہی تھی۔

''میں انسان ہوں، جذبات و احساسات رکھتی ہوں۔ اس سب سے آخر کب تک اور کس طرح نظریں چرا سکتی ہوں؟''

''کہیں دشمن اول کے بارے میں تمہارے خیالات و جذبات بدل تو نہیں رہے ناں؟''

میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔

''نہیں...... خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔''

میں نے ارم کو تو ٹال دیا تھا مگر اس ڈھلتی شام میں اسے لان میں واک مین کانوں میں لگائے ٹہلتے دیکھ کر واقعی مجھے لگنے لگا تھا کہ شریف احسن کے بارے میں میرے جذبات و احساسات واقعی بدلتے جا رہے تھے۔ میرے دل کی دھڑکنوں کی لے بدل چکی تھی، بچپن سے جس سے میں ہزاروں لڑائی جھگڑے کر چکی تھی، وہ اب ایسے نئے روپ میں میرے سامنے کیوں آ رہا تھا؟

تب ہی اس نے سر اٹھا کر چونک کر اوپر کی طرف دیکھا تھا اور پھر نظریں واپس پھیر لی تھیں۔ میں بھی اندر کی طرف بڑھ آئی تھی۔ کمرے کے کونے میں رنگ بکھرے پڑے تھے اور ہلکی ہلکی تیل کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے برش رنگوں میں ڈبو لیے تھے اور کینوس پر رنگ بھرنے شروع کر دیے تھے۔ میں نے ابھی سے خود کو پکاسو کی شاگرد وہ سمجھ لیا تھا۔ اگلے ہفتے الحمرا میں ہونے والی نو آموز مصوروں کی تصویری نمائش میں، میں نے بھی حصہ لینے کا سوچا تھا۔ وظیفے اور مناجاتیں میں نے شروع کر دی تھیں لیکن آنے والی گھڑی کسی تلوار کی طرح میرے سر پر لٹکتی میرے حواس معقل کیے دے رہی تھی، جانے کیا ہونے کو تھا؟

☆☆☆

الحمرا آرٹ گیلری میں ہمارے دوپٹے فرش کو اور لوگوں کا غصہ آسمانوں کو چھو رہا تھا۔ نو آموز مصوروں کی تصویروں نے لوگوں کو چراغ پا کر کے رکھ دیا تھا۔ میری تصویر کا کیپشن ''ونڈر لینڈ'' تھا جس میں تین بونے ادھر اُدھر کودتے پھاندتے پھر رہے تھے۔ جانے وہ بونے بھی تھے یا کچھ اور تھے، اس بات کا جواب تو میرے پاس بھی نہیں تھا۔ میری تصویر پر لوگوں کے تبصرے مجھے زمین بوس کرنے کو کافی تھے، مگر ارم کی ہمت تھی جس نے مجھے تھام رکھا تھا۔

''ارے یہ تصویر ہے یا بھیانک یاد؟''

''ایسی تصویر تو بچوں کو ڈرا کر سلانے کے کام ہی آ سکتی ہے۔''

''یہ کہاں کا ونڈر لینڈر ہے، خدا کی پناہ۔ اس تصویر کو گیلری میں جگہ کیسے مل گئی۔ یوں لگتا ہے تین ڈھانچے زمین سیارے پر سیر کو نکلے ہوں۔''

''ایگزیبشن کے نام پر ایسے خوف ناک مذاق کب تک ہوتے رہیں گے۔''

میں اب واقعی گرنے کو تھی۔ پکاسو کی جانشین تو میں مر کر بھی نہیں بننے والی تھی۔ الحمرا کی طویل کھلی راہ داریوں میں میرا دم گھٹ رہا تھا۔

''ارم! مجھے باہر لے چلو، ورنہ میرا تو یہاں سانس ہی رک جائے گا۔'' ارم مجھے اور خود کو گھسیٹتی باہر گراسی پلاٹ کی طرف لے آئی تھی۔ پانچ منٹ بعد ہم فروٹ چاٹ اور کوک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ صدمے اور بھوک دونوں نے مل کر نڈھال کر

رکھا تھا۔ دو ہفتوں کی محنت نے یہ صلہ دیا تھا۔ قرۃ العین گلزار کو پھر سے مات ہو گئی تھی، اب تو دشمن اول کی کہی ہر بات ہی سچ نظر آنے والی تھی۔ حالات و واقعات تو واقعی مجھے نکما اور کام چور ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ارم نے کوک کا لمبا سا سپ لیا تھا۔

''ارے چھوڑو بھی یہ اداسیاں، ہنس لو ذرا سا۔ کیا ہوا جو تصویر کو پذیرائی نہیں ملی۔''

''میری دو ہفتوں کی محنت تو جیسے کسی کھاتے میں ہی نہیں۔'' مجھے نئے سرے سے قلق ہوا تھا۔

''لوگوں کی عمر بھر کی ریاضت مٹی میں مل جاتی ہے اور تم ہو کہ دو ہفتوں کو رو رہی ہو۔''

''یہ اتنی چھوٹی سی بات نہیں ہے جتنی تم سمجھ رہی ہو ارم!''

''خیر بات تو اتنی بڑی بھی نہیں جتنی تم سمجھ کر ہلکان ہوئی جا رہی ہو۔''

''بس رہنے دو۔'' میں نے فروٹ چاٹ میں سے سیب کا ٹکڑا ڈھونڈ کر منہ میں ڈالا۔

''تمہاری پینٹنگ اتنی بری بھی نہیں تھی بس ذرا سی خوف ناک تھی۔ لوگ تو ویسے ہی ڈرپوک ہوتے ہیں۔'' ارم کو بھی جیسے تسلی دینے کے نت نئے طریقے آتے تھے یا پھر وہ ان ہی پر ریسرچ کرتی رہتی تھی۔ قاسم علی شاہ کی جانشین لگتی تھی۔

''ذرا سی خوف ناک...... رہنے دو بھئی۔ بچے ذرا سی خوف ناک سے کہاں ڈرتے ہیں۔ میری پینٹنگ دیکھتے ہی منہ پھاڑ پھاڑ کر رونے لگے اور ماؤں کے سینے میں چھپ گئے۔ ایک بڑے میاں تو لاحول ولا قوۃ کہتے آگے بڑھ گئے۔ کچھ بے چارے تو بس اسی غور و خوض میں لگے رہے کہ وہ تین بونے تھے، ایلین...... یا پھر کوئی اور خلائی مخلوق۔'' میں نے جل کر کہا تھا۔ آرٹ گیلری کا نگراں زیر لب مسکراتا پاس چلا آیا تھا۔

''مس قرۃ العین گلزار کیا آپ اپنی پینٹنگ واپس اپنے ساتھ لے جانا چاہیں گی؟'' میرا تو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر خون کھول اٹھا تھا اسے جواب بھی ارم نے دیا تھا۔

''نہیں...... آپ کسی این جی او کو ڈونیٹ کر دیں۔''

''کسی این جی او کو تو وہ پینٹنگز کیا ڈونیٹ کی جانی تھیں، البتہ اگلے دن شہر بھر کے کھمبوں پر ضرور ٹنگی آنے لگی تھیں۔ این جی اوز نے ایسی شاہکار تصاویر لینے سے صاف انکار کیا تھا۔ اگلے دو ہفتوں تک میری ''ونڈر لینڈ'' اکیڈمی جاتے ہوئے مجھے ایک کھمبے پر ٹنگی نظر آتی رہی اور میں منہ کو چھپائے وہاں سے گزرتی رہی۔ رنگ سوکھ گئے، برش اکھڑے گئے۔ ایزل پر رحمان عرف مکھی نے اپنا پہاڑی توتوں کا چھوٹا سا پنجرہ ٹانگ دیا تھا۔

☆☆☆

اخبار جہاں میں مستنصر حسین تارڑ کا کالم ڈھونڈ کر پڑھتے ہوئے ابا نے مجھے مخاطب کیا تھا۔ میں جو جانے کب سے چائے کا کپ تھامے بیٹھی ہوئی تھی، چونک گئی تھی۔ چائے تو کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی اور ٹھنڈی چائے تو مجھے کبھی بھی تو پسند نہیں رہی تھی۔

''تم نے پینٹنگ کرنا چھوڑ دیا ہے کیا؟''

''جی پاپا......''

''مگر کیوں...... یہ تو ایک اچھی ایکٹیویٹی تھی۔ فطرت کو پینٹ کرنا بڑی خوشی دیتا ہے۔ تتلیاں، پھول، پرندے......'' میں نے ٹھنڈی چائے کو گلاس ٹیبل پر رکھا تھا۔

''بس پاپا...... ایگزام ہونے والے ہیں تو ان کی مصروفیت کی وجہ سے۔''

''اچھی بات ہے، دل لگا کر تیاری کرو۔''

دوپہر کے وقت کبھی کبھی ہی سون سون ہوائیں چلا کرتی تھیں۔ میرا دل بھی پھوپھو کے گھر آنے کو ہمکنے لگا تھا۔ پھوپھو لان میں ہی مالی سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ میں ان کی طرف ہی چلی آئی تھی۔

''ارے عینی...... آؤ آؤ۔''

میں آگے بڑھ کر ان کے گلے سے آن لگی

تھی۔

''ارے کہاں مصروف تھیں، اتنے دنوں سے چکر ہی نہیں لگایا تم نے تو......'' ہم اندر لاؤنج کی طرف بڑھ آئے تھے۔ لاؤنج میں قدرے اندھیرا تھا، تب ہی میں اسے وہاں بیٹھے نہیں دیکھ پائی تھی۔

''بس پھوپھو! کچھ مصروفیت تھی اسی وجہ سے۔''

''ہاں میں دو تین بار گئی تھی تو تم شاید تب اکیڈمی میں تھیں۔''

''جی ہاں، بس پیپر ہونے والے ہیں تو......'' پھوپھو نے محبت سے مجھے دیکھا تھا۔

''اللہ تمہیں کامیاب کرے۔''

''آمین۔'' کی آواز جانے کہاں سے آئی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو تو سیٹر صوفے پر وہی لم لیٹ ہوا پڑا تھا اور ''آمین'' کی صدا بھی اسی کی بلند کی ہوئی تھی۔ پھوپھو کچن کی طرف چلی گئی تھیں، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

''تمہیں کیا، جیسی بھی ہوں۔'' میں نے تڑخ کر جواب دیا تھا، کچھ ہفتے پہلے کی بے عزتی ابھی تک میرے ذہن میں تازہ تھی۔

''انگلش کا کورس مکمل کرلیا؟''

میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، سمجھے۔''

''اتنی روڈ کیوں ہو رہی ہو؟''

میری آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

''میں روڈ ہو رہی ہوں؟ اس دن تم نے جو مجھے اتنی باتیں سنادی تھیں تو وہ سب کیا تھا۔ تب تمہیں اپنی روڈنیس نظر نہیں آئی۔'' میں پھوپھو کی طرف کچن میں آگئی تھی جب وہ پیچھے سے چیخا تھا۔

''آئی ایم سوری ناں۔''

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری سوری۔''

☆☆☆

جس دن میں پیپر دے کر فارغ ہوئی، اس کے دو دنوں بعد میری سالگرہ تھی اور مجھے کوریئر سے سوری کے کارڈ کے ساتھ ایک مہکتا ہوا لال گلابوں کا بوکے موصول ہوا تھا۔ سارے کمرے میں لال گلابوں کی مہک بکھر گئی تھی۔ میں نے گہری سانس لیتے ہوئے بکے کے ساتھ لگی پرچی کو کھولا تھا۔ خلیل احمد کی خوب صورت سی غزل پر میری نظریں پھسلنے لگی تھیں۔ دشمن اول کی لکھائی آج بھی متاثر کن تھی، اکثر چھٹیوں کا ہوم ورک وہ مجھے کر کے دیتا تھا اور بدلے میں میری آدھی پاکٹ منی میں برابر کا حصے دار بن جاتا۔

خاموشی میں شور تھا میں نے سنا کچھ بھی نہیں
اس نے سب کچھ دیا لیکن کہا کچھ بھی نہیں
تجھ کو کیا معلوم اے جان جہاں تیرے بغیر
میرا جیون کٹ گیا اور میں جیا کچھ بھی نہیں
حکم یہ ہم کو ملا اس کے سوا کچھ مانگیں
اٹھ گئے دست دعا لب پہ دعا کچھ بھی نہیں
تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں
پیار سے دیکھا مجھے اب بھی ملے اس سے خلیل
دل دھڑک اٹھا میرا لیکن ہوا کچھ بھی نہیں

میں نے ٹیرس والی کھڑکی سے نیچے پھوپھو کے صحن کی طرف جھانکا تھا۔ وہ آج بھی کانوں میں واک مین ٹھونسے ٹہل رہا تھا اور اس کی نظریں اوپر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ میرے دل میں شور سا اٹھا تھا' ہماری آنکھیں چار ہوئی تھیں اور میں نے جھٹ سے کھڑکی بند کردی تھی، لال گلاب بیڈ پر پڑے مسکا رہے تھے۔

☆☆☆

مجھے دشمن اول کا بچپن آج بھی روز اول کی طرح یاد ہے، میں نہیں بھول سکتی۔ بچپن میں وہ ایک خون خوار اور لڑاکا بچہ تھا۔ جسے ہمیشہ سے ہی مجھے رلانے میں بڑا مزا آتا تھا۔ میری گڑیا کا گھر غائب کرنا، پونیاں کھول دینا، ہوم ورک پر ہائی لائیٹر پھیر دینا، اسکول بیگ میں جھینگے کا کروچ پکڑ کر چھوڑ دینا بھی اس کی شرارتوں میں شامل تھا۔ وہ مارکیٹ میں آئی ہر نئی شرارت مجھ پر آزمانا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ پھوپھو کے پاس میں جب بھی شکایت لے کر جاتی تھی، وہ میری ہی حمایت کرتی تھیں۔

''شریف......عینی سے سوری کرو۔''

''میں کیوں کروں سوری؟'' بہت اونچی ناک تھی موصوف کی۔

''تم نے اس کے بیگ میں کاکروچ کیوں ڈالے؟''

''اس نے میری سیاہی کیوں پانی میں بہائی۔''

پھوپھو زچ ہو جاتی تھیں۔

''کب سدھرو گے آخر تم دونوں، وہ بہن ہے تمہاری۔''

''جی نہیں، میں اس کو بہن نہیں بناؤں گا۔''

''میں بھی تمہیں بھائی نہیں بنانے والی موٹے آلو۔''

''میں تم جیسی مریل چھپکلی کا بھائی بنتا بھی نہیں۔'' وہ مجھے تاؤ دلاتا تھا۔

''زندگی یوں ہی بچپن سے لڑکپن کی طرف آگئی تھی، ہماری خوں خوار لڑائیاں اور جھگڑے تو ناپید ہو چکے تھے مگر ہلکی پھلکی نوک جھوک ابھی تک باقی تھی۔ اسے ہی مجھ سے ٹکر لینے کی عادت تھی، مجھ سے لڑے بغیر تو اسے کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا تھا۔

جس دن میرا بی اے کا رزلٹ آیا اسی دن رافیہ بجو کی بات طے ہوئی تھی اور دو ہفتوں بعد شادی کی ڈیٹ رکھی گئی تھی۔ عابد بھائی ان کے کولیگ تھے اور مردانہ وجاہت کا شاہکار تھے۔ میں خدا خدا کر کے بی اے میں پاس ہوگئی تھی، میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا تھا۔ میں مٹھائی کی پلیٹ تھامے پھوپھو کی طرف آئی تھی اور وہ دروازے میں کھڑا تھا۔ بلیک جینز پر چیک والی شرٹ پہنے وہ میرا دل دھڑکا گیا تھا، دشمن جان لگ رہا تھا۔

''ہاتھ میں کیا ہے؟''

''نظر نہیں آ رہا، پلیٹ ہے۔'' میں کترا کے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
[illegible]	شازیہ چوہدری	250/-
ہم سفر	فرحت اشتیاق	400/-
بن روئے آنسو	فرحت اشتیاق	250/-
متاع جاں ہے تو	فرحت اشتیاق	500/-
دل وادی	ثمرہ بخاری	350/-
ہستی کا آہنگ	ثمرہ بخاری	300/-
وہ پگلی سی دیوانی سی	آسیہ سلیم قریشی	400/-
آرزو گھر آئی	آسیہ سلیم قریشی	400/-
ایمان، امید اور محبت	عمیرہ احمد	200/-
لاحاصل	عمیرہ احمد	180/-
امر بیل	عمیرہ احمد	450/-
اک دیا جلائے رکھنا	ماہا ملک	300/-
جو چلے تو جاں سے گزر گئے	ماہا ملک	120/-
میرے خواب ریزہ ریزہ	ماہا ملک	300/-
موسم تھا بے قرار	فریدہ اشفاق	300/-
دل اسے ڈھونڈ لایا ہے	آسیہ رزاقی	300/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
میرے سائیں کے سنگ سفر	زہرہ ممتاز	180/-
پھول دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
میری جنت	نور بانو مجیب	250/-
بھنور	شوکت رانا الطاف	150/-
اے وقت گواہی دے	راحت جبیں	350/-
شام آرزو	ام سلطانہ ظفر	300/-
رنگ، خوشبو، ہوا، بادل	افشاں آفریدی	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	300/-
میرے خواب لوٹا دو	نگہت عبداللہ	400/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

نکلنے کو تھی مگر وہ راستہ روکے کھڑا تھا۔
"پلیٹ میں کیا ہے؟"
میں نے گھور کر اسے دیکھا۔
"مٹھائی ہے۔"
وہ ہنسا تھا۔
"مجھے نہیں کھلاؤ گی۔"
میں نے ایک پل کو سوچ کر پلیٹ آگے کی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔
"ہاتھ سے کھلاؤ گی تو کھاؤں گا۔" میں اسے پرے دھکیلتی آگے بڑھی تھی۔
"بھاڑ میں جاؤ تم۔"
"ان الفاظ پر غور کرنا ذرا، بعد میں پچھتاؤ گی۔"
"میں پچھتانے والوں میں سے ہرگز نہیں ہوں سمجھے، مسٹر احسن!"

☆☆☆

رافیہ بجو کی مہندی والے دن وہ مجھے گیلری میں آن ٹکرایا تھا۔ زرد انارکلی فراک میں ملبوس میں، اسے دیکھ کر رک گئی تھی۔ شریف احسن کی مجھ پر پڑنے والی وہ عام نظریں ہرگز بھی نہیں تھیں۔ وہ تو والہانہ نظریں تھیں، پیار بھری۔
"ہائے ظالم..... یہ تم ہو؟" اس نے سیدھا اپنے دل پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔
"کتنے چھچھورے لگ رہے ہو، ایسے کہتے ہوئے۔"
"انارکلی لگ رہی ہو قسم سے۔" مہندی کا تھال میں نے بامشکل سنبھال رکھا تھا۔
"مگر تم سلیم نہیں ہو۔"
"بن تو سکتا ہوں۔" وہ سنجیدہ لگا تھا مجھے، ایسی سنجیدگی میں نے پہلے اس کے چہرے پر کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے لہجے کی مضبوطی کو قابو میں رکھا تھا۔
"میں وہی قرۃ العین گلزار ہوں۔ نکمی اور کام چور، جو پڑھائی میں اچھی نہیں ہے۔ جسے اچھا کھانا پکانا بھی نہیں آتا۔ سلائی کڑھائی بھی نہیں آتی، میرے بارے میں اب تمہارے خیالات کیوں بدل گئے ہیں؟" میں نے بڑی مشکل سے اپنے لہجے کو ٹوٹنے سے بچایا تھا۔
"میں پڑھا لکھا ہوں، اچھا کھانا پکانا بھی جانتا ہوں۔ باقی سلائی کڑھائی پلیز تم سیکھ لینا۔ باقی ہم دونوں مل کر مینج کرلیں گے۔ رہی بات خیالات بدلنے کی تو..... یہ تو دل کے معاملات ہیں کبھی بھی، کیسے بھی واردات ہوسکتی ہے۔ بہت کر لیے لڑائی جھگڑے، اب باقی عمر سکون سے گزاریں گے، کیا خیال ہے؟"
گیندے کی مہک حواس پر چھا رہی تھی۔ میرے لیے کھڑے رہنا مشکل ہوگیا تھا۔ دل الگ گھڑیال بنا کر شور کر رہا تھا۔
"دل یو میری می.....؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اس دشمن جاں کو دیکھا تھا اور سنجیدگی سے جواب دیتی مہندی والا تھال سنبھالتی باہر بھاگی تھی۔
"دادی سے پوچھ کر بتاؤں گی۔"
شریف احسن نے یقیناً پیچھے اپنے بال نوچ ڈالے ہوں گے۔

☆☆☆

میں گھونگھٹ نکالے بیٹھی ہوں، میرے دائیں بائیں دادی اور امی بیٹھی ہیں اور دونوں ہی رفعت پھوپھو پر خفا ہو رہی ہیں۔
"آخر رفعت کو اتنی جلدی کیا تھی بھلا؟ توبہ ہے۔ چلو اچھا ہے اب ساس بہو دونوں ایک ساتھ رہیں گی۔"
دادی نے سسکاری بھری ہے۔
"ہائے عینی تُو تو میرے آنگن کی بلبل تھی، تجھ سے ہی تو گھر بھر میں رونق تھی۔" میں یعنی نکمی، کاہل اب گھر بھر کی..... گلزار دلا کی "بلبل" ہوگئی تھی یا حیرت.....
امی بار بار میرے ہاتھ تھام رہی تھیں۔ "صبیحہ! جو بھی ہم کہتے تھے، تمہارے بھلے کو ہی کہتے تھے۔ مائیں، دادیاں ہی ایسی نصیحتیں کرتی اچھی لگتی ہیں، دل پر نہ لینا۔"
میں نے تو اب تک دل پر نہ لیا تھا، اب کیسے لے لیتی؟
ابا نے بھیگی آنکھوں سے میری پیشانی چومی ہے۔ "چائے اور آملیٹ ہی بناتی ہو مگر بناتی بہت مزے دار ہو۔"
آرزو نے پینٹنگز کا ڈھیر مجھے گفٹ کیا ہے، شکر ہے کہ ان میں کوئی بھی "ونڈر لینڈز" جیسی نہیں ہے۔
رافیہ بجو ہنسی تھیں۔ "عینی..... آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہارا بی پی چیک کروں۔ آج تو یقیناً نارمل ہوگا۔"
رحمان عرف کھی کھی نے ایزل پر ٹنگا پہاڑی توتوں والا پنجرہ مجھے دان کر دیا ہے۔
اس سب کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ میں گلزار ولا کے ہر فرد کی زندگی میں کسی نہ کسی حد تک ضرور اہم ہوں۔ میرے قریب ہی سے کسی کی معنی خیز کھانسی کی مصنوعی آواز آئی ہے، یقیناً یہ دشمن اول (اب دشمن جاں) کے علاوہ کون ہوسکتا ہے بھلا؟ مردانہ کلون کی خوشبو میری شروع سے ہی فیورٹ رہی ہے۔
"قرۃ العین گلزار..... آپ ایک اچھی رائٹر نہیں ہیں۔ اچھی پینٹر بھی نہیں ہیں اور اچھی کک بھی نہیں ہیں تو.....؟" سوال ادھورا چھوڑ کر وہ پورا جواب چاہتا تھا۔
"میں بالکل یہ نہیں ہوں مگر میں ایک اچھی بیوی ضرور ثابت ہوسکتی ہوں۔" میں نے اپنا ہیل والا جوتا اس کے بوٹ پر مار کر اس کی بولتی بند کر دی۔
"آہ..... ظالم بیوی!"
میں کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ بچپن کے سارے حساب کتاب اب میں برابر کرنے والی تھی۔
"زندگی کڑوی، میٹھی، کھٹی، نمکین سب ہی کچھ ہوتی ہے اور اگر یہ سب نہ ہو تو وہ زندگی بھی تو نہیں ہوتی ناں؟"
سوال میرا ہے..... اور جواب آپ سب کا..... کیا کہتے ہیں آپ؟

☆☆

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/350 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/500 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1000 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، بیکٹ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، بیکٹ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

نگہت عبداللہ

ہوائیں رخ بدل گئیں

حیدر علی اور احمد علی دو بھائی تھے۔ حیدر علی بڑے تھے، چھوٹے بھائی احمد علی کے لیے وہ مشفق باپ تھے۔ احمد علی کا انتقال ہو چکا تھا اور حیدر علی جس حد تک ممکن ہوتا بھاوج اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔

حیدر علی کو ان کے مزاج کے برعکس بیوی ملی تھیں۔ وہ جتنے نرم خو تھے حمیدہ بیگم اسی قدر تیز و طرار اور کسی حد تک بدزبان بھی۔ احمد علی کی بیوی فاخرہ ان ہی کی طرح نرم مزاج اور درگزر کرنے والی تھیں۔

حیدر علی کی تین بیٹیاں سبینہ، خزینہ اور شہرینہ تھیں جبکہ احمد علی کے دو بچے حمزہ اور بیلا تھے۔

سبینہ کی شادی ہو چکی ہے۔ خزینہ اپنے باس تیمور غزنی کو پسند کرتی ہے جبکہ خزینہ کا خالہ زاد شرجیل اس کو چاہتا ہے۔ حمزہ اور شہرینہ کا رشتہ، حیدر علی نے حمیدہ بیگم کی مرضی کے خلاف بھائی کی زندگی ہی میں ان کی کم عمری ہی میں کر دیا تھا جو وقت کے ساتھ ان کے دلوں میں بھی مضبوط ہو چکا ہے۔

حیدر صاحب کا آفس میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو جاتا ہے۔ حمزہ کو جاب مل جاتی ہے لیکن اس کے باس حسان صاحب کی بیٹی ربیکا اس کو پسند کرنے لگتی ہے جو وقتاً فوقتاً حمزہ کو اپنی باتوں سے پریشان کرتی ہے۔

تیمور غزنی اور سارہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، سارہ مس کیرج ہونے کی وجہ سے اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ سارہ، تیمور سے اپنی دوست زوبی کا بے بی لینے کا کہتی ہے لیکن تیمور اس بات پر دل سے رضامند نہیں ہے۔

سونیا کے مشورے پر تیمور دوسری شادی کے لیے سوچنے لگتا ہے اور خزینہ اسے بالکل موزوں نظر آتی ہے لیکن وہ خزینہ سے جھوٹی محبت کا اظہار کرتا ہے اور اسے سارہ کے بارے میں نہیں بتاتا اور کہتا ہے کہ فی الحال گھر والے راضی نہیں ہیں اس لیے وہ خزینہ سے چھپ کر شادی کرے گا اور بعد میں انہیں منا لے گا۔ خزینہ تیمور کی محبت میں رضامند ہو جاتی ہے اور حمیدہ بیگم کو بھی اس شادی پر راضی کر لیتی ہے۔ تیمور خزینہ کو ایک الگ فلیٹ میں بیاہ کر لے جاتا ہے۔

بارہویں قسط

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

شہرینہ کو اپنی محبت کی رسوائی گوارا نہیں تھی۔ جب ہی خزینہ کے لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا اور کیونکہ اس کے پاس یہ بہانا موجود تھا کہ وہ امی کو اکیلا نہیں چھوڑے گی۔ اس لیے اسی کو بنیاد بنا کر وہ شادی کا نام سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ جاتی تھی، ورنہ حقیقت کچھ اور تھی۔

حمزہ سے اس کی محبت ایک دو دن کی بات نہیں تھی۔ اس نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے نام کے ساتھ اس کا نام سنا تھا اور تب سے ہی وہ اس پر صرف اپنا حق سمجھتی تھی۔ پھر اس کے حق پر ڈاکا ڈالنے والی خواہ وہ کوئی بھی تھی، اسے حمزہ سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ جو ہر پل اس کی محبت کا دم بھرتا تھا، وہ کسی اور کی زلف گرہ گیر کا اسیر کیسے ہو گیا ساتھ اسے بھی فریب دے رہا تھا۔ بہر حال اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ دل پر قیامت گزر گئی تھی اور بس اسی وقت جب خزینہ نے اس کی شادی کر دینے کا کہا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی — اس کے بعد اس نے چپ سادھ لی تھی۔ جس سے حمیدہ بیگم کو سو طرح کے وہم ستانے لگے تھے۔ اس وقت کھانا کھاتے ہوئے وہ بار بار اسے دیکھ رہی تھیں، جو سر جھکائے بہت آرام آرام سے کھانا کھا رہی تھی۔

"تمہاری کوئی سہیلی نہیں ہے؟" حمیدہ بیگم نے کچھ سوچ کر پوچھا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"جی....."

"میں تمہاری سہیلیوں کا پوچھ رہی ہوں۔ کوئی آتی جاتی نہیں ہے۔"

"آج کل کسے فرصت ہے امی! پھر سب سے بڑا مسئلہ آنے جانے کا ہوتا ہے۔ کون لے کر جائے، کون لے کر آئے۔" اس نے کہا تو حمیدہ بیگم سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"یہ تو ہے۔"

"میں سوچ رہی ہوں، شام میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا لوں۔ اس طرح گھر میں کچھ رونق ہو جائے گی۔ بہت سناٹا ہو گیا ہے۔" وہ دسترخوان سمیٹتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ہاں، یہ اچھا سوچا تم نے۔" حمیدہ بیگم نے فوراً تائید کی، تب ہی ڈور بیل بج اٹھی۔

"دیکھو کون آیا ہے؟"

"جی۔" اس نے پہلے برتن کچن میں رکھے پھر بھاگ کر گیٹ کھولا تو آگے فاخرہ اور بیلا کو دیکھ کر وقتی طور پر اس کے ذہن سے ہر بات نکل گئی۔ ہمیشہ کی طرح خوش ہو کر ان کے گلے لگ گئی۔

"السلام علیکم! چچی جان۔ کیسی ہیں آپ؟"

"ارے بیٹا! میں تو تمہارے لیے پریشان ہو کر بھاگی آئی ہوں۔ حمزہ نے بتایا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" فاخرہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا تو وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

"جھوٹا ہے وہ۔" پھر فوراً احساس ہونے پر بات بدل گئی۔ "چلیں اندر چلیں۔ آؤ بیلا! بڑے دنوں بعد آئیں۔"

"تم کون سا آتی ہو۔"

"اچھا میں آؤں گی، تو تم آؤ گی ورنہ نہیں۔"

"ارے بیٹا! اندر تو چلو پھر یہ تکرار کرنا۔ بھابھی جان سو تو نہیں رہیں۔" فاخرہ نے دونوں کو ٹوکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں نہیں، چچی جان۔ ابھی ہم نے کھانا کھایا ہے۔" اس نے فاخرہ کے پیچھے چلتے ہوئے زور سے بیلا

کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

"اف....." بیلا نے بازو سہلاتے ہوئے اسے گھورا تو وہ ہنستے ہوئے تیزی سے اندر آ کر بولی۔

"امی! چچی جان آئی ہیں۔"

"السلام علیکم بھابھی!" فاخرہ سلام کرتے ہوئے بڑھ کر حمیدہ بیگم کے گلے لگ گئیں۔

"وعلیکم السلام۔ آج کیسے راستہ بھول گئیں فاخرہ! ارے بیلا بھی آئی ہے' آؤ بیٹا آؤ۔" حمیدہ بیگم خوش ہو گئیں، بیلا کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔

"چچی جان! کھانا لاؤں، ہم نے ابھی کھایا ہے۔" شہرینہ نے فوراً پوچھا۔

"ارے نہیں بیٹا! ہم بھی کھانا کھا کر ہی نکلے ہیں۔ بس پانی پلا دو۔" فاخرہ نے آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھاگ کر پانی لے آئی۔

"جزاک اللہ۔" فاخرہ پانی پی کر کہنے لگیں۔ "حمزہ نے آج مجھے بتایا کہ شہرینہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں تو سن کر پریشان ہو گئی۔"

"ہاں پرسوں بخار تھا، ابھی تو ٹھیک ہے اور تمہارے آنے سے چہرے پر رونق بھی آ گئی ہے اس کے۔" حمیدہ بیگم اس کا چہرہ دیکھ کر بولیں اور اس سے پہلے کہ مزید کچھ کہتیں وہ بول پڑی۔

"بیلا، آؤ میرے کمرے میں۔ ہم وہاں بیٹھتے ہیں۔ امی کسی چیز کی ضرورت ہو تو پکار لیجیے گا۔ آؤ بیلا۔"

"ہاں جاؤ بیٹا! بہن کے ساتھ گپ شپ کرو۔" حمیدہ بیگم کے کہنے پر بیلا اٹھ گئی۔

"سچ بہت بور ہو رہی تھی میں، اچھا ہوا تم آ گئیں۔"

"میں تو بہت دنوں سے آنا چاہ رہی تھی۔" بیلا بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھی اور تکیہ کھینچ کر گود میں رکھ لیا۔

"پھر؟"

"پھر بس بھائی کو ہی فرصت نہیں ملتی۔ خود تو باہر ہی باہر سے آ جاتے ہیں۔ میں کہوں تو سونخرے۔ بس اب تم آ جاؤ ناں ہمارے گھر۔" بیلا نے کہا تو اس کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا لیکن فوراً سنبھل کر بات بدل گئی۔

"کچھ کھاؤ گی تو بتاؤں۔ میں لے آتی ہوں۔"

"نہیں تم آرام سے بیٹھو۔ مجھے تم سے ایک سیکریٹ بات کرنی ہے۔" بیلا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا ہے۔

"سیکریٹ بات؟"

"ہاں پہلے رازداری کا وعدہ کرو۔" بیلا سادہ سی معصوم لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر وہ الجھ گئی۔

"فکر مت کرو، میں کسی سے نہیں کہوں گی۔ تم بتاؤ کیا بات ہے۔" اس نے کہنے کے ساتھ بیلا کا ہاتھ دبا کر گویا رازداری کا یقین دلایا۔ تب بیلا نے پہلے اٹھ کر دروازہ بند کیا پھر آ کر بیٹھی اور آواز دبا کر کہنے لگی۔

"بات یہ ہے شہرینہ کہ ایک لڑکا مجھے پریشان کر رہا ہے۔ نہیں بلکہ میں خود پریشان ہو رہی ہوں۔" بیلا جیسے خود الجھ گئی اور وہ جو سیکریٹ حمزہ سے منسوب کر کے اندر ہی اندر خائف ہو رہی تھی، یک دم اطمینان سے ہو گئی۔

"ریلیکس بیلا! آرام سے بتاؤ کیا معاملہ ہے۔ کون ہے وہ لڑکا؟"

"وہ اصل میں میری سہیلی نویرا کا بھائی ہے۔ روز اسے کالج چھوڑنے آتا ہے۔" بیلا رک رک کر بتانے لگی۔

"اس نے کبھی مجھے پریشان نہیں کیا۔ بس یہ ہے کہ اگر کبھی اچانک نظر مل جائے تو ہاتھ کے اشارے سے

سلام کر لیتا تھا۔ لیکن کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ نورا کالج نہیں آئی تھی اور آف ٹائم میں وہ آ گیا۔ مجھے بلایا تو میں یہی سمجھی نورا کے حوالے سے کوئی بات کرنی ہوگی لیکن.....''

''اس نے اظہار محبت کر دیا۔'' بیلا سانس لینے کو رکی تھی کہ وہ بے ساختہ بول پڑی۔

''تم بہت بدتمیز ہو۔'' بیلا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''اب میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔''

''افوہ..... میں مذاق کر رہی تھی۔'' اس نے بہ مشکل ہنسی روک کر بیلا کو منایا اور مزید بتانے پر اصرار کیا۔

''ہاں پھر کیا کہا اس نے؟''

''کچھ نہیں، بس یہی کہا کہ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے اور اپنا کارڈ دیا کہ میں اسے فون کروں۔ لیکن میں کیوں کروں۔ اگر اماں یا بھائی کو پتا چل گیا تو وہ میرا کالج جانا ہی بند کر دیں گے۔ ہے ناں۔'' بیلا نے بتا کر اس سے تائید چاہی تو وہ جواب دینے کے بجائے پوچھنے لگی۔

''ہے کیسا؟ مطلب دیکھنے میں شریف آدمی لگتا ہے یا لوفر ٹائپ؟''

''نہیں لوفر تو نہیں ہے۔'' بیلا کی معصومیت پر اسے بے طرح پیار آیا۔ بہ مشکل مسکراہٹ چھپا کر کہنے لگی۔

''پھر کیا مسئلہ ہے۔ کر لو بات سن لو کیا کہتا ہے۔''

''نہیں شہرینہ! مجھے ڈر لگتا ہے۔ اگر اس نے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تو.....''

''تو فون بند کر دینا پھر اس کی بہن کو بھی شکایت کر کے کہہ دینا کہ سمجھا کے رکھے اپنے بھائی کو، سمجھیں۔'' شہرینہ نے گویا چٹکی بجاتے مسئلہ حل کر دیا لیکن بیلا خائف تھی۔

''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟''

''کوئی مسئلہ نہیں ہوگا یار! تم خواہ مخواہ ڈر رہی ہو۔ ابھی نمبر ہے تمہارے پاس تو لاؤ، ابھی بات کر لو۔'' شہرینہ نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''نہیں، نمبر تو گھر پر ہے۔''

''چلو پھر بات کر لینا اور ڈرنا مت۔ سمجھیں۔ میں ذرا امی اور چچی جان کو دیکھ لوں پھر چلو چائے بناتے ہیں۔'' شہرینہ کہتے ہوئے اٹھی تو ساتھ میں بیلا کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اٹھا دیا۔

☆☆☆

ربیکا رات بھی مسلسل حمزہ کو کال ملاتی رہی لیکن اس نے ریسیو نہیں کی تھی اور ابھی وہ آفس بھی نہیں آیا تھا جس سے وہ مزید بے چین ہو کر پھر اس کا نمبر پش کرنے لگی کیونکہ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس نے اپنے ممی ڈیڈی سے بات کر لی ہے اور اب وہ اپنی امی کو اس کے گھر بھیجے لیکن ادھر حمزہ تھا کہ اس کی کال ہی نہیں لے رہا تھا نہ اس کے میسج کا جواب، جس سے جھنجلانے کے ساتھ اب اس کا ڈپریشن بڑھتا جا رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے، پھر اس کا نمبر پش کر کے وہ اس کے گھر جانے کا سوچ رہی تھی کہ کال ریسیو ہونے پر فوراً سیل فون کان سے لگا کر غصے سے بولی۔

''کہاں ہو تم؟''

''تمہاری دسترس سے دور۔'' ادھر حمزہ نے اسے مزید سلگا دیا۔

''شٹ اپ حمزہ! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ دنیا کے آخری کونے میں چلے جاؤ تب بھی تم تک پہنچنے میں مجھے دیر نہیں لگے گی۔'' وہ چبا چبا کر بولی۔

''ہاہا۔'' حمزہ نے لمبی آہ بھری۔

''یہ آہیں بعد میں بھرنا ابھی تم جہاں کہیں بھی ہو فوراً میرے پاس آؤ۔'' وہ پورے استحقاق سے بول رہی

''سوری۔ میں آفیشل کام میں مصروف ہوں اور تم پلیز مجھے ڈسٹرب مت کرو۔'' حمزہ کہہ کر لائن کاٹنا چاہتا تھا کہ وہ چیخ پڑی۔

''بھاڑ میں گیا آفیشل کام، تم بس فوراً آؤ۔''

''سوری ربیکا! یہ تمہارے ڈیڈی کا آفس نہیں ہے جو میں کام ادھورا چھوڑ کر آ جاؤں گا تو تمہاری وجہ سے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ میں نے نئی جاب جوائن کر لی ہے اور آج میرا پہلا دن ہے۔ مزید کچھ جاننے سے پہلے میں لوکہ میں اب واپس نہیں آؤں گا۔ اوکے۔'' حمزہ نے ٹھنڈے لہجے میں اپنی بات کہہ کر فون بند کر دیا تو کتنی دیر وہ اپنے غصے اور تلملاہٹ پر قابو پانے میں لگی۔

اس کے بعد چائے پیتے ہوئے وہ جانے کیا کیا سوچ گئی۔ اب بات صرف دل کی نہیں تھی اسے اپنا بھرم بھی قائم رکھنا تھا ورنہ سب سے پہلے تو اس کی ممانے ہی کہنا تھا کہ دو ٹکے کے لڑکے نے اسے ٹھکرا دیا اور یہ وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ سن سکتی ہی نہیں تھی، جب ہی ٹھنڈے دل سے سوچتی رہی کیونکہ حسان صاحب سے پوچھنے پر بھی اس کی اپنی پوزیشن آکورڈ ہوتی۔ اس لیے بہت ضبط اور خود پر جبر کرتے ہوئے اس نے آفس میں وقت گزارا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ حمزہ آفس سے گھر جا چکا ہوگا تب وہ سیدھی اس کے گھر آ گئی۔ گیٹ حمزہ ہی نے کھولا اور اسے دیکھ کر قدرے بوکھلا گیا۔

''تم.....؟''

''اندر آنے کو نہیں کہو گے۔'' وہ یوں مسکرائی جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

''ہاں آں..... آؤ۔'' حمزہ نے ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا پھر گیٹ بند کر کے اسے لیے ہوئے اندر آیا تو برآمدے میں تخت پر بیٹھی فاخرہ اور بیلا اسے دیکھنے لگیں۔

''اماں! یہ مس ربیکا ہیں۔ میرے باس کی بیٹی۔'' حمزہ کو بہت دقتوں کا سامنا تھا۔

''السلام علیکم!'' ربیکا نے فاخرہ کو سلام کیا پھر بیلا کو دیکھ کر مسکرائی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جیتی رہو بیٹا! آؤ بیٹھو۔'' فاخرہ نے دعا کے ساتھ کہا تو حمزہ فوراً بول پڑا۔

''اماں، ہمیں کچھ آفس کی بات کرنی ہے۔ بیلا تم چائے ڈرائنگ روم میں لے آؤ۔ آیئے میڈم!''

''میڈم.....'' وہ حمزہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آتے ہی منہ ٹیڑھا کر کے بولی اور آرام سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

جب کہ حمزہ اپنے آپ میں عجیب سا محسوس کرتے ہوئے اسے دیکھے گیا کہ شاید وہ اس چھوٹے سے ڈرائنگ روم اور عام سے فرنیچر کو تنقیدی نگاہ سے دیکھے گی لیکن وہ بڑی بے نیاز تھی یا بن رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے یہاں آتی جاتی رہی ہو۔

''کھڑے کیوں ہو، بیٹھو۔'' اس نے ٹوکا تو حمزہ چونک کر بیٹھتے ہی پوچھنے لگا۔

''کیسے آنا ہوا؟''

''تم جو نہیں آئے۔'' وہ ایک ادا سے مسکرائی پھر کہنے لگی۔ ''بہر حال میں تمہیں نئی جاب کی مبارک باد دینے آئی ہوں۔ یہ تم نے بہت اچھا کیا حمزہ! میں خود بھی یہی چاہتی تھی۔''

''تم.....'' وہ بے حد متعجب تھا۔

''ہاں، اب کم از کم مجھے یہ تو سننے کو نہیں ملے گا کہ ''میں تمہارے ڈیڈی کے آفس میں معمولی ملازم ہوں۔'' یہ کمپلیکس تمہاری پرسنالٹی پر اچھا اثر نہیں ڈال رہا تھا۔''

"اف۔" حمزہ جتنا متعجب تھا، اسی قدر بددل ہو گیا یعنی وہ لڑکی کسی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔

"خیر، میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ....." بیلا کے آنے پر وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی اور حمزہ کو جیسے موقع مل گیا۔ بیلا کو اپنے پاس بٹھا کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا کیونکہ وہ ریبکا کی مزید کوئی بات نہیں سننا چاہتا تھا۔

ریبکا اندر ہی اندر جز بز ہوتی مجبوراً بیلا سے باتیں کرنے لگی اور آخر دل کی بات دل میں لیے واپس لوٹ گئی۔

☆☆☆

ریبکا کے جانے کے بعد حمزہ نے چکن کڑاہی کی فرمائش کر کے بیلا کو کام سے لگا دیا اور خود فاخرہ کے پاس آ بیٹھا کیونکہ وہ آج شہرینہ کی طرف گئی تھیں تو وہ ان سے وہاں کا حال احوال لینا چاہتا تھا۔ خصوصاً شہرینہ کا، جب ہی بیٹھتے ہی پوچھنے لگا۔

"ہاں اماں! شہرینہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے ماشاء اللہ۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا البتہ حمیدہ بھابھی کچھ سست لگ رہی تھیں۔" فاخرہ نے بتایا تو وہ فوراً کہنے لگا۔

"اصل میں تائی جان کو شہرینہ کی فکر ہے۔ ہر وقت اسی کا سوچتی رہتی ہیں۔"

"ہاں مجھے بھی یہی لگا جب ہی میں نے ان سے کہا کہ اب شہرینہ کی شادی کر دیں۔"

"پھر.....؟" وہ بے صبری کا مظاہرہ کر گیا۔

"پھر چاہتی تو حمیدہ بھابھی بھی یہی ہیں لیکن بتا رہی تھیں شہرینہ ابھی راضی نہیں ہو رہی۔ پتا نہیں کیوں شادی کا نام سنتے ہی چیخنے چلانے لگتی ہے اور اس بات سے تو بیٹا مجھے بھی تشویش ہو رہی ہے۔" فاخرہ فکر مند نظر آنے لگیں۔

"تشویش کی بات تو ہے اماں!" اسے کہنا پڑا ورنہ وہ جانتا تھا کہ شہرینہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔

"ادھر تم بھی تو شادی کا نام سن کر بدک جاتے ہو۔ آخر تم دونوں نے سوچا کیا ہے؟" فاخرہ نے اب اسے لتاڑا تو وہ جھنجلا گیا۔

"اوہو اماں! ہمیں کیا سوچنا ہے، جو سوچیں گی آپ اور تائی جان اور اگر آپ دونوں یہ چاہتی ہیں کہ ہماری شادی ہو جانی چاہیے تو کر دیں۔" وہ اپنی خواہش ان کے کھاتے میں ڈال گیا۔

"سچ کہہ رہے ہو..... میرا مطلب ہے ٹالنے والی بات تو نہیں کر رہے۔" فاخرہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں تو اب وہ اپنی خواہش دبا نہیں سکا۔ بے اختیار ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"سچ اماں! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ آپ تائی جان سے بات کریں بلکہ اصرار کریں کہ وہ کوئی قریبی تاریخ طے کر دیں۔"

"جیتے رہو۔ تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔" فاخرہ خوش ہو گئیں پھر کہنے لگیں۔ "آج تو میں نے حمیدہ بھابھی سے یوں ہی سرسری بات کی تھی کیونکہ تمہارا کچھ پتا نہیں تھا۔ خیر اب ایک دو دن میں پھر جاؤں گی۔"

"ہاں اماں! بار بار جائیں گی تو تائی جان مانیں گی۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس مہینے خیر سے خزینہ بھی فارغ ہو جائے گی۔ پھر میں حمیدہ بھابھی سے کہوں گی اگلے مہینے کی کوئی تاریخ رکھ لیتے ہیں۔" فاخرہ کہہ کر پوچھنے لگیں۔ "سب انتظام ہو جائے گا ناں؟"

"سب ہو جائے گا اماں۔ اس طرف سے آپ بے فکر رہیں۔" فاخرہ کو اطمینان دلاتے ہوئے اس کے اپنے دل میں لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ پھر اس کی نظروں میں شہرینہ کا روٹھا روپ آن سمایا۔ دل چاہا ابھی اسے منانے پہنچ جائے لیکن یہ آسان نہیں تھا کیونکہ وہ سارے رابطے توڑے بیٹھی تھی۔ بہت سوچنے کے بعد وہ بیلا کا بل فون لے کر اپنے کمرے میں آ گیا اور اس کے نمبر سے شہرینہ کو کال ملا دی۔ کچھ دیر بیل جاتی رہی پھر اس کی نقاہت بھری آواز سنائی دی تھی۔

"ہاں بیلا! کوئی بات رہ گئی ہے کیا؟"

"بہت ساری باتیں رہ گئی ہیں۔" اس کے لہجے میں گمبھیرتا چونکا دینے والی تھی لیکن ادھر کھٹ سے فون بند ہو گیا۔

"اوہ....." اس نے سینے میں دبی سانس ہونٹ سکیڑ کر آزاد کی پھر بہت ڈھیلے انداز میں کان سے لگا موبائل نیچے گرا دیا۔ اس کے بعد بھی کتنی دیر وہ گم صم بیٹھا رہا۔ کیونکہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ ایسا کوئی گناہ تو نہیں ہوا تھا اس سے جو اس کی برسوں کی محبت پر پانی پھیر دے۔

"نہیں..... میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ خود سے بولا۔ پھر اپنا موبائل اٹھا کر واٹس ایپ پر وہ تصویر نکال لی جو شہرینہ نے اسے سینڈ کی تھی۔ اور اب تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے وہ خود اپنے آپ میں نہ صرف شرمسار ہوا بلکہ خود کو ملامت بھی کرنے لگا تھا۔ کس قدر والہانہ نظروں سے وہ ریبکا کو دیکھ رہا تھا اور تصویر میں بھی یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی اسے خود میں سمو لے گا۔ اس پر شہرینہ کی ناراضی بجا تھی۔ اسے لگا جیسے اب وہ ہمیشہ کی طرح ایک دم جا کر اس کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ یعنی اب اسے صفائیاں پیش کرنی پڑیں گی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو شہرینہ! میں ایسا نہیں ہوں۔ میرا یقین کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔"

بہر حال اگلے کتنے دن وہ ہر روز یہی سوچتا رہا کہ آج آفس سے واپسی پر سیدھا شہرینہ کے گھر جائے گا لیکن ہمت جواب دے جاتی اور وہ راستے ہی سے پلٹ جاتا۔ اس وقت وہ مصمم ارادہ کر کے آفس سے نکلا تھا کہ ریبکا کا فون آ گیا اور اس نے جیسے اپنے ارادے کے ٹوٹنے سے خائف ہو کر ریبکا کی کال ریسیو کی تھی۔

"حمزہ کیوں تنگ کر رہے ہو۔ میری کال کیوں نہیں لیتے۔" ریبکا نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا۔ وہ خاموش رہا تو عاجزی سے بولی۔ "پلیز تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس آ جاؤ۔"

"کہاں؟" اس کے منہ سے بلا ارادہ نکلا مگر فوراً ہونٹ بھینچ کر اس کی سننے لگا اور پھر جہاں اس نے کہا تھا وہیں پہنچ گیا۔

"بہت مصروف رہنے لگے ہو۔" ریبکا نے سر تا پا اسے دیکھا جو خاصا بے زار اور تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"ظاہر ہے نئی جاب ہے۔" اس نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

"ہوں۔ اچھا کیا لو گے؟"

"کافی..... بلیک کافی۔" وہ بتا کر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگا۔

سلونی شام اداس لگ رہی تھی یا شاید اس کے اندر کی اداسی تھی جو اسے ہر شے سے اداسی جھلکتی نظر آ رہی تھی۔

"نئی جاب سے مطمئن ہو؟" ریبکا نے پوچھا تو اس نے چونک کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ۔ پھر کب بھیج رہے ہو اپنی امی کو میرے گھر؟" ریبکا کی معنی خیز مسکراہٹ سے بھی وہ نہیں سمجھا۔

"تمہارے گھر؟"

"ہاں میں نے اپنے ڈیڈی سے بات کر لی ہے۔ آئی مین، ہماری شادی کی تو اب تمہاری ممی کو آنا چاہیے۔"

ریکا غالباً جان بوجھ کر لاپروائی سے بول رہی تھی اور اس کا دل چاہا کس کے طمانچہ اس کے منہ پر دے مارے کہ پھر کبھی وہ بھولے سے بھی اس کا نام نہ لے۔

"کیا ہوا ایسے کیوں دیکھ رہے ہو۔" ریکا نے اس کی خشمگیں نظروں کو یکسر نظر انداز کر کے ٹوکا تو وہ بہت ضبط سے بولا۔

"میری امی اتنی آسانی سے نہیں مانیں گی۔"

"کیوں انہیں تمہاری خوشی عزیز نہیں ہے۔" وہ کس دھڑلے سے اسے الزام دے رہی تھی۔

"میری خوشی....." وہ تلخی سے ہنسا، ہنستا چلا گیا۔

"حمزہ..... پاگل تو نہیں ہو گئے۔" ریکا ہرٹ ہو کر تلملائی۔

"ہوا تو نہیں لیکن ہو جاؤں گا اگر مجھے میری خوشی نہ ملی تو۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ پھر ایک دم اٹھا اور تیز قدموں سے وہاں سے نکل آیا۔

سلونی شام گہری اداسیوں میں ڈوب رہی تھی۔

☆☆☆

حمیدہ بیگم کتنے دنوں سے خزینہ کو بلا رہی تھیں کہ وہ صبح سے ان کے پاس آئے اور وہ جانا بھی چاہتی تھی لیکن اب اس کی حالت ایسی تھی کہ تیمور غزنی نے سختی سے اسے کہیں اکیلے آنے جانے سے منع کر دیا تھا۔ اور خود اس کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے حمیدہ بیگم کو آج کل کا کہتی رہی۔ لیکن اس روز جب انہوں نے ڈانٹنے کے ساتھ کچھ جذباتی ڈائیلاگ بھی بولے تو اس نے اسی وقت تیمور غزنی کو فون کر ڈالا کہ وہ فوراً آجائے۔ اس وقت صبح کے دس بجے تھے۔ اس ایمرجنسی کال پر تیمور غزنی آفس چھوڑ کر بھاگا چلا آیا کیونکہ اب اسے ہر پل یہی خیال رہتا تھا کہ جانے کب خزینہ کو ڈاکٹر کے یہاں لے جانا پڑے اور وہ اسی خیال سے بھاگا آیا۔ لیکن آگے وہ میکے جانے کو تیار کھڑی تھی۔

"بس اسی وقت آپ مجھے امی کے ہاں چھوڑ دیں۔ شام میں آجاؤں گی۔"

اس نے کہا تو تیمور غزنی اپنی جھلاہٹ پر قابو پا کر پوچھنے لگا۔

"کیسے آؤ گی؟"

"آپ کے ساتھ میرا مطلب ہے آفس سے واپسی پر آپ مجھے وہاں سے لے لیجیے گا۔" اس نے اتنے آرام سے کہا تو تیمور غزنی نے اس کا کان پکڑ کر مروڑ دیا۔

"بہت تنگ کرنے لگی ہو تم۔"

"وہ تو میں کروں گی جب آپ مجھ پر پابندی لگائیں گے تو۔"

"اچھا چلو۔" وہ آفس میں کام چھوڑ کر آیا تھا اس لیے زیادہ بحث نہیں کی اور اسے حمیدہ بیگم کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

"لو کھڑے کھڑے چلا گیا۔ کم از کم چائے کے لیے تو روکتی۔" حمیدہ بیگم نے اسے ٹوکا تو وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

"وہ آفس چھوڑ کر آئے تھے امی۔ چائے شام میں جب مجھے لینے آئیں گے تو پی لیں گے۔"

"اچھا تم بتاؤ کیسی طبیعت ہے تمہاری، مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ چہرہ دیکھو کیا پیلا ہو رہا ہے۔ کھاتی پیتی نہیں ہو کیا۔" حمیدہ بیگم اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خود ہی بولے جا رہی تھیں۔

"سب کھاتی ہوں امی اور میں بالکل ٹھیک ہوں آپ خواہ مخواہ کی فکریں نہ پالیں۔" اس نے ہنستے ہوئے

کہا۔

"اچھا تم آرام سے بیٹھو۔ میں تمہارے لیے شیک بنا کر لاتی ہوں۔" حمیدہ بیگم اٹھنے لگیں کہ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بس کریں امی! میں کوئی مہمان نہیں ہوں جس چیز کی ضرورت ہوگی خود لے لوں گی اور یہ شہرینہ کہاں ہے؟"

"کالج گئی ہے۔"

"اچھا ہاں۔ وہ تو اب لگتا ہے پی ایچ ڈی کر کے چھوڑے گی۔" اس نے تکیے کے ساتھ کمر ٹکاتے ہوئے کہا تو حمیدہ بیگم سر جھٹک کر بولیں۔

"بس کرو۔ سمجھاؤ اسے۔"

"کیا سمجھاؤں!" وہ اپنے پرس میں کچھ تلاش کرنے لگی تھی۔

"دیکھو میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے۔" اس کی بے نیازی پر حمیدہ اس نے اس کا پرس کھینچ کر ایک طرف رکھ دیا تو وہ قدرے ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اسی لیے بلایا مطلب؟"

"مطلب شہرینہ کو سمجھاؤ..... بہت پڑھ لیا۔ اب اس کی شادی کا وقت ہے۔ تمہاری فاخرہ چچی کتنے چکر لگا چکی ہیں لیکن ادھر شہرینہ کی ایک ہی رٹ ہے شادی نہیں کروں گی۔ اس دن تو یہاں تک کہہ دیا چچی سے کہیں کوئی اور لڑکی دیکھ لیں۔" حمیدہ بیگم کی آخری بات پر وہ اچھل پڑی۔

"کیا؟ شہرینہ ایسا کیسے کہہ سکتی ہے؟"

"تو میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں۔ تمہارے سامنے بھی تو شادی کا سن کر کیسے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔" حمیدہ بیگم نے یاد دلایا تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر پوچھنے لگی۔

"کہتی کیا ہے میرا مطلب ہے شادی نہ کرنے کی وجہ کیا بتائی ہے؟"

"مجھے تو یہی کہتی ہے کہ آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ بس آپ کے ساتھ رہوں گی ہمیشہ۔ لیکن بیٹا! میں ہمیشہ تو نہیں بیٹھی رہوں گی۔ تمہارے ابو کے بعد سے تو میں بہت کمزور پڑ گئی ہوں۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے جانے کب میرا بلاوا آجائے۔ پھر میرے بعد یہ لڑکی۔"

حمیدہ بیگم کی آواز بھرا گئی تو وہ تڑپ اٹھی۔

"اوہو امی! کچھ نہیں ہوتا آپ کو۔ ابھی تو آپ نے ہمارے بچے کھلانے ہیں اور شہرینہ..... ذرا آلینے دیں اسے، میں اس کی خبر لیتی ہوں۔ یہ سب ڈراموں کا اثر ہے۔ بند کریں اس کا فی وی دیکھنا۔"

"کہاں دیکھتی ہے اب تو فی وی بھی نہیں دیکھتی۔ بس خود پڑھتی ہے پھر بچوں کو پڑھاتی ہے۔" انہوں نے بتایا تو خزینہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"بچوں کو..... کون سے بچوں کو.....؟"

"ٹیوشن کے لیے آتے ہیں۔"

"اچھا مجھے نہیں بتایا شہرینہ نے کہ وہ ٹیوشن پڑھانے لگی ہے۔ خیر یہ اچھی بات ہے۔ فضول سوچنے سے بہتر ہے کسی کام سے لگی رہے۔" اس نے کہا تو حمیدہ بیگم ناراض ہو گئیں۔

"تو تم اور اس کی طرف داری کرو۔ مجھے نہیں کروانے اس سے یہ کام، میں اس کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔ سمجھیں۔"

''سمجھ گئی امی، سمجھ گئی۔ بس آپ تیاری کریں۔ میں اسے راضی کرلوں گی۔'' وہ جلدی سے بولتی گئی۔ پھر حمیدہ بیگم کے گلے لگ گئی۔ ''آپ خواہ مخواہ نہ پریشان ہوا کریں۔''

''خواہ مخواہ نہیں ہوتی۔''

''اچھا چھوڑیں یہ بتائیں کھانے میں کیا بنے گا۔ میں بنا دیتی ہوں۔'' اس نے حمیدہ بیگم کا دھیان بٹایا تھا۔

''تم بیٹھی رہو آرام سے، کھانا بنا ہوا ہے۔ میں ذرا دیکھ آؤں۔'' حمیدہ بیگم اٹھ کر چلی گئیں تو ان کی باتوں کو سوچتے، سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

☆☆☆

دوپہر کے کھانے کے بعد فاخرہ بیلا کے ساتھ لیٹی تھیں کہ ڈور بیل بج اٹھی۔

''میں دیکھتی ہوں اماں.....'' بیلا اٹھ کر چلی گئی تو فاخرہ کی نظریں دروازے پر جم گئیں۔

کچھ دیر بعد بیلا واپس آئی تو اس کے ساتھ ایک لڑکی اور پیچھے دو خواتین تھیں۔ جنہیں دیکھ کر فاخرہ اٹھ بیٹھیں۔

''اماں یہ میری سہیلی ہے نویرہ، میرے ساتھ کالج میں پڑھتی ہے۔'' بیلا نے بتا کر خواتین کو آگے آنے کا راستہ دیا۔

''السلام علیکم آنٹی۔ یہ میری امی ہیں اور یہ پھوپھو۔'' نویرہ نے سلام کے ساتھ خواتین کا تعارف کردیا۔

''خوش رہو بیٹا۔ آیئے بہن، آپ ادھر آجائیں۔'' فاخرہ نے خواتین کو وہیں بٹھالیا۔ تو بیٹھتے ہی ایک خاتون کہنے لگیں۔

''کتنے دنوں سے نویرہ کہہ رہی تھی سہیلی کے گھر جانا ہے۔ اب آپ کو پتا ہے حالات ایسے ہیں کہ اکیلی لڑکی کو کہیں نہیں بھیجا جاسکتا۔''

''ہاں بہن! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میری بیلا بھی بس وین میں کالج آتی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کہیں نہیں جاتی۔'' فاخرہ نے ان کی تائید کی۔

''بہت دوستی ہے ان دونوں میں نویرہ تو دیوانی ہے بیلا کی۔ گھر میں ہر وقت اس کی باتیں کرتی ہے۔'' خاتون نے بیلا کو دیکھ کر کہا تو فاخرہ نے مسکرانے پر اکتفا کیا، ساتھ ہی بیلا کو چائے پانی کا اشارہ کردیا تھا۔

''ارے بہن کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بس آپ سے ملنے آئے ہیں۔'' خاتون نے ان کا اشارہ دیکھ لیا تھا۔

''بہت خوشی ہوئی۔ آپ آرام سے بیٹھیں ناں اور چائے پانی کا تو کوئی تکلف نہیں ہوتا۔'' فاخرہ نے کہتے ہوئے پھر بیلا کو دیکھا تو وہ نویرہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔

''تو یہ ہے تمہارا کچن۔'' نویرہ نے اس کے پیچھے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ تو بیلا پلٹ کر پوچھنے لگی۔

''کیسے آئیں۔ مطلب کہیں اور جاتے ہوئے آگئیں یا خاص طور سے میرے ہاں آئی ہو؟''

''کیوں میں خاص طور پر سے تمہارے ہاں نہیں آسکتی؟'' نویرا نے الٹا اسے ٹوکا تو وہ ہنس کر بولی۔

''آسکتی ہو لیکن کالج میں تو تم نے ذکر نہیں کیا تھا کہ تم آج خاص طور سے میرے ہاں آؤ گی۔''

''سرپرائز..... کیسا لگا سرپرائز؟''

''اچھا، لیکن اگر پہلے سے بتا دیتیں تو میں خاص انتظامات کرلیتی۔'' فروٹ چاٹ بناتے ہوئے بیلا کے ہاتھ تیزی سے حرکت کررہے تھے۔ پھر ٹرے میں باؤل اور چمچہ وغیرہ رکھ کر سوچنے لگی کہ ڈرنک میں کیا رکھنا چاہیے۔

''سنو زیادہ دماغ پر زور مت دو۔ بس یہ ٹھیک ہے۔'' چلو۔ نویرا نے کہنے کے ساتھ ٹرے اٹھالی۔ وہ ارے ارے کرتی رہ گئی لیکن نویرا نہیں رکی تب وہ جلدی سے جگ میں ٹھنڈا پانی اور گلاس لے کر اندر آئی تو فاخرہ جانے کیا بات کررہی تھیں، اسے دیکھ کر خاموش ہوگئیں۔

''آنٹی آپ چائے پئیں گی۔'' بیلا نے پوچھا تو فاخرہ اسے گھور کر بولیں۔

''پوچھنے کی کیا بات ہے۔ جاؤ بنا ؤ چائے۔'' وہ فاخرہ کے گھورنے سے خائف ہوکر فوراً پلٹ کر کچن میں آگئی۔ اور ابھی چائے کا پانی چولہے پر رکھا تھا کہ نویرا آکر کہنے لگی۔

''سنو، امی اور پھوپھو اس وقت چائے نہیں پئیں گی لہٰذا چولہا مت جلاؤ، یوں بھی اب ہم جارہے ہیں۔''

''کیا اتنی جلدی..... آئی کیوں تھیں۔'' وہ خفا ہوئی۔

''پھر آؤں گی فرصت سے ابھی اصل میں پھوپھو ساتھ ہیں ناں اور انہیں اپنے گھر جانا ہے۔ دیکھو وہ بلا بھی رہی ہیں۔ آؤ چلو۔'' نویرا اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔ دونوں خواتین جانے کو تیار کھڑی تھیں۔ فاخرہ سے گلے مل کر خوشی کا اظہار کیا پھر نویرا کی امی نے اسے بھی گلے لگا کر پیار کیا۔

وہ انہیں گیٹ تک چھوڑ کر واپس آئی تو پہلے برتن کچن میں رکھے پھر آکر فاخرہ کے ساتھ لیٹ گئی۔

''تمہاری سہیلی کو آنا تھا تو کچھ ناشتے پانی کا انتظام کرکے رکھتیں۔'' فاخرہ جانے کس سوچ میں تھیں اسی سوچتے انداز میں بولی تھیں۔

''مجھے کہاں پتا تھا اماں۔ اس نے بتایا ہی نہیں تھا۔'' وہ سادہ و معصوم لڑکی تھی نہ مہمانوں کی آمد پر ٹھٹکی تھی نہ اب فاخرہ کے انداز پر غور کررہی تھی۔

''اسکول میں بھی تمہارے ساتھ پڑھتی تھی؟'' فاخرہ نویرا کا پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں کالج ہی میں ہماری دوستی ہوئی ہے۔ اور بھی لڑکیاں ہیں۔ لیکن مجھے نویرا زیادہ اچھی لگتی ہے۔ اچھی ہے ناں اماں؟'' اس نے بتا کر تائید چاہی اور فاخرہ کی ہوں پر گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ شاید سو گئی تھیں۔

☆☆☆

خزینہ کتنی دیر سے نوٹس کررہی تھی کہ شہرینہ بلاوجہ ادھر ادھر کے کاموں میں لگی ہوئی تھی غالباً اس کے پاس بیٹھنے سے کترا رہی تھی۔ آخر اسے ٹوکنا پڑا۔

''تم یہ سارے کام میرے جانے کے بعد بھی کرسکتی ہو۔ ابھی مہربانی کرو میرے پاس آبیٹھو۔''

''کہاں بیٹھوں ساری جگہ تو تم نے گھیری ہوئی ہے۔'' شہرینہ نے اس کے بے ڈول سراپے کو جتایا۔

''تمہارا وقت بھی آئے گا۔'' خزینہ نے اسے تکیہ کھینچ مارا جسے کیچ کرکے وہ ہنستے ہوئے اس کے پاس آبیٹھی۔

''رہو گی۔''

''نہیں شام میں چلی جاؤں گی۔ تم چلنا میرے ساتھ۔'' خزینہ نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''نہیں اب ممکن نہیں ہے کیونکہ شام میں بچے پڑھنے آتے ہیں۔''

''ہاں امی بتا رہی تھیں۔ اچھا ہے گھر میں ہلچل ہوجاتی ہوگی۔ ابھی دیکھو کیا سناٹا ہے۔ کتنے بچے آتے ہیں؟'' خزینہ نے پوچھا۔ تو وہ بے دلی سے بولی۔

''ابھی تو صرف چار ہیں۔''

''تو کیا پورا ٹیوشن سینٹر کھولنے کا ارادہ ہے۔'' خزینہ اس کے صرف چار کہنے پر اچھلی۔

''ہاں ایسا ہی سوچتی ہوں۔'' شہرینہ سنجیدہ تھی۔

''اور شادی کا کیا سوچا ہے۔ امی بتا رہی تھیں چچی جان بار بار آرہی ہیں۔'' خزینہ اصل بات کی طرف آگئی۔

''ہاں آتو رہی ہیں اور اگر امی کو ان کا آنا برا لگ رہا ہے تو منع کر دیں انہیں کیونکہ مجھے تو شادی کرنی نہیں ہے۔'' شہرینہ کے فیصلہ کن انداز پر خزینہ چکرا گئی۔

''پاگل ہوگئی ہو۔ پتا بھی ہے کیا کہہ رہی ہو۔ تمہاری شادی اب سے نہیں بچپن سے طے ہے۔ حمزہ حمزہ کرتے تم چھوٹی سے بڑی ہوئی ہو۔ اسی طرح وہ بھی تمہارے نام کی مالا جپتا ہے۔ کیا اسے پتا ہے کہ تم اس سے شادی سے انکار کر رہی ہو۔''

''صرف اس سے نہیں...... کسی سے بھی نہیں۔ میں نے کہا مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔'' شہرینہ زور دے کر بولی۔

''کوئی وجہ؟''

''کوئی وجہ نہیں۔ تم خواہ مخواہ بحث مت کرو۔'' شہرینہ چڑ گئی۔

''بحث نہیں کر رہی لیکن تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم نے ایسی بچکانہ ضد کیوں باندھ لی ہے۔ پہلے تمہیں یہ شکایت تھی کہ امی حمزہ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتیں اور اب جب......''

''خزی پلیز، مجھ سے اس موضوع پر بات مت کرو۔ میں کچھ نہیں سنوں گی۔'' اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

''اف۔'' خزینہ نے سر پیٹا۔ ''تم تو سچ مچ پاگل ہوگئی ہو۔''

وہ سن رہی تھی لیکن یوں بیٹھی رہی جیسے سنا ہی نہیں۔

''دیکھو خزینہ اس کے کانوں سے ہاتھ ہٹا کر کہنے لگی۔ ''یہ گھر کا معاملہ ہے۔ تمہاری اور حمزہ کی نسبت کو سارا خاندان جانتا ہے۔ اپنا نہیں امی کا سوچو۔ کس کس کو کیا جواب دیں گی۔''

''اس کی تم فکر مت کرو۔ تمہاری شادی میں بھی تو امی نے سب کو مطمئن کر دیا تھا۔ ایسے ہی یہاں بھی کوئی داستان گھڑ دیں گی۔'' وہ اتنی سخت تھی تو نہیں، جانے کیسے سفاک ہوگئی تھی۔ خزینہ تلملا گئی۔

''اس کا مطلب ہے تم نے خود کوئی داستان گھڑ لی ہے۔ کون ہے۔ جس کے لیے تم بچپن کی محبت سے منہ موڑ رہی ہو۔''

''خزی۔'' مارے صدمے کے اس کی آواز پھٹ گئی۔ ''تم میرے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتی ہو۔''

''صرف میں نہیں ہر ایک یہ سوال اٹھائے گا۔ تو بتاؤ کیا جواب دو گی تم۔ اف شہری۔ میں نہیں جانتی تم کیا سوچ کر شادی سے منع کر رہی ہو لیکن تم ضرور سوچو کہ تمہارے اس اقدام سے ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ کوئی غیر ہوتا تو سو طرح کی باتیں بنائی جا سکتی تھیں۔ یہاں حمزہ ہے حمزہ جسے سب جانتے ہیں۔'' خزینہ بولے جا رہی تھی بلکہ ایک طرح سے اسے جھنجوڑ رہی تھی۔

اور شہرینہ سختی سے آنکھیں میچے اندر ہی اندر بول رہی تھی۔ کوئی نہیں جانتا حمزہ کو کوئی نہیں جانتا۔

☆☆☆

حسب معمول رات کے کھانے کے بعد بیلا حمزہ کے لیے کافی بنا رہی تھی۔ یوں تو وہ سارے کام شوق سے کرتی تھی لیکن کافی پھینٹتے ہوئے اسے سخت کوفت ہوتی۔ اصل میں اسے کافی کی مہک اچھی نہیں لگتی تھی۔ ابھی بھی بری بری شکلیں بناتے ہوئے اس نے کافی بنائی پھر ہمیشہ کی طرح کافی مگ کو خود سے دور رکھ کر حمزہ کے کمرے میں آرہی تھی کہ اندر سے آتی فاخرہ کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔ فاخرہ کہہ رہی تھیں۔

''بیلا کے ساتھ پڑھتی ہے۔ اپنی ماں اور پھوپھی کے ساتھ آئی تھی۔ ہو سکتا ہے اسی نے اپنے بھائی کے لیے بیلا کو پسند کیا ہو۔''

''یا اللہ۔'' بیلا کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ وہ خود ڈر گئی۔

''بہر حال دونوں خواتین اچھی سلجھی ہوئی لگ رہی تھیں۔ لڑکے کا بتا رہی تھیں بینک میں ملازم ہے۔ اپنا نمبر بھی دے گئی ہیں اور بلا بھی گئی ہیں۔ تم کیا کہتے ہو؟'' فاخرہ مزید بتا کر حمزہ سے پوچھ رہی تھیں اور بیلا حمزہ کا جواب سننے کے لیے رکی نہیں تیزی سے پلٹ کر واپس کچن میں آگئی اور فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو کافی کا مگ سنک میں الٹ دیا۔ پھر کمرے میں آکر بیٹھ گئی اور خود کو صفائیاں دینے لگی۔

''میں نے تو اس سے بات نہیں کی اور یہ نویرا کی بچی اس نے بھی مجھے نہیں بتایا۔ اف اماں اور بھائی پتا نہیں کیا سوچیں گے۔'' وہ اپنے آپ خائف ہو رہی تھی۔ پھر آہٹ سن کر جلدی سے فائل کھول کر بیٹھ گئی۔

''لو تم یہاں بیٹھی ہو ادھر حمزہ کب سے کافی کے انتظار میں بیٹھا ہے۔'' فاخرہ اندر آتے ہوئے اسے دیکھ کر بولیں۔

''وہ میں ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی۔'' اس نے نظریں نہیں اٹھائیں۔

''اچھا جاؤ پہلے اسے کافی بنا دو۔'' فاخرہ نے کہا تو کوئی اور وقت ہوتا تو وہ جھنجلاتی، فائل پٹختی لیکن اب فاخرہ سے کترا کر بھاگی۔

اور اگلے دن کالج میں وہ نویرا سے لڑ پڑی۔ کہ اگر اسے ایسے کسی مقصد سے آنا تھا تو کم از کم اسے بتا تو دیتی تاکہ وہ ذہنی طور پر تیار رہتی۔ اب اسے اماں اور بھائی کا سامنا کرتے ہوئے اتنی شرم آرہی ہے۔

نویرا اس کی باتوں پر ہنستی رہی آخر میں پوچھنے لگی۔

''ویسے تمہیں میرے بھائی کیسے لگتے ہیں۔''

''مجھے کیا پتا کیسے ہیں۔ میں نے انہیں دیکھا ہی نہیں۔'' بیلا کے روٹھے انداز پر نویرا مزا لے کر بولی۔

''لیکن میرے بھائی نے تو صرف تمہیں دیکھا ہے اور اب تمہارے علاوہ کسی اور طرف دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔''

''تم......'' بیلا اسی قدر کہہ سکی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اچانک نظروں میں وہ شخص آن سمایا تھا جس کے بارے میں خود اس نے کہا تھا۔

''نہیں لوفر تو نہیں ہے۔''

☆☆☆

آج صبح سے اس کی طبیعت میں بے چینی سمائی تھی۔ کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو رہا تھا۔ جب ہی ضروری میٹنگ بھی اس نے کینسل کروادی۔ پھر کچھ پیپرز سائن کر کے وہ گھر جانے کا سوچ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے ماحول میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ اس نمبر پر خزینہ کال کرتی تھی۔ اس نے ٹائم دیکھتے ہوئے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری طرف نجمہ خالہ تھیں۔ اس کے ہیلو کہنے سے پہلے ہی بول پڑیں۔

''بیٹا، خزینہ باتھ روم میں گر گئی ہے۔'' نجمہ خالہ تو گھبرائی ہوئی تھیں ہی وہ ان سے زیادہ پریشان ہو گیا۔

''کیا کیسے۔ میں بس آرہا ہوں۔'' وہ فون رکھنے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور آندھی طوفان کی طرح گھر پہنچا۔ خزینہ بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی۔ نجمہ خالہ بتا رہی تھیں کہ وہ کتنی مشکل سے اسے بیڈ پر لائی ہیں۔ وہ ان کی بات سن ضرور رہا تھا۔ لیکن اس کی ساری توجہ خزینہ پر تھی۔ اس کے گال تھپتھپا کر پکارا اور کوئی جواب نہ پا کر ایمبولینس کال کردی۔ چیختے ذہن کے ساتھ وہ جانے کیا کیا

صائمہ قریشی

لذتِ غمِ عشق

چوتھی اور آخری قسط

مکمل ناول

جارہا تھا۔

"میں ساتھ چلوں بیٹا۔ ایمبولینس کے آنے پر نجمہ خالہ نے کہا لیکن اس نے منع کر دیا۔ اور خزینہ کو لے کر دس منٹ میں ہاسپٹل پہنچ گیا۔ جہاں ڈاکٹر نے خزینہ کو چیک کر کے بتایا کہ ابھی آپریشن کرنا پڑے گا۔ ورنہ زچہ بچہ دونوں کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ وہ کیا کہتا۔ فوراً کاغذی کارروائی نمٹا کر لابی میں آتے ہی سونیا آپی کو فون کر دیا۔ اور ان کی آواز سنتے ہی کہنے لگا۔

"آپی ہاسپٹل سے بات کر رہا ہوں۔ خزینہ کا آپریشن ہے۔ آپ آ رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ فون بند کر کے وہیں ٹہلنے لگا۔ اب آگے اس کا ذہن کچھ سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بس خزینہ اور بچے کی خیریت کی دعائیں مانگتا رہا۔ پھر سونیا کو آتے دیکھ کر قدموں کے ساتھ اس کی زبان بھی رک گئی۔

"یہاں کیا کر رہے ہو۔ اندر چلو۔ کہاں ہے خزینہ۔" سونیا بڑی عجلت میں آئی تھی۔

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ اندر آ گیا۔ آپریشن تھیٹر سے نرس نکل رہی تھی۔ سونیا اس کی طرف بڑھ گئی اور وہ وہیں بینچ پر بیٹھ گیا۔ کیونکہ اب سونیا جو کرنے والی تھی اسے سوچ کر اس کا دل بیٹھے جا رہا تھا۔ وہ اتنا کمزور نہیں تھا لیکن اب تو اس کی ٹانگوں میں جیسے جان ہی نہیں رہی تھی۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان دبائے سر جھکائے وہ خود کو انتہائی بے بس محسوس کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ باپ بننے جا رہا تھا اپنے بچے کا باپ اور اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی تھی لیکن وہ خوش نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کی نظریں چکنے فرش پر جمی تھیں جس پر قدموں کی چاپ ابھرتی، معدوم ہو جاتی۔ وہ سر نہیں اٹھا رہا تھا۔ کتنی دیر بعد اس کی سماعتوں نے سونیا کی آواز سنی تھی۔

"بیٹا! مبارک ہو تمہیں۔"

"یا اللہ......" اس کی رکی سانس بحال ہوئی۔ دھیرے دھیرے سر اٹھا کر دیکھا سونیا ہاتھوں میں بچہ لیے کھڑی تھی اور اس کی بے اختیاری پر بند باندھا تھا خزینہ کے خیال نے۔ نظریں سونیا سے ہٹا کر آپریشن تھیٹر پر جا ٹھہریں تو سونیا فوراً بول پڑی۔

"خزینہ ٹھیک ہے۔ ابھی بے ہوش ہے اور اس سے پہلے کہ ہوش میں آئے۔ تم بچے کو لے جاؤ۔"

"لیکن آپی؟"

"کوئی لیکن ویکن نہیں۔ تم جاؤ یہاں میں سب سنبھال لوں گی اور جیسا میں نے کہا تھا تمہیں وہی کرنا ہے سمجھے۔" سونیا نے تنبیہی انداز میں کہہ کر بچہ اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔

"اب جاؤ۔" دھکیلنے والا انداز تھا۔ وہ چل تو پڑا لیکن اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اسے لگا وہ کبھی گھر نہیں پہنچ سکے گا۔ لابی سے نکل کر کوریڈور اس سے آگے روش پر گاڑی کا سفر۔ سارے فاصلے طے ہو گئے، گھر آ گیا۔

اب وہ لاؤنج میں کھڑا اپنے بچے کو دیکھ رہا تھا۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

میرے پیار میں جب تو پاگل ہوگا
ہر سولہر اتا ہوا تیرا آنچل ہوگا
ہجر کے دن بھی کٹ ہی جائیں گے
تیرے بالوں میں جو مہکے گا چاہت کا پھول ہوگا
ملن ہوگا جب ہمارا تمہارا
کتنا سہانا پھر وہ پل ہوگا
ہمدم، میرے ہم نشین، تیری روشن آنکھوں میں
ہر دم جو چمکے گا، میری چاہت کا کاجل ہوگا
میرے پیار میں جب تو پاگل ہوگا
ہر سولہر اتا ہوا تیرا آنچل ہوگا

واٹس ایپ پر آنے والی نظم نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیری تھی۔ ایک دل فریب، دل نشین مسکراہٹ۔

"ہم تم ہوں گے بادل ہوگا۔" وہ زیر لب بولی لفظوں کے ہیر پھیر پر اسے ایک لمحہ لگا تھا جاننے میں کہ یہ الفاظ اس کی اپنی کارستانی ہیں۔

"واہ واہ..... زبردست۔" اگلے پل وہ جواب دینے لگی تھی۔

میں شاعر تو نہیں مگر اے حسیں
جب سے دیکھا میں نے تجھ کو مجھ کو شاعری آ گئی
میں عاشق تو نہیں، مگر اے حسیں
جب سے دیکھا میں نے تجھ کو، مجھ کو عاشقی آ گئی

جوابی میسج پر اس کو اپنا قہقہہ روکنا محال ہو گیا۔

"خیریت جناب؟ نیویارک میں ایسا کیا دیکھ لیا جو مزاج ہی بدل گئے؟" صوفہ کے کونے والی سیٹ پر بیٹھی عروش نے ہنسی روکتے اس سے پوچھا۔

"نیویارک میں تو نہیں لیکن یوکے میں کچھ ایسا دیکھا تھا جس نے مزاج کیا! دل و دماغ اور زندگی بھی بدل دی۔" عدی نے ہارٹ والے ایموجی کا استعمال کیا تھا۔ عروش نے سٹپٹا کر اسکرین کو دیکھا تھا۔

"بابا جان نے تمہاری دادو سے ہماری شادی کی بات کی ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے؟" عدی کے پیغام، نے اس کے دھڑکنوں کو اتھل پتھل کیا تھا۔

"ہاں دادو نے ذکر کیا تھا۔" جھجکتے ہوئے اس نے واپس میسج کیا۔

"لیکن انکل سے دادو نے لالہ اور عفاف کی بات کی ہے۔ ہمارے ہاں وٹہ سٹہ نہیں ہوتا ہے۔" عروش نے لب بھینچتے ہوئے کہا۔ سیڈ فیس ایموجی سے شروع کیا گیا فقرہ ایک آنسو والے ایموجی پر ختم ہوا تھا۔

"تمہارے ہاں کون سا زمانہ چل رہا ہے ابھی تک؟" غصے والے ایموجی کے ساتھ کیے گئے سوال پر وہ مسکرا دی تھی۔

"خیر کوئی ایسا مشکل نہیں ہے۔ محبت کو جیتنا آتا ہے مجھے۔" اب کی بار عدی نے پھول بھی بھیجا تھا۔

بے اختیار غیر ارادی طور پر عروش نے بھی سرخ گلاب کا ایموجی بھیج کر بالآخر اس کو گرین سگنل دکھا دیا تھا۔

"پھول دینا اور پھول لینا محبت کی پہچان ہوتی ہے۔ میرا وعدہ ہے یہ پھول کبھی مرجھائے گا نہیں..... اس عشق میں کبھی غم کی لذت نہ ہوگی..... ہاں خوشیوں کی برسات بن موسم بھی ہو سکتی ہے۔"

عدی کے لمبے چوڑے میسج پر عروش نے فقط آمین لکھا..... جو عدی تک پہنچ چکا تھا۔ اب عدی نے موبائل پاکٹ میں ڈالا اور دوستوں کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اور عروش بھی خیالوں میں کھونے لگی تھی۔ ایسی محو ہوئی کہ آنے والی کال کو بھی نہ سن پائی تھی۔

☆☆☆

احسن ندیم کی یوکے واپسی میں چند دن باقی تھے۔ عفاف کے اپارٹمنٹ کے حوالے سے جو معاملات تھے وہ حل ہو چکے تھے۔ مبین مینشن کی طرف سے مبین نیازی کے پرپوزل پر ان کو مثبت جواب بھی دے دیا گیا تھا۔ لیکن تا حال ادھر سے کوئی جواب موصول نہ ہوا تھا۔ ان کی طرف سے تاخیر کا عذر بھی مناسب تھا۔ لیکن احسن ندیم کو اب یہ معاملہ نبٹانا تھا۔ تو طے پایا کہ عدی نیویارک سے پاکستان آ جائے، عروش اور ثمن بھی کچھ دن بعد، چند دن کے لیے آ جائیں۔ سب کی ملاقاتیں بھی ہو جائیں گی اور بچوں کی زندگیوں کے فیصلے بھی طے پا جائیں گے۔

عفاف نے تو احسن ندیم کے اس پروگرام کو سراہا تھا۔ ثمن کی طرف سے بھی کوئی اعتراض سامنے نہ آیا تھا۔ احسن ندیم اور عفاف کی طرف سے "ہاں" کی خوشی میں وہ کل مبین مینشن میں ڈنر کے لیے مدعو تھے، تو احسن ندیم نے اس سے پہلے پروگرام ترتیب دیا کہ جب جائیں گے تو سفینہ اور مبین سے بھی صلاح کر لیں گے۔

"بابا جانی میرا تو کل جانا مشکل ہو جائے گا۔ ایک ضروری کام ہے۔" اس فیصلے کے بعد سے اب تک مبین نیازی اور عفاف کا سامنا نہ ہوا تھا۔ اور عفاف ابھی اس کے سامنے جانا بھی نہیں چاہ رہی تھی..... جانتی تھی کے اس کے رویے اور پھر فیصلے نے مبین نیازی کو الجھا دیا ہوگا اور وہ بہت سارے سوال بھی کرے گا۔ لیکن ابھی عفاف کے پاس کوئی جواب نہ تھا..... واقعی نہ تھا۔ یا..... وہ کوئی جواب دینا نہیں چاہ رہی تھی اس کے اقرار پر اگر مبین نیازی الجھا ہوا تھا تو ایک اضطراب عفاف کے اندر بھی کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا جو آپ کو مناسب لگے۔ میں وہاں پہنچ کر تمہاری ممی کی بھی بات کرواؤں گا سب سے اور باقی معاملہ بھی ڈسکس کرنا ہے تو تم آرام سے اپنا کام کر لینا۔" احسن ندیم نے اس کے انکار کو اس کی شرم جانا اور آسانی سے مان گئے..... تو عفاف مسکرا کر وہاں سے چلی گئی۔ انسٹیٹیوٹ کے حوالے سے چند لوگوں سے ملاقات بھی ضروری تھی اور مبین نیازی کی اس ملاقات میں شرکت بھی..... اس بارے میں بھی اس کو کچھ سوچنا تھا۔

وہ اقرار کر کے بھی مضطرب تھی..... وہ اقرار سن کر بھی بے چین۔ تو یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا؟..... یہ کیسا ملن ہوگا؟

نجانے اس کی سوچوں کی پتنگیں کتنی اونچی جاتیں کہ مسلسل بجتے فون نے اس کی سوچوں کی ڈور کو کھینچ دیا تھا۔

"عروش کالنگ۔" بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"السلام علیکم بھابھی جان! کیا حال چال ہیں۔" اس کے ہیلو کرتے ہی عروش چہکی۔

"وعلیکم السلام بھابھی جان میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔" برجستہ جواب اور پھر دونوں کی کھلکھلاتی ہنسی۔

"بہت چھپی رستم نکلی ہو انسٹیٹیوٹ سنبھالتے سنبھالتے مالک پر ہی قبضہ کر لیا۔" عروش نے اسے چھیڑا۔

"کم چھپی رستم تو تم بھی نہیں، یوکے پڑھائی کرنے گئی تھیں کہ میرے بھائی کو پھنسانے؟" عفاف کیوں پیچھے رہتی فوراً جوابی کارروائی کی۔

"میں تو پڑھائی کرنے ہی آئی تھی۔ تمہارا بھائی ہی....."

"ہاں اب الزام میرے بھائی پر لگا دو۔" عفاف نے مصنوعی خفگی سے اسے گھرکا۔

"ہاہاہا..... تو تم بھی الزام میرے بھائی پر لگاؤ گی کیا؟" عروش کے لہجے میں واضح شرارت تھی۔

"نہیں تو..... میں تمہارے بھائی پر الزام نہیں لگا رہی ہوں۔" عفاف نے گہرا سانس خارج کیا۔

"اچھا تو بتاؤ پھر..... یہ کہانی کیسے شروع ہوئی؟" عروش کے لہجے میں ایک شوخی کے ساتھ ساتھ ایک تجسس بھی جھلک رہا تھا۔ عفاف سمجھ چکی تھی کہ وہ اس سے کریدنا چاہ رہی ہے۔ کیونکہ مبین نیازی کے لیے عفاف کی بے زاریت سے وہ بھی اچھی طرح واقف تھی۔

"ہر کہانی سب کو سنانے کے لیے نہیں ہوتی۔" عفاف کے ٹالنے والے انداز پر عروش نے ابرو اچکا کر فون کو دیکھا تھا۔

"اف توبہ..... دنیا کتنی مطلبی ہے۔ کیسے آنکھیں پھیر لیتی ہے۔" عروش نے دہائی دی۔ تو عفاف کھلکھلا کر ہنس دی۔

"یہ کہانی تم اپنے لالہ سے ہی پوچھ لو..... وہ ہی بہتر بتا سکیں گے۔" عفاف نے کہا۔ لہجے کی بے نیازی عروج پر تھی۔

"کیا؟ لالا سے؟ وہ تو نہ کوئی کال ریسیو کر رہے

ہیں نہ کسی میسج کا جواب دے رہے ہیں۔ دادو سے بات ہوئی تو کہا کہ ان کی شاید طبیعت خراب ہے۔'' عروش اپنی جون میں بولتی چلی گئی۔ تو عفاف کو بھی اس کی طرف سے کسی قسم کے ردعمل کے نہ آنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

''اچھا..... چلو اللہ کرے گا جلدی ٹھیک ہو جائیں گے پریشان نہ ہو۔'' عفاف نے عام سے انداز میں مبین نیازی کے بیمار ہونے کی خبر پر اسے تسلی دی۔ تو عروش کے دل میں ایک وسوسے نے سر اٹھایا۔

''تم لالہ کے ساتھ بات طے ہونے پر خوش ہو ناں عفاف؟'' بنا کسی پس وپیش کے عروش نے اس سے پوچھا۔

''کہیں انکل نے تمہیں فورس تو نہیں کیا ناں؟'' وہ کچھ نہ بولی عروش پھر گویا ہوئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں خوش ہوں اور مجھ پر کوئی فیصلہ زبردستی نہیں تھوپا گیا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔'' عفاف نے متبسم لہجے میں اسے تسلی دینی چاہی۔

''پھر لالہ کی طبیعت خرابی کا نہ تو تمہیں پتا ہے نہ تمہیں کوئی فکر ہوئی..... ایسا کیوں؟'' عروش کے متفکر انداز میں جھانکتی محبت پر عفاف مسکرانے لگی۔

''ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے پتا اس لیے نہیں ہے کہ ابھی تک میری بات ہی نہیں ہوئی نہ دادو سے اور نہ ہی مسٹر نیازی سے۔ تم سے بھی ابھی بات ہو رہی ہے۔'' عفاف نے اسے بتایا۔

''کیوں بات نہیں ہوئی؟ لالہ نے کوئی بات نہیں کی کیا؟'' عفاف کی اس بات پر عروش کو مبین کی طرف سے بھی تشویش لاحق ہوئی۔

کہیں لالہ کی طبیعت خرابی کسی احتجاج کا حصہ نہ ہو۔ عروش من ہی من میں بولی۔

''اف! تم کیوں ہماری جاسوس بن رہی ہو۔ سب ٹھیک ہے۔ اور بابا جان کی موجودگی میں ہم سرعام دیوانگی دکھانے سے تو رہے۔'' عفاف ہنستے ہنستے بولنے لگی۔

''اور پھر ابھی چند دن ہی تو ہوئے ہیں۔ حقیقت تسلیم کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا ناں..... ویسے کل ہماری دعوت ہے تمہارے ہاں.....'' عفاف نے اسے بتایا۔

''کل؟'' دادو نے ذکر کیا تھا لیکن ابھی دن کنفرم نہیں کیا تھا۔'' عروش نے پہلے حیرانی اور پھر بے زار سے انداز میں کہا۔ ''میں مس کر رہی ہوں۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''عدی کو.....؟'' عفاف کے لفظوں میں ہی نہیں انداز میں بھی شرارت تھی۔

''نہیں بدتمیز..... تم سب کو۔'' دھڑکتے دل کے ساتھ عروش نے اسے ڈانٹا۔

''تم اور ممی بھی آ جاؤ۔ عدی بھی پاکستان آئے گا۔''

''آنٹی نے کہا تو تھا لیکن اب لالہ اور دادو پر ہے ناں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔''

''کل بابا جانی بات کریں گے دادو اور مسٹر نیازی سے تو پھر ان کو راضی بھی کر لیں گے۔ تم دادو تک اپنی رضامندی پہنچا دو۔ باقی سب ٹھیک ہو گا پھر۔'' عفاف نے اسے سارا پروگرام بتایا۔

''تم ابھی تک لالہ کو مسٹر نیازی کیوں کہتی ہو۔'' عروش نے اس کی بات میں سے مسٹر نیازی کو نوٹ کیا تھا۔

''اس لیے کہ عادت ہو گئی ہے اب اور تمہارے لالہ کو بھی پسند ہے۔'' عفاف نے ایک چھوٹا سا جھوٹ بولا۔ مقصد اس کو مطمئن کرنا تھا۔

''اوہو..... اچھا اچھا تو یہ بات ہے۔'' عروش کی ''اوہو'' ذومعنی صورت اختیار کر چکی تھی۔

''ہاں جی یہی بات ہے۔ اور اب اللہ حافظ..... کل انسٹیٹیوٹ کے حوالے سے ایک میٹنگ ہے اور مجھے صبح جلدی اٹھنا بھی ہے۔ اس لیے بائے اب۔'' عفاف نے اسے میٹنگ کا بتا کر فون بند کر دیا..... اور کل صبح کی میٹنگ کے بارے میں سوچنے لگی۔

''پلیز صبح انسٹیٹیوٹ کی میٹنگ میں وقت پر پہنچ جائیے گا۔'' آنکھیں بند کرنے سے پہلے اس نے مبین نیازی کے نمبر پر میسج سینڈ کیا۔ اور فون سائلنٹ پر لگا دیا۔ کتنی دیر کروٹیں بدلتی رہی۔ اندھیرے میں بھی فون پر نظریں جمائے رکھیں کہ کب اسکرین روشن ہوتی ہے۔ اور پھر نجانے کب نیند کا غلبہ طاری ہوا اور وہ مدہوش ہو گئی۔

☆☆☆

''سوال کرنے پر اگر جواب بدل گیا مبین نیازی تو کیا اس ذلت کو برداشت کر سکو گے؟'' یک دم اس کا پاؤں بریک پر جا ٹکا تھا، ٹائروں کے چرچرانے کی آواز پر پیچھے سڑک وہ دونوں ہاتھوں سے اسٹیرنگ وہیل کو پکڑے پرسوچ نگاہیں سامنے سڑک پر جمائے بیٹھا تھا۔

وہ تو صد شکر کہ اس وقت کوئی خاص ٹریفک نہ تھی۔ ورنہ اس کا یوں بیچ سڑک پر رک جانا آتی جاتی گاڑیوں کے لیے مشکلات کا باعث بن جاتا۔

''مبین نیازی واپس پلٹ جاؤ..... عفاف سے سوال کرنا لیکن موقع محل دیکھ کر تم اس وقت ایک اور انکار کو سہہ نہیں پاؤ گے۔''

مبین نیازی کچھ محبتیں یوں ہی نبھائی جاتی ہیں۔ کبھی اپنے پیاروں کا بھرم قائم رکھنے کے لیے ایسی محبتوں کی قربانی دینی پڑتی ہے جو ہماری جھولی میں سوائے درد اور تکلیف کے اور کچھ نہیں ڈالتیں..... مبین نیازی ابھی لوٹ جاؤ۔ ابھی قدم پیچھے ہٹانے میں ہی بہتری ہے۔ واپس تو انہی راستوں پر آنا ہے ناں..... تو جلد بازی سے نہیں۔ سمجھ داری سے کام لو..... جوش کو نہیں ہوش کو ہتھیار بناؤ۔

میں اس بے چینی کے ساتھ کسی کو خوشی نہیں دے سکتا۔'' مبین نیازی نے دونوں ہتھیلیوں سے آنکھوں کو مسل کر کہا۔

''تو مصروف ہو جاؤ مبین نیازی..... اپنا بزنس دیکھو، انسٹیٹیوٹ سنبھالو۔'' ایک مسکراہٹ کے ساتھ ایک مشورے سے بھی نواز گیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ریورس گیئر ڈال کر گاڑی کو تھوڑا پیچھے کیا اور یوٹرن لے کر واپس مبین مینشن کی جانب بڑھ گیا۔

اپنے روم میں جا کر اس نے فون چارجر پر لگانے کی خاطر جیب سے نکالا تو اسکرین پر آویزاں نام نے اس کے دل میں ایک بار پھر ہلچل مچا دی تھی۔ بنا میسج کو پڑھے..... مبین نیازی نے موبائل کو چارجر پر لگا دیا۔

اور پھر میٹنگ میں عفاف، مبین نیازی کی آمد کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن انتظار، انتظار ہی رہا..... جیسے تیسے اپنی سمجھ کے مطابق اس نے ساری میٹنگ ہینڈل کر لی۔

''مسٹر نیازی..... انف از انف.....'' عفاف نے میسج ٹائپ کرنا شروع کیا۔ لیکن اگلے پل اس ادھورے میسج کو ڈرافٹ میں محفوظ کر دیا۔

بعض اوقات لاتعلقی بھی ایک تعلق ہوتا ہے۔ ایک گہرا تعلق ایک نہ دکھائی دینے والا تعلق..... تو کیا مبین نیازی اس سے ایک ایسے ہی تعلق کی ابتداء کر رہا۔ ایک گہرے تعلق کا آغاز؟ کیا مجھے اس تعلق کو برقرار رکھنے میں ان کی مدد کرنی پڑے گی کیا؟ وہ بھی ایک الجھن کے حصار میں آ چکی تھی۔

اور اب چند جوابات مبین نیازی کے حصے میں بھی آ چکے تھے..... اب یہ گتھی کب سلجھ سکے گی؟ سوالات اور جوابات کی یہ نشست کب قائم ہو سکے گی؟ شاید اس فیصلے کی ڈور بھی وقت کے ہاتھ میں ہی ہے..... اور ایک اور انتظار..... ان کا مقدر۔

☆☆☆

احسن ندیم، مبین مینشن روانہ ہو گئے تھے۔ عفاف کا ارادہ بدل گیا تھا، صبح وہ جانا چاہ رہی تھی۔ لیکن شام تک اس نے اپنا ارادہ پھر بدل دیا تھا۔ مبین نیازی کا سامنا کرنے کی جو ہمت جمع ہوئی تھی وہ پھر بکھر چکی تھی۔

دوسری طرف بھی یہی حال تھا۔ مبین نیازی آج سارا دن اپنے کمرے میں بند رہا تھا۔ یہ کون سی جنگ تھی جو وہ مسلسل جیتنے کی کوشش میں مبتلا تھا ہارا بھی نہ تھا اور جیت کی خوشی بھی نہ تھی۔

مبین نیازی اتنا بے بس تو اس وقت بھی نہ تھا۔ جب محبت نے ناقدری کی تھی، ٹھکرا دیا تھا۔ اس نے صبح سے فقط پانی پی پی کر دن گزارا تھا۔ ٹائم دیکھا

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اسے نہیں یاد کہ سفینہ نے ایک بار بھی اس کا دروازہ بجایا ہو۔

یکدم فکر لاحق ہوئی۔ اگلے لمحے وہ جس پھرتی سے اٹھا، اپنی اس برق رفتاری پر خود بھی حیران رہ گیا۔

"دادو..... دادو کہاں ہیں۔" گھر میں غیر معمولی خاموشی اس کو ہلا گئی تھی۔ سفینہ کو آوازیں دیتے وہ ان کے کمرے کی جانب لپکا لیکن وہاں موجود نہ تھیں۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" اس کی آواز پر وہ کچن سے برآمد ہوئیں۔ تو ایک پل میں مبین نیازی کو طمانیت کا احساس ہوا۔

"اتنا وقت گزر گیا۔ مجھے اٹھایا کیوں نہیں۔" وہ ان کی طرف بڑھتے اور منہ بسور کر بولا۔ تو سفینہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

"دادو اس وقت لالہ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ بیٹھے بٹھائے اتنی اچھی لڑکی مل گئی ناں اس لیے اب خواہ مخواہ ہمیں ایٹی ٹیوڈ دکھا رہے ہیں۔ جتنا آپ پیچھے پڑیں گی ناں اتنا ہی ان کا مزاج بلند ہوگا۔ عفاف سے میری بات ہوئی ہے۔ سب ٹھیک ہے وہ بھی خوش ہے۔" عروش نے سفینہ کو وارن کیا، مبین نیازی کا یہ رویہ یہ حالت ان کو بہت پریشانی سے دوچار کر رہی تھی تو عروش نے دور ہونے کے باوجود سفینہ کو سمجھایا تھا اور دل پر پتھر رکھ کر انہوں نے مبین نیازی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ سارا دن گزر گیا تھا۔ سفینہ کتنی دفعہ اس کے کمرے کے دروازے سے واپس پلٹ چکی تھیں۔

"دادو..... لالہ کو خود احساس ہونے دیں، بار بار دلایا جانے والا احساس نہ تو پائیدار ہوتا ہے اور نہ ہی دیرپا..... اس لیے دادو، لالہ کو چھوڑ دیں ان کے حال پر..... انہیں خود احساس ہوگا تو خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔" جب بھی وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھیں عروش کی تنبیہ نے انہیں پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

"دادو کیا ہوا؟" سفینہ نے کوئی جواب نہ دیا بس کھڑی اس کو دیکھے جا رہی تھیں کہ مبین نیازی ان کے قریب آ رکا۔ اور ان کو کندھے سے ہلایا۔

"ہونا کیا ہے بیٹا بس پورا دن مصروف رہی تو وقت ہی نہیں ملا۔ اور پھر کبھی کبھی تمہیں موقع ملتا ہے آرام کرنے کا۔ اس لیے بھی میں نے ڈسٹرب نہیں کیا کہ اچھا ہے نیند پوری کر لو۔" سفینہ نے اس کے گال کو تھپتھپا کر کہا تو مبین نیازی کھسیانا سا ہنس دیا۔

"اور ہاں ....." سفینہ واپس پلٹتے ہوئے پھر بولنے لگیں۔

"احسن ندیم کی کال آئی تھی وہ آ رہے ہیں شاید کچھ دیر تک پہنچ جائیں گے۔ تم بھی اب ذرا اپنا حلیہ درست کر لو۔ دیکھو تو کیا حالت ہے یہ نہ ہو احسن ندیم تمہیں دیکھتے ہی انکار کر دیں۔" سفینہ نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔ تو مبین نیازی نے خاموش نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ اور اگلے لمحے پلٹ کر واپس چلا گیا اور سفینہ دوبارہ کچن کے کام میں لگ گئیں۔

☆☆☆

"عفاف بھی آ جاتی تو اچھا ہوتا۔" احسن ندیم کو اکیلے دیکھ کر سفینہ نے کہا۔

"ہاں ماں جی آنا تو تھا اسے لیکن آپ تو جانتی ہیں بچیاں ایسے موقعوں پر اپنا اعتماد دکھو دیتی ہیں۔" احسن ندیم نے سہولت سے ان کو عفاف کے نہ آنے کا بتایا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ عفاف ماشاء اللہ بہت اچھی بیٹی ہے۔ مجھے بہت سہارا ہے اس کا۔ جب سے عروش یو کے گئی ہے عفاف باقاعدگی سے میری خبر گیری کے لیے آ رہی ہے۔ اپنی جاب اور انسٹیٹیوٹ کی وجہ سے نہ آ سکے تو فون پر تو لازمی رابطہ کرتی ہے۔" سفینہ نے کھلے دل سے عفاف کی تعریف کی اور کن انکھیوں سے مبین کو دیکھا جو پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

جبکہ احسن ندیم کا بیٹی کی تعریف پر سیروں خون بڑھ چکا تھا۔

اور پھر احسن ندیم جو پروگرام بنا کر آئے تھے وہ سارا سفینہ اور مبین نیازی کو بتایا۔ ثمن سے بات کروائی

عدی سے بھی رابطہ ہوا۔ لیکن روبرو ہو کر ایک دوسرے سے جان پہچان ہونے کے بعد فیصلہ کرنے میں زیادہ آسانی ہوتی ہے۔ اس لیے انہوں نے احسن ندیم سے وقت مانگ کر ثمن اور عدی کے پاکستان آ جانے والے پروگرام کو سراہا تھا۔ احسن ندیم نے بھی ہامی بھر لی اور مبین نیازی کی ہی ذمہ داری لگا دی کہ ثمن اور عروش کی ٹکٹ کنفرم کروا دیں جبکہ عدی کو کہا گیا کہ وہ نیویارک سے سیدھا پاکستان ہی آ جائے..... احسن ندیم یہ معاملات طے کر کے واپس چلے گئے تھے۔

"آپ نے عروش سے بات کی ہے؟" مبین نیازی، احسن ندیم کو دروازے تک چھوڑ کر واپس آئے تو سفینہ کے متفکرانہ تاثرات کو دیکھ ان سے پوچھا۔

"ہاں بات ہوئی تھی۔ ثمن کی بہت تعریف کر رہی تھی اور احسن ندیم کی بھی۔" سفینہ نے اسے بتایا۔

"اور عدی کے حوالے سے بات کی اس سے؟ اس رشتے کے لیے اس کی مرضی پوچھی؟" مبین نیازی سفینہ سے معلومات لے رہا تھا۔

"ہاں پوچھا تھا۔"

"تو کیا جواب دیا عروش نے؟" مبین نیازی نے یک لخت پوچھا۔

"یہی کہا تھا کہ لالہ اور آپ جو فیصلہ کرو گے وہ منظور ہوگا۔" سفینہ نے عروش کے الفاظ دہرائے تھے۔

"تو آپ کی کیا مرضی ہے؟ میری عدی سے بات ہوتی رہتی ہے۔ بظاہر ایک اچھا لڑکا ہے۔ لیکن وہی بات کہ آمنے سامنے اور یوں فون پر بات کرنا دونوں میں بہت فرق ہے۔ اگر وہ آ جاتے ہیں تو میرا خیال ہے اس رشتے کے لیے ہامی بھرنے میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔" مبین نیازی نے ان سے پوچھا اور اپنی رضا سے ان کو آگاہ کر دیا۔ تو سفینہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

احسن ندیم کو اپنی سیٹ کی ڈیٹ آگے کرنا پڑی تین دن بعد عروش اور ثمن کی ٹکٹیں کنفرم ہو چکی تھیں اور ان سے دو دن بعد عدی بھی پاکستان پہنچ رہا تھا۔

کچھ فیصلے چند لمحوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ قسمت ایسے کھیل کھیلتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ عروش یو کے گئی کیوں تھی اور واپس کس مقصد کے لیے آ رہی ہے یہ ایک انتہائی حیران کن بات تھی۔ ہمارے فیصلے قسمت کے آگے بے بس ہو جاتے ہیں۔ آسمان پر بنی جوڑیوں کا زمین پر ملن ہونے کا کوئی نہ کوئی سبب تو بننا ہی ہوتا ہے ناں۔ ملاقاتوں کا مقصد تو سامنے آنا ہوتا ہی ہے ناں۔

محض چند دن اور پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ منسوب ہو جائیں گے۔ ایک ایسے رشتے میں بندھ جائیں گے جو ایک پاکیزہ رشتہ ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تخلیق کیا تھا..... جس رشتے کو مضبوط بنانے کے لیے سینکڑوں آیات بھی اتار دیں..... میاں بیوی کا رشتہ..... جتنا مضبوط رشتہ ہے اس سے کئی گنا زیادہ کچا بھی ہے۔ ایک ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ اگر ٹوٹ جائے تو نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے، نسلوں کو تباہی سے بچانے کے لیے اس رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے اللہ کی طرف سے بہت سی ہدایات بھی ملی ہیں..... بہت سے گُر بھی سکھائے گئے ہیں۔ بہت ساری محبت بھی دلوں میں انڈیل دی گئی ہے۔

جہاں دو دل اس ملن پر خوشی سے جھوم رہے تھے وہاں دو دل بے چین بھی تھے..... جہاں دو دل ملاقات کے متمنی تھے وہاں دو دل ایک دوسرے سے کترا رہے تھے۔

مبین نیازی اور عفاف کے لیے یہ لمحات زندگی کے مشکل ترین لمحات تھے۔

عدی احسن اور عروش نیازی کے لیے یہ پل گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ وصل کی گھڑیوں کو قریب لانا چاہتے تھے۔

لیکن..... انتظار تو کرنا ہی تھا..... ایک دل نشین انتظار جس کے بعد محبت کو منزل مل جانا یقینی تھا۔

☆☆☆

ڈائری کا وہ صفحہ جس کو اس نے تفتیشی نگاہوں سے دیکھ کر واپس رکھ دیا تھا۔ آج اس کی آنکھوں کے سامنے پھڑ پھڑا رہا تھا۔

دلوں کو کریدنے پر، کھر چنے پر وہاں لکھے لفظ ''دل آویز'' نے اس کو ایک الجھن کا شکار کیا تھا...... اس کی سوچوں کو منتشر کیا تھا۔ بے کلی کو رگ وپے میں اتار دیا تھا۔

کچھ خیال ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا لیکن جب وارد ہوتے ہیں تو بے چینیوں کو حد سے سوا کر کے کہیں اندر اتر جاتے ہیں۔ پھر نہ تو وہ کہیں نظر آتے ہیں، نہ اوجھل ہوتے ہیں۔

عفاف بھی ایک ایسے ہی خیال کی پکڑ میں آ چکی تھی، جکڑ چکی تھی۔

وہ جاننا چاہ رہی تھی۔ مبین نیازی کی زندگی میں دل آویز کہاں تھی؟

عفاف اپنے آفس میں بیٹھی مسلسل اضطراب کا شکار ہو رہی تھی۔ مبین نیازی نے نہ تو اس کے میسج کا جواب دیا تھا نہ کوئی کانٹیکٹ کیا تھا۔ ایسے میں عفاف کا بے چین ہونا ایک فطری عمل تھا۔

دوسری طرف اس کے فیصلے نے ہر اک ـــــ کو اطمینان اور خوشی بخشی تھی۔ اس نے سنا تھا کہ اصل خوشی وہی ہوتی ہے جو دوسروں کو خوش کر دے۔ لیکن پھر عفاف، دوسروں کو خوشی دے کر خوش کیوں نہیں ہو رہی تھی۔ کیوں بار بار اس کی نظروں کے سامنے مبین نیازی کی ڈائری کا وہ صفحہ آ رہا تھا۔

کیوں اس کو لگ رہا تھا کہ اس ڈائری کے صفحے پر لکھے اس ایک لفظ میں ایک داستان بھی درج ہے...... ؟ مسلسل سوچ اور اضطراب نے اس کو نڈھال کر دیا تھا......

اور ابھی تو بہت سارے کام بھی باقی تھے۔ ثمن اور عدی کے آتے ہی ان دونوں کی رسم ادا کرنے کا پروگرام فائنل ہو چکا تھا۔ اور وہ تھی کہ ایک لمحے کا بھی قرار میسر نہ تھا۔

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا...... اور یک دم گھبرا گئی۔

''وہ مجھے اچھی لگی تھی۔ بہت اچھی...... قبضہ جما لیا اس نے یہاں''۔ مبین نیازی نے سینے پر ہاتھ رکھا تھا...... ایک اقرار کیا تھا...... اور وہ اس کے اقرار کو فراموش کر چکی تھی۔

''عفاف اتنی لاپروائی؟ اتنی غائب دماغی؟ ایسی کوتاہی کیسے سرزد ہو گئی۔ مسلسل سوچ نے یہ اچھا کام کیا کہ عفاف کی یادداشت لوٹا دی...... مبین نیازی کی وہ باتیں جن کو وہ کبھی اہمیت نہ دیتی تھی آج اس کے سامنے ناچتی اپنے ہونے کا یقین دلا رہی تھیں۔

وہ باتیں جو اس کے ذہن سے محو ہو چکی تھیں وہ ساری باتیں اس وقت عفاف کو یاد آ چکی تھیں۔

''دل آویز......'' ڈائری کے صفحے پر لکھا یہ نام کبھی اس کے لیے اہم نہ ہوا تھا۔ مبین نیازی کے رویے نے اس لفظ کو ''بولڈ...... کیپٹل'' رائٹنگ میں اس کے سامنے کیا تھا۔ چاہنے کے باوجود بھی وہ اس سے نظریں نہ چرا پا رہی تھی۔

''جی بابا جانی......'' سوچیں طویل تر ہوتی جا رہی تھیں کہ احسن ندیم کی کال نے اس کو چونک دیا۔

''بابا جانی آپ کھانا کھا لیں۔ میں تھوڑا لیٹ ہو جاؤں گی۔'' اس نے عجلت میں کہا اور فون بند کر دیا۔

''مبین نیازی''۔ وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''ایک میٹنگ ضرور ہے مبین نیازی......'' وہ پھر خود کلامی کرنے لگی تھی۔ اور ساتھ ہی مبین نیازی کو میسج کیا۔

''مسٹر نیازی مجھے آپ سے ملنا ہے۔''

''کیا واقعی......؟''

''ہاں......''

''اوکے...... آپ وقت بتا دیں۔''

''ابھی......''

''ابھی......؟ ابھی میں بزی ہوں رابطہ کرتا ہوں فری ہو کر......'' کیا یہ انا تھی؟ وہ سمجھ کر بھی نہ

سمجھی۔

''اوکے...... انتظار رہے گا۔''

''بائے......''

''بائے...... ٹیک کیئر۔''

اس نے دو لفظوں کا اضافہ کیا تھا۔ لاشعوری طور پر بنا سوچے۔ لیکن دوسری اسکرین پر ٹیک کیئر کو بغور دیکھا گیا تھا۔

☆☆☆

چھلکے ہوئے تھے جام، پریشاں تھی زلف یار
کچھ ایسے حادثات سے گھبرا کے پی گیا......!

بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہوا بھی تیز تھی۔ گاڑی کے خواب ناک ماحول میں نصرت فتح علی خان کی آواز گونج رہی تھی۔

میں آدمی ہوں کوئی فرشتہ نہیں حضور
میں آج اپنی ذات سے گھبرا کے پی گیا

مبین نیازی آفس میں موجود نہ تھا ورنہ اس کی ملنے کی خواہش پر سر کے بل بھاگ کے آتا مگر وہ کہیں باہر تھا اور اب وہ عفاف کے آفس کی طرف جا رہا تھا، اپنے اضطراب سے چھٹکارا پانے کے لیے۔

کانٹے تو خیر کانٹے ہیں، ان سے گلہ ہی کیا
پھولوں کی واردات سے گھبرا کے پی گیا

مبین نیازی نے ہاتھ بڑھا کر سی ڈی پلیئر آف کر دیا۔ نجانے کیوں وہ گھبرا رہا تھا۔ وہ سوالات جن کے اس کو جواب چاہیے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سوال اب بے معنی ہو گئے ہیں۔ فیصلہ تو ہو گیا تھا ناں؟ اور عفاف نے اس کی زندگی میں ایسے ہی داخل ہونا تھا۔

''تو مبین نیازی اب؟ کیا تم اب اس سے کچھ نہ پوچھو گے؟ اسے کچھ نہ بتاؤ گے؟''

سوال بے معنی ہو گئے ہوں گے لیکن محبت کبھی بے معنی نہیں ہوتی۔ جاؤ تم۔ عفاف تمہاری منتظر ہے...... سارے وسوسے، سارے وہم نکال دینا آج...... سرخرو ہو کر لوٹنا...... کوئی تشنگی کوئی اضطراب باقی نہ رکھنا......''

مبین نیازی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

''ٹھک ٹھک......'' دستک دی۔

''کم ان......'' اجازت مل گئی تھی...... اور وہ کمرے میں داخل ہوا تو عفاف نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا...... اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

مبین نیازی کے قدم اس کی جانب بڑھے، تو اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔

☆☆☆

''اچھا سنو......'' بات کرتے کرتے اچانک اسے یاد آیا۔

''ممی کو بتا دینا کہ میری سیٹ کنفرم ہو گئی ہے اور میں جمعرات کو پاکستان پہنچ جاؤں گا۔''

''میں ڈاکیا نہیں ہوں جو پیغامات پہنچاتی پھروں، اپنے کام خود کریں۔'' اس کا تیکھا لہجہ اس کو مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

''میرے کام تو اب تمہیں ہی کرنے ہیں ناں۔'' عدی نے اسے چھیڑا تھا۔

''کیوں میں نوکرانی ہوں کیا۔'' عروش جھنجلا کر بولی۔

''ویسے یہ کام بیویوں کے بھی ہوتے ہیں۔'' عدی کی سرگوشی اسے سٹپٹا گئی۔

''مجھے پیکنگ کرنی ہے۔ اللہ حافظ۔'' عروش نے اگلے پل کہا۔

''سنو...... سنو تو......'' اس سے پہلے کہ عروش فون بند کرتی، عدی چلایا۔

''تمہارے لیے ایک نیوز ہے۔'' کچھ دیر وہ کچھ نہ بولی تو عدی پھر گویا ہوا۔

''وہ کیا؟'' عروش نے استفسار کیا۔

''تمہارے لالہ اور دادو نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔'' عدی نے اپنے تئیں اس کو بریکنگ نیوز سنائی تھی۔

''تمہارے لالہ؟ کا کیا مطلب ہوا۔ کیا لالہ آپ کے کچھ نہیں لگتے۔'' عروش نے ''نیوز'' کے جوش کو درگزر کر کے ایک بار پھر تیکھا لہجہ اپنایا تھا۔

''سالے صاحب۔'' عدی زور سے ہنسا تھا۔

"جی نہیں۔" عروش نے تیز لہجے میں کہا۔
"ہاہاہا..... یہ بعد میں طے کرلیں گے، فی الحال تو میرے حق میں دیے گئے فیصلہ اس خوش فہمی کو انجوائے کرنے دو۔" عدی نے مسرور لہجے میں کہا۔
"مجھ تک ابھی ایسی کوئی بریکنگ نیوز نہیں پہنچی۔ اس لیے آپ انجوائے کرو، میں ذرا پیکنگ کرلوں۔" عروش اب اسے تنگ کرنے لگی تھی۔
"ایک شرط پر تم اپنا کام کرسکتی ہو۔" عدی نے لب دبا کر اپنی مسکراہٹ کو روک کر کہا۔
"شرط؟ کیسی شرط؟ کون سی شرط؟" عروش نے تیزی سے پوچھا۔
"لالہ اور دادو کا فیصلہ سب سے پہلے مجھے بتاؤ گی اور سیلیبریٹ بھی کرو گی۔" عدی کی شرط پر عروش کی دھڑکن منتشر ہوئی تھیں۔
"فیصلہ سیلیبریٹ کرنے والا نہ ہوا تو؟" عروش نے مسکراہٹ دبائی۔
"تو..... تو میرے آنسو صاف کرنے آجانا۔" برجستہ جواب اس کو کھلکھلانے پر مجبور کر گیا۔
"تمہاری ہنسی بہت پیاری ہے۔" عدی اس جلترنگ سی ہنسی میں کھونے لگا تھا۔ بے اختیار بولا۔
"شکریہ جناب....." یک دم اس کی ہنسی رک گئی تھی۔
"شرط منظور کرلو ناں۔" لہجے میں ایک التجا تھی۔
"اوکے پہلے آپ کو بتا دوں گی۔" عروش نے جھجکتے ہوئے شرط کا پہلا حصہ منظور کرلیا۔
"اور سیلیبریشن.....؟" عدی کہاں سیر ہوا تھا۔
"جب فیصلہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے گا تو سیلیبریشن بنتی۔" عروش ہنسی تھی۔ اور عدی اس کی ذہانت پر اس کا قائل ہوا تھا۔
"نامنظور....." عدی نے پھر منہ بسورا تھا۔
"مجھے پیکنگ کرنی ہے ناں۔" عروش نے قدرے روہانسا انداز اپنایا تھا۔
"پیکنگ مجھ سے زیادہ اہم ہے کیا؟" عدی روٹھ رہا تھا۔
"پیکنگ میں اور آپ میں تو کوئی موازنہ ہی نہیں ہے۔"
"پھر پیکنگ کو مجھ پر فوقیت کیوں دے رہی ہو۔" عدی کا انداز ضدی تھا۔
"فوقیت نہیں دے رہی۔" عروش سمجھ چکی تھی کہ عدی کو کسی اور طرف اس کی توجہ سے الجھن ہوتی ہے اور اسے اب یوں ہی اس کو اہمیت دیتے رہنا پڑا کرے گا۔
"اچھا کرلو پیکنگ۔ اب کال نہیں کرسکوں گا۔ ان شاء اللہ اب ملاقات ہوگی۔" عدی نے اس کو مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔
"ان شاء اللہ۔" عروش زیر لب بولی۔
"اپنا خیال رکھنا..... اور وعدہ بھی یاد رکھنا۔" عدی کا انداز کیئرنگ تھا۔
"کون سا وعدہ.....؟" عروش نے چونک کر پوچھا۔
"یاد ہی نہ رکھ لو، ابھی بھول گئیں۔" عدی چڑا تھا۔
"سوری..... وعدہ یاد رکھوں گی۔" عروش کو یک دم یاد آ گیا۔
"آپ بھی اپنا خیال رکھنا....." عروش نے شرمگین لہجے میں کہا تو عدی سرشار ہوگیا۔
"کس کے لیے؟" دوسرے پل وہ پھر اسے چھیڑنے لگا تھا۔
"اپنے چاہنے والوں کے لیے۔" عدی لفظوں کے ہیر پھیر سے اس سے اقرار محبت کروا رہا تھا۔
"آپ بہت خاص ہیں، قیمتی ہیں۔ اپنا خیال رکھنا۔" عروش نے وہی کہا جو وہ سننا چاہ رہا تھا اور فون بند کردیا۔ عدی نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ اسکرین کو دیکھا تھا..... اور مطمئن و مسرور ہو کر دوستوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اب انتظار میں ایک لذت شامل ہوچکی تھی۔

☆☆☆

آج کتنے دنوں بعد وہ اس کے روبرو تھی۔
کتنے دنوں بعد..... مبین نیازی نے اس کی جھکی پلکوں کو دیکھا تھا۔ سادہ حسن، دلکش انداز یقیناً اس کو زیر کرنے کی سکت رکھتا تھا۔
وہ دونوں ہتھیلیوں کو میز پر ٹکائے کھڑی تھی۔ مبین نیازی اس کے بالکل سامنے والی کرسی کی پشت کو تھامے کھڑا اس کو دیکھے جا رہا تھا۔
ایک احساس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ "زندگی اس کے ساتھ گزرے گی۔" مبین نیازی نے گہری سانس لی۔ اسی لمحے عفاف نے بھی اسے دیکھا تھا۔
"کیا میں بیٹھ جاؤں.....؟" مبین نیازی نے مدھم مسکان کے ساتھ اس سے پوچھا۔
"جی....." عفاف نے فقط اتنا کہا۔
"آپ بھی بیٹھیں مس عفاف۔" مبین نیازی نے بیٹھنے کے بعد عفاف سے کہا جو ابھی تک ویسے ہی کھڑی تھی ——— عفاف نے ایک نظر اس کو دیکھا اور بیٹھ گئی۔ اور پھر ایک طویل خاموشی ان کے درمیان حائل ہوگئی۔
لاکھ اس سے متنفر سہی، لاکھ لاتعلقی سہی..... لیکن اس لمحے ان کے درمیان اس رشتے کا اثر موجود تھا جس میں وہ بندھے جا چکے تھے۔ ایک جھجک، ایک شرم ان کے درمیان موجود تھی۔
عفاف نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن آواز نے ساتھ نہ دیا۔ مبین نیازی بھی، شش و پنج میں مبتلا تھے۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا ——— ردعمل کیسا ہونا چاہیے؟ کرخت، سپاٹ یا پھر مسکراتا ہوا دلکش؟
"آپ چائے لیں گے یا کافی؟" وہ بھی شاید اس خاموشی سے اکتا چکی تھی، یوں اس کے سامنے بیٹھنا اب معیوب لگ رہا تھا، بھی خاموشی کو توڑا تھا۔
"تم نے اس رشتے کے لیے ہامی کیوں بھری؟" مبین نیازی کو چائے یا کافی کی طلب نہ تھی۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کیا۔ اور اب وہ اپنے اصل مقصد کی طرف بڑھنے لگا تھا۔
"بابا جانی کی خواہش تھی..... میں بابا جانی کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔" عفاف بے انتہا مدھم آواز میں بولی۔ تو مبین نیازی چند پل یک ٹک اس کو دیکھتا رہا۔ یوں لگا جیسے اس کے الفاظ کی سچائی اس کے چہرے پر تلاش کر رہا ہوں۔
"تم خوش ہو اس فیصلے سے؟" مبین نیازی نے پھر پوچھا۔
"میں خوش ہوں....." عفاف نے ان تین لفظوں کو تین سانسوں میں بیان کیا تھا۔
"دل آویز....." مبین نیازی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے ایک دم اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔
"دل آویز۔" وہ پھر بولا۔ مبین کے الفاظ پر اس کے چہرے کے تاثرات میں ایک بھونچال آیا تھا..... اس کی زرد رنگت پسینے سے شرابور ہونے لگی تھی۔ "میری محبت تھی دل آویز..... میری چاہت میرا دکھ بھی۔" مبین نیازی میں ایک ہمت آ چکی تھی۔ اب وہ بولنے لگا تھا۔ ہاتھ مروڑتے ہوئے وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔
"دل آویز سے عفاف تک کا سفر کیوں طے کیا؟ کیسے طے کیا؟" اس نے نظریں اٹھائیں..... دھواں دھواں چہرے پر وہ نگاہیں۔ ان میں جھانکتی ایک بے بسی، ایک تشنگی..... ایک حسرت نجانے کیا کیا مچل رہا تھا..... مبین نیازی کے لیے ان نگاہوں کا سامنا کرنے کی سکت نہ تھی لیکن وہ پلکیں جھپکا بھی نہ پا رہے تھے۔
"میں سمجھتی تھی آپ دل آویز کو بھول گئے ہیں۔ انکار کے بعد آپ کے دل سے اس کا خیال نکل گیا ہے۔" وہ بولی تو مبین نیازی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ انداز میں ایک بے یقینی تھی۔ "اور میں بھی وہ سب..... آپ کو فراموش کر چکی تھی۔"
"کیا محبت کو بھلایا جا سکتا ہے؟" مبین نیازی نے سوال کیا۔ تو اس نے نفی میں سر ہلایا..... ایک بار پھر آفس کے ماحول میں ایک اجنبیت اُمڈ آئی تھی۔
دونوں کے درمیان ایک سرد مہری حائل تھی۔

ان کا تعلق، لاتعلقی میں جکڑا ہوا تھا۔ کوئی گرم جوشی نہ تھی اس ملاقات میں ..... سوالوں کو لب کشائی کے لیے مناسب الفاظ میسر نہ آ رہے تھے ..... الجھنیں بھی تھیں ..... محبت بھی اور ایک کھنچاؤ بھی۔

"دل آویز ..... اب کہیں نہیں ہے مسٹر نیازی۔"

"مبین تم مجھے مبین کہو۔" اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات جاری رکھتی مبین نے اسے ٹوک دیا۔ "میں کبھی بھی نہیں چاہتا تھا کہ تم زبردستی میری زندگی میں شامل ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی محبت سے جیتنا چاہا ہے۔ میری خواہش تھی کہ میری محبت تمہیں میرا بنائے۔" وہ لب بھینچے پھر خاموش ہوگئی تو مبین نیازی بولا۔

"دل آویز مر چکی ہے۔ عفاف پر زبردستی نہیں کی گئی۔ بابا جان اور ممی کا فیصلہ مجھے دل و جان سے قبول ہے۔" وہ سر جھکائے مدھم آواز میں بول رہی تھی۔

"دل آویز کبھی مر نہیں سکتی۔" مبین نیازی نے اس کے جھکے سر کو بغور دیکھا تھا۔ تو وہ چاہنے کے باوجود بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھ نہ سکی۔

"میں کیسے کہوں، کیسے بتاؤں کہ ..... دل آویز مر چکی ہے۔ محبت نے اسے مار دیا ہے۔" اس کی نظریں میز پر جمی تھیں۔ خود کلامی کو لب کشائی میسر نہ تھی۔

"تو دل آویز ..... بتاؤ مجھے میری محبت کا اور امتحان مت لو۔ تم نہیں جانتیں میں کس اذیت سے دوچار رہا ہوں۔ تم میرے سامنے رہیں، میری ساتھ ..... میرے پاس اتنا بھی اختیار نہ تھا کہ میں تمہیں دیکھ سکتا ..... تم اس ہاں کے لیے مجبور ہوئی ہو یا میری محبت جیتی ہے؟ سچ بولنا۔" مبین نیازی کے سوالوں نے اسے حیرت سے دوچار کیا تھا۔ وہ مبین کے سوالوں کی نوعیت پر حیران تھی۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ دل آویز آپ کو یاد ہے۔ اس وقت تک اس بات سے بے خبر تھی جب تک آپ کے آفس کی دراز میں رکھی ڈائری پر یہ نام لکھا نہ دیکھا ..... وہاں لکھے اس نام نے ماضی کے پنوں کو میرے سامنے کیا۔ تب میں نے جانا کہ کہیں پر دل آویز کا ایک مقام تعین ہو چکا ہے۔" وہ مدھم، اپنے مخصوص ٹھہرے لہجے میں مبین نیازی کو بتانے لگی۔ ایک حقیقت تھی جس کا وہ آج اقرار کر رہی تھی۔ اور وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھے اسے سنے جا رہا تھا۔

"میں بارہا بہت الجھن کا شکار ہوئی ..... آپ میرے لیے قطعی اجنبی تھے، یہ بات میرے لیے انتہائی حیران کن تھی کہ اگر آپ دل آویز کو یاد رکھے ہوئے ہیں تو اس بات کا کبھی کوئی حوالہ کیوں نہ دیا؟" دل آویز نے ہاتھ مروڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ مبین نیازی مسلسل خاموش۔ اب وہ بھی خاموش ہو چکی تھی۔ شاید اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"یہ ایک فیصلہ ہوا جو آپ کے حق میں تھا۔" مبین نیازی کچھ نہ بولا تو وہ دوبارہ گویا ہوئی۔ "اور میں نے اس فیصلے کو قبول کیا ہے ..... اور یہ آپ کی محبت ہی کی جیت ہے کہ بہرحال فیصلہ آپ کے حق میں ہوا ہے۔" عفاف نے جھجکتے ہوئے کہا۔

مبین نے اسے دیکھا۔ اس کے دلکش چہرے پر ایک الجھن انتہائی واضح تھی۔ چند پل بیت گئے، وہ مسلسل خاموش۔ ایک گہری سوچ نے مبین نیازی کو جکڑ رکھا تھا۔ یہ پل اس کے لیے خوشی کے ہونے چاہیے تھے۔ اطمینان بھرے تو تھے۔ لیکن ایک کمی بھی تھی۔ بہت سے سوال ابھی تک ان کہے تھے۔

"آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ کبھی دل آویز کو نہ پکارا۔" الجھن کا شکار تو وہ بھی تھی۔ سوال تو اس کے پاس بھی تھے۔ مبین نیازی نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ یہ شکایت تھی یا دکھ؟ وہ سمجھ نہ پایا۔

"شاید آپ کی طرف سے یہ انجانا پن میرے گریز کی بدولت تھا۔" مبین نیازی ایک خوش فہمی میں مبتلا ہونے ہی لگا تھا کہ اس نے اپنی الجھن کو خود ہی سلجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ دوبارہ میرے رستے میں نہ آئیں۔" مبین نیازی بولا تو دل آویز عفاف نے چونک کر دیکھا۔

"تمہارا ہر اک لفظ مجھے ازبر ہے اور تمہاری خوشی میرے لیے مقدم۔" مبین نیازی آہستگی سے بولا ـــ عفاف کے چہرے پر اس لمحے ایک کرب جھلک رہا تھا، پشیمانی کی سلوٹیں اس کی صبیح پیشانی پر واضح تھیں۔ ایک پرانے حوالے پر وہ چونکی۔ عفاف اب ـــ لفظوں کو ترتیب دینے لگی۔ اسے بتانے لگی تھی کہ کیوں وہ اب دل آویز نہیں رہی۔ کیسے اس نے محبت کی چوٹ کو سہا۔

"میں عفاف کو نہیں جانتا تھا۔ میں دل آویز سے محبت کرتا تھا۔ تم یہاں جب میرے سامنے آئیں تو ایک الگ تعارف سے۔ ایک الگ پہچان لے کر ..... تم عروش کی دوست تھیں۔ میری محبت میرا راز، میں ہر اک سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ محبت کا دکھ اکیلے سہنا پڑتا ہے۔ اگر تمہارے رویے میں لچک ہوتی تو میں ..... بھی محبت کو سرعام کر دیتا ..... نہ تم نے مجھے پہچانا، نہ میں نے تمہیں۔" مبین نیازی نے پچھلے برسوں کی اپنی لاتعلقی اور اجنبیت کی وضاحت دی۔ عفاف ابھی تک اپنے اندر کی ایک جنگ میں مبتلا تھی۔

"ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے کترا رہے تھے۔" مبین اس کے پرسوچ چہرے کو دیکھ کر بولا۔

"تمہارے لہجے میں کڑواہٹ تھی اور میرے میں پہچان کا ایک تاثر ....." مبین نیازی کے لہجے میں ایک شکایت تھی۔ "تمہارا یہ روپ میرے لیے نیا تھا۔ اجنبی تھا۔ تم کو میں نے دل آویز کے روپ میں چاہا تھا۔ چاہتا ہوں۔ وہ کھنکھناتی آواز، وہ دلکش انداز ..... وہ الہڑ لہجے والی دل آویز۔" مبین نیازی کے انکشافات اسے حیران کرنے کے درپے تھے۔

"مجھے وہ دل آویز واپس چاہیے جس سے میں نے محبت کی ہے۔ وہی شوخی، وہی ہنسی، وہی تیکھے انداز ....." مبین نے اس کی الجھن کو بھانپ لیا تھا۔ اور اسی کو زائل کرنے کی کوشش میں بشاش لہجے میں کہا۔ دل آویز عفاف نے اسے دیکھا۔ اور اس کے اس لمحے کے تاثرات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا کوئی الجھن اتنی آسانی سے بنا کوئی صفائی دیے دور ہو سکتی ہے؟" اس نے مبین نیازی سے سوال کیا تھا۔ وہ سمجھ گیا، جانتا تھا کہ وہ کیا پوچھ رہی ہے کیا کہنا چاہ رہی ہے۔

عفاف نے تو کوئی صفائی دی ہی نہیں، کوئی وجہ بتائی ہی نہیں۔ نہ اپنے رویے کی، نہ اسے ٹھکرانے کی، نہ دل آویز کے مر جانے کی۔ پھر مبین نیازی کیسے مطمئن ہو گیا۔

"اتنی آسانی سے تو نہیں لیکن الجھن دور ہو سکتی ہے۔" مبین نیازی مدھم مسکان کے ساتھ بولا۔ تو دل آویز نے حیرانی اسے دیکھا۔

"میں آپ کو اپنے بارے میں سب بتانا چاہتی ہوں۔" اس کی جھکی نگاہوں کے ساتھ مدھم آواز مبین نیازی کی سماعت سے ٹکرائی۔ لب بھینچ کر اس نے اسے دیکھا۔ ایک رنگ آ کر اس کے چہرے پر سے بھی گزر گیا۔

"محبت کو اتنا سطحی نہیں ہونا چاہیے کہ محبوب کو ہر بات ـ لفظوں میں بیان کرنا ضروری ہو جائے۔" مبین نیازی اس پر رکا تو عفاف نے متعجب نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"میرے لیے تمہارے انکار کی نہیں اقرار کی وجہ جاننا ضروری ہے۔ میری محبت یک طرفہ محبت ہے۔ میں اس بات کو مانتا بھی ہوں اور جانتا بھی ہوں۔ محبت زبردستی نہیں ہوتی ..... محبت میں اتنی شدت ہونی چاہیے کہ محبوب کھنچا چلا آئے۔ دعاؤں میں اتنی سچائی اور اتنی شدت ہونی چاہیے کہ قسمت کے فیصلے بدل جائیں۔" مبین نیازی کے لہجے میں سچائی اور جذبوں میں ایک شدت واضح ہو رہی تھی۔

"میں بار بار تمہارے رستے میں آتا تو تمہیں مجھ سے محبت ہو جاتی کیا؟ محبت ہر پل نظروں کے سامنے رہنے کا نام نہیں ہے۔ اس کے لیے دل میں

ایک مقام بنانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی مرضی، اس کی رضا ضروری ہوتی ہے۔ تمہارے لیے میری موجودگی ضروری نہیں تھی۔ میری محبت تمہیں نہیں چاہیے تھی...... اس سے پہلے کہ میری محبت، میری موجودگی، میرا اصرار تمہارے لیے قابل نفرت ہو جائے۔ میں تمہیں چھوڑ کر تمہارے رستے سے ہٹ گیا۔ تمہیں موقع دیا کہ جو تمہاری خواہش ہے تم اسے پالو...... اور میں یک طرفہ محبت کی بھٹی میں جلنے کڑھنے لگا...... سلگنے لگا۔'' مبین نیازی کی باتوں نے عفاف کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کیا تھا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مبین نیازی اس سے اس حد تک باخبر ہے۔

''میں چاہتا تو بہت پہلے تم میری زندگی میں آ چکی ہوتیں...... لیکن میری محبت میں لین دین نہیں ہے۔ نہ ہی زبردستی کا اصول ہے۔'' مبین کی باتوں نے اس لمحے اس کے اوسان خطا کر دیے تھے۔

دل آویز نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے تھے لیکن مبین نے اس کو بولنے کا موقع نہیں دیا۔

''اب کسی قسم کی پریشانی یا پشیمانی کی ضرورت نہیں ہے دل۔'' مبین نیازی اس کی طرف بڑھا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے قریب آتا عفاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے انداز میں ایک خاص تاثر در آیا تھا۔ آنکھوں کی مقناطیست نے عفاف کو شپٹا دیا تھا۔

''آج تم مجھے ''دل'' کہنے سے نہیں روک سکتیں۔'' مبین نیازی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ عفاف نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''دل...... لیکن...... دل آویز تو......''

''اوں ہوں......'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن مبین نیازی نے اسے روک دیا۔

''اسے میں تلاش کر لوں گا...... دل آویز زندہ ہے یہاں۔'' مبین نے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ ''محبت کبھی محبت کو روپوش نہیں ہونے دیتی، مرنے نہیں دیتی۔'' مبین نیازی پرجوش تھا۔ پرعزم تھا...... دل آویز عفاف نے اسے دیکھا...... اور ایک مدھم، آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا دیا۔

''کیا ہوا دل......'' مبین نیازی کا لہجہ اس کی محبت کی سرشاری سے مخمور تھا۔

''کوئی پریشانی ہے کیا؟'' اس کی خاموشی پر مبین نے اس کو گہری نگاہوں سے دیکھ کر اس سے پوچھا۔ تو غائب دماغی کی سی کیفیت میں مبتلا عفاف نے نفی میں سر ہلایا۔

''کوئی الجھن......'' اس کے ہاتھ میں دبے اس کے ہاتھ پر دباؤ بڑھا تھا۔ اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

''تم خوش ہو ناں؟......'' مبین نیازی نے اس کی حواس باختہ صورت کو نگاہوں میں سمو کر پوچھا۔ تو اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ مبین نیازی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ انداز میں بےیقینی تھی۔ عفاف یک لخت چونکی اور پھر سر جھکا دیا۔

''کیا ہوا؟ نہیں خوش......!'' انہوں نے انگشت شہادت سے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر اس کا چہرا اونچا کیا۔ تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''محبت ہے ناں......؟'' مبین نیازی نے شوخی دکھائی۔ اس نے سوال کو سمجھے بنا اثبات میں سر ہلا دیا۔ مبین نیازی نے قہقہہ لگایا...... تو عفاف نے یک دم اپنے ہاتھ کھینچ لیے...... اور اس سے دور ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''میں نے آپ کو پہلی بار ہنستے دیکھا ہے۔'' چند لمحوں بعد عفاف نے اسے دیکھ کر کہا۔

مبین نے محبت سے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ ہنسی تمہارے دم سے ہی تو ہے۔

''میں نے بہت انتظار کیا تمہارا۔ بہت ڈھونڈا تھا تمہیں...... تم میرے سامنے تھیں لیکن...... کوسوں دور تھیں، صدیوں کے فاصلے محیط تھے۔ میں چاہ کر بھی تم سے کچھ نہ کہہ پا رہا تھا۔'' مبین نیازی اس کی میز سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو پھر سے تھاما۔ اور اپنی محبت...... کو اس پر عیاں کرنے لگا۔ اپنی بے بسی اور بے قراریوں کی داستان اس کو سنانے لگا۔

عفاف نے محبت کو اتنے قریب سے کب دیکھا تھا، محبت کے اس روپ سے وہ کہاں واقف تھی۔ کہاں آشنا تھی، وہ محبت کی ایسی شدتوں سے۔ وہ حیران تھی، پریشان تھی۔ اس کی قربت سے گھبرا رہی تھی۔ اس کی شدتوں سے خائف ہو رہی تھی۔ مبین نیازی کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے اپنی محبت کی شدت اس کو بتائے...... وہ ابھی تک بےیقینی کی لپیٹ میں تھا جبکہ عفاف اپنی محبت کو اپنے دل کے ایک کونے میں تھپکیاں دے رہی تھی۔

''مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا ہے کہ ہم ساتھ ہیں۔ میری وہ محبت، جس کے لیے میں دن رات تڑپا ہوں آج میرے سامنے ہے۔ میری ہے۔'' مبین نیازی نے اس کی سوچوں کو نظر انداز کر کے پھر اسے بتانا شروع کیا...... اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کس قسم کے ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے۔

''اسی خوشی میں ایک ''کافی ڈیٹ' ہو جائے؟'' مبین نیازی نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ اسے پیشکش کی۔

عفاف نے اچٹتی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی نگاہیں اس پر سے ہٹتی نہ تھیں لیکن مسکراہٹ گہری ضرور ہوئی تھی۔

''چلیں؟'' مبین نیازی نے ہاتھ بڑھایا۔ جھجکتے ہوئے عفاف نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''اوہو...... ایک منٹ۔'' وہ دو قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ مبین کے فون کی بیل ان کے کانوں میں پڑی۔ ''دادو کا لنگ۔'' مبین نے اسکرین اس کے سامنے کی اور ساتھ ہی فون ریسیو کیا۔

''دادو تھوڑا سا بزی ہوں۔ ایک ضروری میٹنگ میں۔'' مبین نیازی نے مسکراہٹ دبا کر عفاف کو دیکھا۔

''نہیں دادو میرا تو رابطہ نہیں ہوا۔'' عفاف نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''دادو شاید عفاف انسٹیٹیوٹ کے سلسلہ میں کسی سے میٹنگ میں ہیں۔'' مبین نے کہا تو عفاف نے یک لخت اپنا موبائل دیکھا جہاں اسکرین پر دادو کی پانچ مسڈ کالز تھیں۔ اور اس کا موبائل سائلنٹ پر تھا۔

''او کے دادو آپ بعد میں کال کر لینا۔ میں شام کو گھر آتا ہوں پھر بات ہو گی۔'' اور مبین نے فون بند کر دیا۔

''بڑی ضروری میٹنگ ہے ناں۔'' عفاف نے خفگی سے دیکھا۔

''محبت تھوڑا بہت جھوٹ بولنے پر مجبور کر ہی دیتی ہے۔'' مبین نیازی سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''کوئی بھی نہیں...... کافی کینسل۔ میں گھر جا رہی ہوں بابا جانی اکیلے ہوں گے۔'' عفاف نے ناراضی کا اظہار کیا۔

''نہیں...... ابھی تو بہت ساری باتیں کرنی ہیں ناں۔'' مبین نیازی مصر ہوا۔

''کیا آج ہی ساری باتیں کرنی ہیں۔'' عفاف نے اسے دیکھا۔

''نہیں آج ہی تو نہیں...... لیکن ابھی آج کی ملاقات سے دل نہیں بھرا۔'' مبین نیازی کا لہجہ استحقاق سے بھرپور تھا۔ عفاف آہستگی سے ہنسی۔

''دل......'' مبین نیازی نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے دیکھا۔ اس ایک لفظ میں ایک ایسا فسوں تھا کہ وہ پلکیں نہ اٹھا سکی۔

''تم میرے لیے بہت خاص ہو...... بہت ضروری ہو...... تمہارا ساتھ میری ہنسی کے لیے ضروری ہے دل...... تم نہیں تو میں...... مبین کہیں بھی نہیں ہے دل...... تم میرے ساتھ ہمیشہ رہو گی ناں؟'' مبین نیازی گمبھیر لب و لہجے میں اس سے اقرار وفا کروا رہا تھا۔

عفاف نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے اندر ایک اطمینان سرایت کر گیا۔ مبین نیازی نے اس کا

ہاتھ اپنے دل پر رکھا..... عفاف نے متعجب نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اور سر جھکا دیا اور مبین نیازی اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

ثمن اور عروش پاکستان آ چکی تھیں اور سارا پروگرام سیٹ ہو چکا تھا اب صرف عدی کا انتظار تھا۔ اور اس کے استقبال کی تیاریاں بھی مبین مینشن میں جوش و خروش سے جاری تھیں۔ ثمن سے ملاقات کے بعد سفینہ مطمئن ہو چکی تھیں اور عروش کی رضامندی نے بھی ان کے اطمینان پر تسلی کی مہر ثبت کر دی تھی۔

ثمن کو مبین کی چارمنگ پرسنلٹی نے متاثر کیا تھا۔ جس طرح مبین نیازی سارے انتظامات کو ہینڈل کر رہا تھا احسن ندیم کا آدھا بوجھ کم ہو گیا تھا۔

"عفی بیٹا....." عفاف اپنے کمرے میں بیٹھی آفس کی ایک دو ضروری فائلز پر کام کر رہی تھی، انسٹیٹیوٹ کی ساری رپورٹ بھی عروش کو ہینڈ اوور کرنی تھی۔ اس لیے صبح سے وہ اپنے کاموں میں مصروف تھی۔ احسن ندیم اس کے پاس آئے۔

"جی بابا جانی....." عفاف نے مصروف انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" احسن ندیم نے اس کے سامنے بکھرے کاغذات کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں بابا جانی بس یہ تھوڑا سا پیپر ورک مکمل کرنا تھا۔ انسٹیٹیوٹ کے اسٹاف کی تنخواہ کی کچھ رسیدیں ہیں اور چند ایک ایگری منٹس بس یہ سب، الگ الگ کر رہی ہوں۔" عفاف اپنا کام روک کر احسن ندیم کی طرف دیکھ کر ان کو بتانے لگی تھی۔

"تم ہمارے ساتھ انگلینڈ چل رہی ہو ناں؟" احسن ندیم نے اس سے پوچھا۔

"عروش کو یہ ساری معلومات دینی ہے۔ پھر اگر وہ یہاں رک جائے تو میں جا سکوں گی۔" عفاف نے انہیں بتایا۔

"عروش کی تو یونیورسٹی کی چھٹیاں ہیں ابھی اور وہ رکے گی۔" احسن ندیم نے اسے آگاہ کیا۔

"ہاں تو پھر میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔" عفاف نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"تم خوش ہو ناں بیٹا؟" احسن ندیم نے اس کے مصروف انداز کو دیکھ کر اس سے پوچھا تو یک لخت اس کے ہاتھ رک گئے۔

"بابا جانی میں خوش ہوں....." احسن ندیم اس کو دیکھتے رہے، کوئی جواب نہ دیا تو عفاف پھر گویا ہوئی۔

"تم مجھے ایک خاموشی کی زد میں لگ رہی ہو۔" احسن ندیم نے گہری نظر سے اس کو دیکھ کر کہا تھا۔

"نہیں بابا جانی! میں ٹھیک ہوں۔ مطمئن ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ یہ اطمینان مجھے خوشی بھی دے گا۔ آپ کا فیصلہ ایک بہتر فیصلہ ہے بابا جانی یہ اللہ کی طرف سے آپ کے ذریعے کیا گیا فیصلہ ہے۔" عفاف، احسن ندیم کو مطمئن کر رہی تھی۔ احسن ندیم یک ٹک اس کو دیکھ رہے تھے۔

"بابا جانی! ایک عمر نادانی کی ہوتی ہے اور ایک سمجھ داری کی۔ میرا وہ دور گزر چکا ہے بابا جانی جب میں نادان ہوا کرتی تھی۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ وقت گزر جائے گا تو مجھے وہ سب بے وقوفی لگے گا جس کے لیے میں مرنے چلی تھی..... آپ نہ ہوتے بابا جانی تو میں..... کبھی بھی اس مقام پر نہ ہوتی۔" عفاف، احسن ندیم کا ہاتھ پکڑ کر بول رہی تھی۔ ان کے فیصلے کو سراہ رہی تھی۔ احسن ندیم جو پریشان ہو رہے تھے کہ شاید عفاف خوش نہیں ہے اب مسکرا رہے تھے۔

"بس بیٹا مجھے تمہاری خوشی چاہیے۔" انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"تم نے میرے فیصلے کا پاس رکھا ہے۔ مبین بہت اچھا لڑکا ہے۔ خاندان، نام اور بزنس کے علاوہ اس میں وہ خوبیاں موجود ہیں جن کے سبب میں نے اس کو تمہاری زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب اللہ سے میری یہی دعا ہے کہ اگر وہ نہیں بھی اچھا تو اچھا بن جائے۔ تمہارے حق میں بہترین بن جائے۔" احسن ندیم نے عفاف کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعائیں دیں۔

"ان شاء اللہ بابا جانی سب بہتر ہوگا۔" عفاف نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے احسن ندیم کو دیکھ کر کہا۔

"صبح عدی پہنچ رہا ہے ناں تو مل بیٹھ کر پھر شادی کی تاریخ فائنل کرنی ہے۔" احسن ندیم نے اسے بتایا۔

"جی بابا جانی۔ آپ آرام کریں پھر، صبح جلدی اٹھنا ہے۔" عفاف نے انہیں آرام کرنے کا کہا۔ تو اگلے چند منٹوں میں وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔ اور عفاف..... پھر کوئی کام نہ کر سکی۔

"کیا میں خوش ہوں؟" اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ تو وہاں کوئی مسکان نہ تھی۔

"مطمئن ہوں؟" اب کی بار وہاں ایک ٹھہراؤ تھا..... عفاف نے پلکیں جھپکائیں دھیرے سے مسکرائی بیڈ پر بکھرے سارے پیپرز ایک طرف رکھ دیے اور آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

کسی محبت کا کوئی دکھ نہ ہو، ذات کی نفی نہ کی گئی ہو۔ محبت کو دھوکے کا نام نہ دیا گیا ہو تو ایسے بندھن کی وجہ سے دل میں بہت سے شکوفے پھوٹتے ہیں۔

عدی اور عروش کی ہنسی اور خوشی سے ہر طرف چہکار مچی تھی..... لیکن ایک دل ابھی شش و پنج میں مبتلا تھا۔

مبین نیازی کے چہرے پر بھی ایک رونق رقصاں تھی۔ جبکہ عفاف کی حالت ان تینوں سے یکسر مختلف تھی۔ وہ خوش بھی تھی اور مضطرب بھی..... دل میں ایک اطمینان بھی تھا اور اضطراب بھی..... بہر حال جو بھی تھا..... وہ سب کی ہنسی اور خوشی میں شامل تھی۔

دونوں گھروں میں لڑکیوں کی شاپنگ عروج پر تھی۔ عروش اور عفاف، ثمن اور سفینہ اپنی اپنی تیاریوں میں مشغول تھے۔

"یہ تو کھلے عام ناانصافی، دہشت گردی اور نجانے کیا کیا ہو رہا ہے۔ دھرنا ہوگا بھئی دھرنا ہوگا..... انصاف چاہیے....." عروش اور عفاف ابھی ابھی شاپنگ کر کے نڈھال ہو کر لوٹی تھیں۔ عدی، احسن ندیم کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا اس لیے ذرا ستانے کے لیے عروش بھی ادھر ہی آ گئی تھی۔ ان کے اندر قدم رکھتے ہی عدی کی پراحتجاج آواز پر دونوں ٹھٹک گئیں۔ ثمن اور سفینہ کی ابھی کچھ شاپنگ باقی تھی اس لیے ابھی نہیں آئی تھیں۔ عفاف نے ابرو اچکا کر عدی کو دیکھا۔

"کیا یہ کوئی پلاننگ تھی..... دیدار یار کی.....؟" عفاف نے شکایتی نظروں سے مسکراہٹ دباتے کھڑی عروش کو دیکھ کر اس کی طرف جھک کر دریافت کیا۔

"خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ یہاں ہیں۔" عروش نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عروش..... ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ کیا جانے ملنے کی تڑپ، اس کو کیا معلوم ایک نظر کا سرور، اس کو کیا خبر دل کے قرار کی....." عدی اپنی شریر جون میں لوٹ چکا تھا۔

"عفی آپی! اب کیا مکمل ظالم سماج بنو گی جاؤ جا کر بھیا اور بھابھی کے لیے چائے بنا کر لاؤ تب تک ہم ذرا....." عدی مکمل شرارت کے موڈ میں تھا۔ دونوں کو تنگ کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ شاہانہ انداز میں اس کو حکم دیا۔

"عدی! باز آ جائیں۔ کیوں جھوٹ بول رہے ہیں۔" عفاف مسلسل عروش کو مشکوک نظروں سے گھورے جا رہی تھی جبکہ وہ عدی کی اس شرارت پر خواہ مخواہ اس کے سامنے شرمندہ ہوئی جا رہی تھی۔

"جھوٹ؟ کون سا جھوٹ؟" عدی نے حیرت کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔ "ویسے یہ ناانصافی ہے ہمارا بھی تو نکاح ہے لیکن ساری تیاری صرف تم دونوں کی کیوں؟ ابھی کال کر کے بلاتا ہوں مبین بھائی کو..... اور پھر بھرپور طریقے سے احتجاج ہوگا۔" عدی نے ان دونوں کو باری باری دیکھا اور پاکٹ سے موبائل نکال کر مبین کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ عفاف نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔ اور نگاہوں ہی نگاہوں میں تنبیہ کی لیکن عدی بھی کہاں باز آنے والا تھا۔

"چائے پیئیں گی؟" عفاف عروش سے پوچھنے

"نہیں اب میں جاؤں گی۔ انکل آنٹی بھی شاید آنے والے ہوں گے۔ دادو بھی گھر پر ہوں شاید۔ تھوڑا عجیب سا لگتا ہے۔" عروش نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اب چائے تو پی کر جاؤ۔ صبح سے ہم گھن چکر بنے ہوئے ہیں ذرا سا آرام کرلو۔ میں چائے لاتی ہوں۔" عدی کال پر مصروف تھا تو عفاف اس کو وہاں بٹھا کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"مبین بھائی مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔" عفاف کے جاتے ہی عروش نے کان عدی کی کال کی جانب مبذول کیے۔ لہجہ انتہائی تشویش ناک تھا۔ یقیناً مبین کو پریشانی ہوئی ہوگی۔

"عجیب انسان ہے یہ بھی۔" وہ بڑبڑائی۔

"مبین بھائی آپ ہمارے گھر آجائیں ابھی ابھی۔ تاکہ آمنے سامنے بیٹھ کر بات ہو سکے۔" عدی نے عروش کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات اس کی باتوں پر عجیب سے ہو رہے تھے۔

"نہیں آپ آجائیں بس چائے بھی بن رہی ہے۔ آتے وقت سموسے لے آنا، آپ کی آمد کا اور چائے کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔ اللہ حافظ۔" اتنا کہہ کر عدی نے عجلت میں فون بند کردیا۔

جبکہ "مبین بتاؤ تو سہی بات کیا ہے۔" کہتا ہی رہ گیا اور اس نے سموسوں کی فرمائش کے ساتھ کال بند کردی۔

"اف توبہ ہی ہے۔ آپ جیسے بندے سے بھی..... خواہ مخواہ لالہ کو پریشان کر دیا۔" عروش خشمگین نظروں سے اسے دیکھ کر ڈانٹنے لگی تھی۔

"تمہیں تو بہ نہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ میرے جیسا سویٹ، اڈورایبل اور ہینڈسم لڑکا تمہارے حصے میں آیا ہے۔ ورنہ کوئی بھدی شکل والا عام سا انسان مل جاتا تو یقیناً توبہ کرتے ہی زندگی گزرتی۔" عدی اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"کیوں میری شکل میں کیا برائی ہے جو میری قسمت میں بھدی شکل والا عام سا شخص آتا؟" عروش اس کی بات پر قہر آلود نظروں سے اس کو دیکھ کر بولی۔

"میں نے کب کہا برائی ہے۔" عدی حسب عادت منہ بسور کر بولا۔

"تم تو بہت اچھی ہو بہت پیاری ہو۔" عدی نے نگاہوں کے حصار میں رنگ بھر کر کہا۔ لہجے کی مٹھاس نے اس کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کیا تھا۔

"لالہ آرہے ہیں؟" عروش نے موضوع بدلا۔

"آئیں گے کیسے نہیں، میں نے سنسنی سی ایسی پھیلائی کہ ان کو آنا ہی پڑے گا۔" عدی دل کھول کر ہنسا تھا۔

"اچھا میں عفاف کو بتادوں کہ چائے کا ایک کپ زیادہ بنائے۔" عروش اٹھتے ہوئے بولی۔

"رہنے دو ناں....." عدی نے برق رفتاری سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو روک کر اسے حیران کردیا۔

عروش نے یک لخت اس کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ یہ جسارت یقیناً ان کے درمیان بندھے تعلق کی بدولت تھی۔ عروش نے سٹپٹا کر اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"وہ دونوں آدھی آدھی چائے پی لیں گے اس سے محبت بڑھتی ہے۔" عدی نے سر کھجایا تھا۔ عروش خشمگیں نظروں سے اس کو دیکھ کر دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھی تھی۔

"لیکن اگر تم نے ہمارے درمیان محبت کو بڑھانا ہے تو مجھے تمہاری جھوٹی چائے پینے میں کوئی عار نہ ہوگا۔" عدی کی بات پر عروش نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"زیادہ شوخیاں نہ ماریں۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں کسی بھی فضول چیز کو بڑھانے کی۔"

"خبردار جو میری محبت کو فضول کہا تو....." عدی نے مصنوعی خفگی سے اسے ڈانٹا۔ "اور میں نے کون سی شوخیاں دکھائی ہیں، میں تو بس کاغذی کارروائی کے انتظار میں ہوں۔" عدی نے مسکراہٹ دبائی۔

"اف..... حد ہوتی ہے۔" عروش نے اس کے لہجے کے ذومعنی تاثر کو زائل کر کے کہا۔ "ایک پاکیزہ بندھن کو کاغذی کارروائی کہہ دیا۔" عروش نے کہا۔

"سوری! مذاق میں کہہ رہا ہوں ناں....." عدی نے پھر سے منہ بسور کر معافی مانگ لی..... گھنٹی بجنے پر دونوں چونکے تھے۔

"لالہ ہی ہوں گے....." عروش یک لخت اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر کی جانب بڑھی۔

"تم کہاں جارہی ہو.....؟" عدی ایک بار پھر اس کے راستے میں حائل ہوا تھا۔ اس کے حواس باختہ چہرے پر نظریں جما کر پوچھنے لگا۔

"وہ..... وہ..... لالہ ہوں گے۔ یہاں ہی..... آئیں گے ناں۔" عروش نے اس کو اپنے وہاں سے جانے کی وجہ بتائی۔

"پیار کیا تو ڈرنا کیا..... شرمانا کیا؟" عدی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کوئی فلم کی شوٹنگ نہیں..... اور آپ ہٹیں یہاں سے، زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں۔ بالکل زیرو لگتے ہو....." عروش نے اس کا منہ چڑایا۔

"عفی کو گیٹ کھولنے دو ناں..... تم یہاں ہی رہو۔" عدی نے سر کھجاتے ہوئے التجا کی۔ عروش پلٹتے ہوئے چونک کر رک گئی تھی اور عدی نے ایک بار پھر اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"آپ اس وقت یہاں؟" حیرت میں ڈوبی آواز نے اس کو مسرت سے دوچار کیا تھا۔

"دل کو دل سے راہ..... شاید اسی کو کہتے ہیں۔" اس کی مسکراتی نگاہیں اس کے حسین چہرے کا طواف کرنے لگی تھیں۔

عفاف نے ٹرے ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی۔ دوپٹا شانوں پر خاصی بے ترتیبی سے پڑا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم کی جانب بڑھتے قدموں کو گیٹ پر بجتی گھنٹی نے روکا تو اسی حالت میں ادھر آپہنچی تھی۔ مبین نیازی کو سامنے دیکھ کر پل بھر میں اس دل کے اوسان خطا ہوئے تھے۔ وہ چائے کے کپ والی ٹرے کو دائیں ہتھیلی پر رکھ کر بائیں ہاتھ سے دوپٹے کو سر پر رکھنے لگی تھی۔

اس کے اس "خالصتاً مشرقی" عمل پر مبین نیازی کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی اور ایک پل لگا اسے نروس ہونے میں بھی۔

"سنبھل کر..... سنبھل کر۔" اس کی ہتھیلی پر رکھی چائے کی کپ والی ٹرے اس سے پہلے کہ لڑکھڑا کر گر جاتی مبین نیازی نے پکڑ لی۔ عفاف نے بھی بمشکل ٹرے کو تھاما تھا۔

"عدی نے کال کی تھی۔ اور آنے کو کہا تھا۔" مبین نیازی اب اس کو مزید نروس کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے، بتانے لگا تھا۔

"ایک تو عدی بھی ناں..... ایسے ہی مذاق کر رہا تھا۔" عفاف اب سنبھل چکی تھی۔ اسے بتانے لگی "اوہو اچھا مطلب کوئی بات نہیں تھی۔" مبین نیازی اس سے تصدیق چاہ رہے تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"سوری۔ خواہ مخواہ اس نے آپ کا وقت ضائع کیا۔" عفاف کو اب شرمندگی ہونے لگی تھی۔

"بہت دنوں بعد آپ کو دیکھا ہے۔ وقت ضائع ہونے کا ملال نہیں۔" مبین جذبات سے گندھے لہجے میں قدرے مدھم آواز میں بولا۔

"آپ چائے لیں گے ناں؟" عفاف نے سٹپٹا کر اسے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"او مائی گاڈ....." عفاف نے قدم بڑھائے تو مبین کی آواز پر متفکرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا.....؟"

"عدی نے کہا تھا آتے ہوئے سموسے لے کر آنا۔ عجلت میں، میں بھول گیا۔" مبین کے لہجے میں ندامت تھی۔

"آپ نے تو ڈرا ہی دیا۔ وہ مذاق کر رہا ہوگا۔ عادت ہے اس کی فضول ہانکنے کی۔ آئیں آپ اندر..... میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔" عفاف نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھے۔

"نہیں ضرورت نہیں۔ تم ہی تھوڑی سی چائے مجھے دے دینا۔" مبین نیازی نے اس کو منع کیا۔ ایک خاص انداز سے..... آنکھوں میں رنگ تھے اور لہجے میں محبت کی مہکار۔

"مبین بھائی سموسے نہیں لائے۔" عفاف

کمرے میں داخل ہوئی تو چند سیکنڈز کے وقفے میں مبین بھی اندر داخل ہوا۔ عفاف نے عروش کو چائے پیش کی۔ عدی نے ایک کپ اٹھاتے ہوئے مبین سے استفسار کیا۔

"نہیں یار! فریش بنے ہوئے نہیں تھے۔ جو گرم تھے وہ بھی سورج کی تمازت کا اثر تھا، اس لیے میں نے سوچا یہ نہ ہو پیٹ خراب ہو جائے اور فنکشن کی ڈیٹ آگے کرنی پڑ جائے۔" عفاف والا کپ مبین نے اٹھا کر ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور عدی سے مخاطب ہوا تو اس نے بمشکل اپنا اچھو روکا ..... جبکہ عفاف نے جھینپ کر اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔

"واہ واہ ..... مبین بھائی تسی گریٹ ہو۔ چائے گرم نہ ہوتی تو ..... آپ کی بلائیں لے لیتا۔" عدی بھی اپنے نام کا ایک شوخا تھا۔

"تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟" عفاف، عروش کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھنے لگی۔

"ہماری لڑائی ہو گئی ہے۔" عروش نے بے چاری شکل کے ساتھ جس انداز سے اسے اپنی سنجیدگی کی وجہ بتائی عفاف کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔ جس پر عدی نے غصے بھری نگاہوں سے عروش کو دیکھا اور مبین نے محبت پاش نگاہیں عفاف کی جلترنگ ہنسی پر مرکوز کیں۔

"کوئی بات نہیں۔ دو دن ہی ہیں پھر دل کھول کر راضی نامے بھیجنا۔" عفاف کی ہنسی کو بریک لگ چکی تھی اب مدھم آواز میں اس کو تسلی دے رہی تھی۔ کافی دیر گپ شپ رہی۔

ثمن اور احسن ندیم کے لوٹ کر آتے ہی مبین عروش کو ہمراہ لیے واپس چلا گیا تھا ..... اور وہ ساری شاپنگ کھولے ثمن کو دکھا رہی تھی اور ثمن کی شاپنگ دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

دونوں طرف کی برابر کی انوالومنٹ کو انٹیئر کہتے ہیں۔ وہ یک طرفہ محبت میں گرفتار تھی۔ محبت کی شدت سے انجان ہے۔ محبت کی لذت سے بے خبر ہے۔ اب جب محبت کو جاننے کا وقت آیا ہے تو اس کے ہمراہ ایک جنونی محبت ہے۔ مبین نیازی کی محبت میں نے اس کی آنکھوں میں، مبین نیازی کی محبت کی "قدر" دیکھی ہے۔ اس کی پھیکی مسکان کے پیچھے محبت پر یقین بھی دیکھا ہے۔ اب وہ وقت دور نہیں جب میری محبت کی جیت ہو گی ..... مبین نیازی کی برسوں کی تپسیا کو دل آویز کی محبت جلا بخشے گی۔

ان کی تیاری خاص تھی۔ کیوں نہ خاص ہوتی؟ یہی تو وہ دن تھا، یہی تو وہ وقت تھا جب محبت کی تکمیل ہونا طے پایا تھا۔ ان کی تو شان ہی الگ تھی ..... وہی دل آویز انداز، وہی دلکش مسکراہٹ، وہی روشن آنکھیں ..... وہی منتشر دھڑکن ..... وہ چلا تھا محبت کو اپنے نام لکھوانے۔ محبت کے سارے حقوق ہتھیانے۔

چند عزیز و اقارب کو ہمراہ لیے۔ محبت سے لبالب بھرے دل کے ساتھ ..... ایک چھوٹی سی بارات کے ساتھ وہ اپنے سارے جملہ حقوق "دل آویز عفاف" کے نام لکھوانے کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

دل آویز عفاف دلہن بنی بیٹھی تھی، سر جھکائے ..... ریڈ گوٹے والے دوپٹے کا گھونگھٹ نکالے بیٹھی دل آویز کا بناؤ سنگھار کسی کو نظر نہ آ رہا تھا ..... دل میں ایک طوفان موجزن تھا لیکن ابھی اس اتھل پتھل کا کوئی نام نہ طے ہوا تھا۔

بارات پہنچ چکی تھی اور اب نکاح نامہ پر خالی جگہیں فل کی جا رہی تھیں۔

"تم ابھی تک ایسے ہی کیوں گھوم رہی ہو؟" عدی نے عروش کو دیکھا تو چلانے لگا۔

"کیا مطلب .....؟" اس نے ادھر ادھر دیکھ کر اس کو گھورا تھا۔ جس کو لوگوں کی کوئی خاص پروا نہ تھی۔

"جاؤ جا کر دلہن بنو ..... مولوی صاحب آتے ہوں گے۔" عدی نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔

"حد ہوتی ہے بے شرمی کی بھی ..... پہلے یہ مٹھائی کھائیں۔ لالہ اور عفی کے نکاح کی مبارک ہو۔" عروش نے اسے تنبیہہ کی ..... اور مٹھائی والی پلیٹ اس کے سامنے کی۔

"خیر مبارک ..... مجھے بھی تو کوئی ایسی مبارک دے۔" عدی نے برفی کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا اور منہ بسور کر بولا۔

"جی پہلے بارات تو لے کر جاؤ ....." عروش اس کا منہ چڑا کر ہنستے ہوئے پلٹی۔

"بارات تو موجود ہے۔ یہی تو لوگ ہوں گے۔ ویسے سادگی میں بھی بہت حسن ہے۔ کیا خیال ہے بلالوں مولوی صاحب کو .....؟" عدی نے شریر لہجے میں کہا۔

"صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" عروش نے کہا۔

"ہم کڑوا پھل بھی ہضم کرنا جانتے ہیں۔" عدی نے مسکراہٹ دبائی۔

"ہش ..... بے شرم ..... زیادہ تیز نہیں بھاگتے صحیح وقت کا انتظار کرنا ہی دانش مندی ہے۔" عروش نے دھڑکتے دل کی ساتھ کہا اور مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

عدی اور عروش کا نکاح شام کے وقت طے پایا تھا اور اب ان کی تیاریاں شروع تھیں اور دونوں کی رخصتی عروش کی ڈگری مکمل ہونے کے بعد ..... تقریباً سات، آٹھ مہینے کے بعد طے پائی تھی۔

"ویسے دلہن کو چھوڑ کر جانے کا دل نہیں کر رہا۔" مبین نیازی کی شوخ سرگوشی عفاف نے پہلو بدلا تھا۔

"کاش کہ نکاح کے بعد پراپر رخصتی سے پہلے ایک چھوٹی سی رخصتی کی بھی رسم ہوتی۔" مبین نیازی پھر بولے۔

"ایسی کوئی رسم ہے تو نہیں لیکن ایجاد تو ہو سکتی ہے ناں۔" دل آویز کا لہجہ اب پراعتماد تھا۔ مبین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ساتھ دو گی ....." مبین نیازی نے معنی خیز لہجے میں دریافت کیا۔

"مجبوری ہے۔" دل آویز کی مسکراہٹ گہری تھی۔

"ضروری ہے۔" مبین نیازی نے اس کی شرارت بھانپ کر تحکم بھرے لہجے میں کہا۔

"پھر تو ساتھ دینا ہی پڑے گا ناں۔" عفاف دل آویز نے پلکیں جھپک کر اسے دیکھا، ایک اقرار اس کی مسکراہٹ سے چھلک رہا تھا۔

"او کے پھر کوشش کرتا ہوں تھوڑی سی دھاندلی کی۔" وہ ہنس کر بولا۔ تو دل آویز نے اسے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ ان کے درمیان مزید کوئی بات ہوتی۔ ملاقات کا وقت ختم ہو گیا تھا ..... دل آویز کے چہرے پر مسکراہٹ کھلتی رہی اور مبین نیازی کے دل میں محبت بڑھتی رہی۔

☆☆☆

"کیا ہمیں بعد میں پھر بارات لے کر جانی پڑے گی؟" عدی کی تیاری مکمل تھی اور بے صبری بھی عروج پر۔

"ہاں ظاہر ہے۔" احسن ندیم نے اپنے کوٹ کا کالر سیٹ کرتے ہوئے اسے دیکھ کر کہا تھا۔

"تو ابھی رخصتی کروا لیتے ہیں ناں۔" عدی نے جھنجلا کر کہا۔

"کیوں میاں کہیں بھاگے جا رہے ہو کیا .....؟" احسن ندیم نے شرارتی ہنسی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"لو بابا جانی ..... اس کو کہتے ہیں نیکی کر دریا میں ڈال۔ ایک تو آپ کا خرچا بچا رہا ہوں۔ اس پر آپ مجھے ہی سنا رہے ہیں۔" عدی کہاں شرمندہ ہونے والا تھا۔ ڈھیٹ بن کر کہنے لگا لیکن منہ بسورنا نہ بھولا تھا۔

"زیادہ اوور اسمارٹ نہ بنو۔" اب کے عفاف نے بھی مداخلت کی۔

"جو طے ہو چکا ہے اس میں ردوبدل کی گنجائش نہیں۔" اس نے بھی ہری جھنڈی دکھائی۔ اب وہ بھی دلہن کا سوٹ تبدیل کر کے عدی کی بارات لے جانے کے لیے تیار تھی۔

"بہنیں تو بھائیوں کا ساتھ دیتی ہیں۔" عدی نے دہائی دی۔

"ساتھ نہ دیتی تو آج سہرا نہ باندھ رہے ہوتے۔" عفاف نے اسے گھورا تھا۔

"ہاں ویسے یہ تو صحیح بات کہی۔ چلو پھر صبر کر لیتے

ہیں۔" عدی نے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے شاہانہ انداز میں کہا۔

"ہاں جی تمہاری بھلائی بھی اسی میں ہے۔" عفاف نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ویسے آپ کا حلیہ کچھ زیادہ ہی سادگی لیے ہوئے نہیں؟" عدی تیاری مکمل کرکے اس کی طرف پلٹا تھا۔

"سادگی کا بھی اک اپنا ہی چارم ہے۔" عفاف کاجل لگی آنکھوں کو جھپک کر بولی۔

"ویسے بھی تمہاری بہن کو کسی بناؤ سنگھار کی ضرورت ہی کہاں ہے۔" عدی نے حیرانی سے اسے دیکھا تو وہ مزید گویا ہوئی۔ لہجے میں قدرے شرارت پنہاں تھی۔

"اوہو...... واقعی...... میری بہنا تو بیسٹ ہے۔" عدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اچھا اب چلو ناں یار...... دیر ہو رہی ہے۔" عفاف نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ عدی نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تو وہ ہنسنے لگی۔

"ہاں چلو۔" اگلے پندرہ بیس منٹس میں وہ لوگ مبین مینشن کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

عروش نیازی اب عروش عدی بن کر اس کے سامنے براجمان تھی۔ چھیڑ چھاڑ جاری تھی...... دھڑکنیں بے قابو تھیں...... ارمان مچل رہے تھے۔ ہر طرف ایک ہلچل مچی تھی۔

مبین نیازی کی نگاہیں مکمل استحقاق کے ساتھ عفاف دل آویز کو حصار میں لیے ہوئے تھیں۔

"نئی نویلی دلہن کا یہ سادہ روپ دل کھینچ رہا ہے۔" موقع ملتے ہی مبین نیازی کی فسوں خیز سرگوشی اس کی سماعت سے ٹکرائی...... وہ دھیرے سے مسکرا کر اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

ایک تقریب نہایت احسن طریقے سے اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ ملاقاتیں ادھوری تھیں۔ باتیں ادھوری تھیں۔ لیکن محبت تکمیل کے مراحل میں تھی۔

☆☆☆

وہی رستے، وہی نظارے، وہی بے قدری، وہی آنسو اور محبت...... کیا کچھ نہ تھا جو اسے یاد نہ آیا تھا۔ وہ آج سر جھٹک کر، ہر اک گزری یاد کو فراموش کرنے کی سعی کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔

برسوں بعد یوکے میں اس کا قیام ہوا تھا۔ وقت بدل چکا تھا۔ بہت سی تبدیلیاں اس کی ذات کا بھی حصہ بن چکی تھیں۔

چند دن تک تو وہ اپنی برسوں کی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لیے، اپنی نیندوں کو مکمل کرنے کے لیے اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی تھی۔

مانی سے کی گئی محبت...... یک طرفہ محبت کو پس پشت کرکے مبین نیازی کی محبت کو قبول کرکے اس کی ہمراہی میں ایک خوش گوار زندگی کا خواب سجانے لگی تھی، اس کے سنگ چلنے لگی تھی۔ جب ماضی کی کوئی تلخ یاد حاوی ہوتی تو ایسے میں مبین نیازی کی محبت کی چاشنی اس کو طمانیت کا احساس دلاتی تھی۔

اس کی خاموشی پر مبین کا فکر مند ہونا، دیر سے جواب دینے پر بے چین ہو جانا۔ عفاف کے لیے محبت کے یہ رنگ انوکھے تھے۔ یہ محبت دل نشین تھی۔ وہ مسرور ہونے لگی تھی۔ مسحور ہو چلی۔

"میں یوکے آجاؤں......؟" سوال پوچھا گیا۔

"کیوں بھلا......؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"تمہیں دیکھے بہت دن گزر گئے ناں۔" لہجے کی بے چارگی پر وہ ہنسی۔

"جیسے آپ کی مرضی......" رضامندی کو ظاہر کرتے الفاظ مبین نیازی کو بے تحاشا خوشی سے دوچار کر گئے۔ — عفاف کو ونڈو شاپنگ کا شوق ہوا تھا۔ اسی غرض سے وہ آج باہر آئی ہوئی تھی۔ کھلے بالوں کو رول کیا گیا تھا، بلیک شارٹ فراک کے ساتھ فیروزی جینز اور لائٹ پنک چھوٹا سا دوپٹا گلے میں ڈال کر وہ چلی جا رہی تھی، آنکھوں میں کاجل کی دبیز تہ، چند چوڑیوں کی کھنک...... کوئی خاص بناؤ سنگھار نہ تھا۔ لیکن اس کی شرمگیں آنکھوں میں، شفاف چہرے پر کلائیوں کی جھنکار میں کوئی ایسا تاثر موجود تھا کہ دو نگاہوں نے...... اس کا تعاقب کیا — اس کو بغور دیکھا...... لیکن وہ اپنے آپ میں مگن تھی۔

"تم کہاں ہو؟" ہاتھ میں پکڑے موبائل پر آتے پیغام نے اسے چونکایا۔

"آپ کو چین نہیں کیا؟" اگلے پل وہ کال ملا چکی تھی۔

"نہیں......" بڑے آرام سے اقرار کیا گیا۔ تو وہ ہنس دی۔

"میں آگیا ہوں۔" اطلاع دی گئی۔

"سچی؟" وہ حیران ہوئی۔ بلا ارادہ، بے ساختہ اس رش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ تو نظر نہ آیا۔ لیکن بالکل سامنے غباروں کا ایک ٹھیلا نظر آ گیا۔ مبین نیازی سے بات کرتے کرتے وہ اس جانب بڑھی تھی۔

"ہاں سچی......" مبین نیازی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اگلے پل وہ اسے بتا رہی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ کال ڈراپ کرتے ہی اس نے وہ سارے غبارے لے لیے۔ ڈھیر سارے رنگین غباروں کا گچھا پکڑے وہ بے حد خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی...... وہ پلٹی...... تو کلائیوں کی کھنکتی چوڑیوں کی جھنکار بھی واضح ہوئی غباروں کا گچھا بھی لہرایا تھا اور اس کے فراک کا گھیراؤ بھی پھیلا تھا...... اس لمحے اس کے انداز میں جو مستی تھی، جو جنون تھا، جو خوشی تھی۔ جو خوب صورتی تھی ان نگاہوں کے سوا وہ بہت سی اور نظروں نے بھی پلٹ کر، رک کر اسے دیکھا تھا۔

وہ آگے بڑھی...... اور...... پھر یک دم اچانک غیر متوقع طور پر اسے وہ نظر آیا...... اس کے وجود نے اس کی دھڑکنوں کو منتشر کیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کا ہر اک منظر آنے لگا۔ یک لخت اس کے حلق میں سوئیاں چبھنے لگی تھیں۔ اس کی کو نگلتے ہوئے اپنی مسکراہٹ، اپنی طمانیت کو برقرار رکھتے ہوئے رنگ برنگے غباروں کی ڈور کو پکڑے دل آویز نے مانی کی جانب قدم بڑھائے۔ مانی کی نگاہیں ایک بار پھر اس کے تعاقب میں اس پر جم چکی تھیں۔

اس کے انداز میں ایک غرور تھا۔ چال میں سرشاری تھی۔ ہونٹوں کی مسکان بڑی دل فریب تھی۔

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب
عمران ڈائجسٹ
Emale: id@khawateendigest.com

اکتوبر 2018 کے شمارے کی ایک جھلک
سلطان محمد فاتح
ملت اسلامیہ کے لازوال کردار "سلطان محمد فاتح" کے کارہائے نمایاں کی سبق آموز داستان
محترمہ شاہدہ لطیف کی سلسلہ وار کہانی تاریخ کے جھروکے سے،
سیکریٹ ایجنٹ
تلاش معاش کے سلسلے میں ہجرت کرنے والے ایک ایسے شخص کی کہانی جسے "سیکریٹ ایجنٹ" بننے کا موقع مل گیا، ایک نرالے جاسوس کے کارناموں سے بھرپور
صابر علی ہاشمی کی ہنستی مسکراتی تحریر،
خوشی
ایک گڑیا کی کہانی جسے بڑوں کے ہاتھوں میں دے دیا گیا ہے
کرشن جی کے قلم کا تازیانہ،
گمشدہ
لوگوں میں خون کی گردش کو تیز کر دینے والے جرم و سراغ رسانی کے ہنگامہ خیز، پرلطف اور پرتجسس واقعات
راجپوت اقبال احمد کی سنسنی خیز تحریر،
مقید خاک
پراسرار سرزمین سے وابستہ حیرت انگیز واقعات کی بازگشت،
ایک شخص کی آپ بیتی
ضوباریہ ساحر کے سلسلے کی آخری کڑی،
اس کے علاوہ دیس بدیس کی رومینس، سسپنس اور تجسس سے بھرپور 9 مشہور و معروف مصنفین کی طبع زاد و ترجمہ کہانیاں
اکتوبر 2018 کا تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

وہ اس کے سامنے آ کر رکی۔

مانی نے اسے دیکھا۔ دھیرے سے مسکرایا۔

"کیسی ہو دل آویز......" وہی گمبھیر لہجہ، وہی دلکش انداز...... جس کی وہ اسیر تھی۔ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

"بہت اچھی...... ایز آل ویز اور اب بہت خوش بھی۔" دل آویز نے چہک کر کہا...... اس پل اس نے اپنے بالوں کو سمیٹ کر ایک طرف کیا تھا۔ تو چوڑیوں کی جھنکار کو اس نے خاص طور پر نوٹ کیا۔

"ویری گڈ......" مانی نے ابھی تک اپنے اطوار نہ بدلے تھے۔

"آپ کے بال تو کافی سفید ہو گئے ہیں۔" پلکیں جھپک کر تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ اس کے اظہار رائے پر مانی چونکا تھا۔ پھر مسکرایا۔ لیکن خاموش رہا۔ ہمیشہ کی طرح۔

"بہت گھاٹا نہیں ہوا آپ کو؟" وہ پوچھنے لگی۔

"کون سے بزنس میں؟" وہ نا سمجھ کبھی بھی نہ تھا، اب بھی اس کے سوال کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔

"دیکھ لیں میں آج کتنی خوش ہوں...... اور آپ؟" دل آویز کے لب و لہجے میں ایک کاٹنے کا طنز انتہائی واضح تھا...... ایک چبھن...... جسے مانی نے بغور نوٹ کیا۔

"آج میرے پاس سب کچھ ہے...... محبت، خوشی، رنگ، سب کچھ۔" اس نے غباروں کی ڈوری کو کھینچا تو غباروں کے گچھے میں ہلچل مچی تھی۔ سمیٹے گئے بال اس کی پشت پر بکھر گئے تھے۔ اور ایک ریڈ غبارے نے آ کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

وہ کھلکھلائی تھی۔ اسے باور کرا رہی تھی کہ اس نے کیا کھویا ہے۔ اسے جتا رہی تھی کہ اس کے بغیر بھی وہ خوش ہے۔

مانی نے اسے دیکھا۔ ایک دھیمی مسکان نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا۔

"یہ میری محبت ہی تو ہے جس کی وجہ سے آج تمہاری زندگی میں محبت ہے، خوشی ہے اور رنگ ہیں۔" مسلسل خاموش رہنے کے بعد مانی بولا تو پل بھر میں دل آویز کے اندر سب کچھ بکھرنے لگا۔ پھٹی نگاہوں سے انتہائی بے یقینی سے وہ اس کو دیکھنے لگی۔

"تم میری زندگی میں اس وقت آئیں جب میں اس فیز سے گزر چکا تھا جہاں چمکتی چیزیں، کھنکتی چوڑیاں دل جیت لیتی ہیں۔ تمہیں ایک ایسے ساتھی کی ضرورت تھی جو تمہاری خوب صورتی کو سراہتا...... جس کی دھڑکنیں تمہاری چوڑیوں کی کھنک سے چھلکتیں۔ جو تمہیں بکھرے بالوں کو سمیٹنے نہ دیتا......" مانی اپنے مخصوص انداز میں، دھیمے لہجے میں اسے حیران کرتا چلا گیا۔

"دانستہ گیئر کو بدلنا اور چوڑیوں کی جھنکار سے متوجہ کرنا...... میں اس موڑ پر نہیں تھا۔ ڈرائیو کرتے ونڈو کو کھول دینا...... میرے لیے تب بالوں کو لہرانا ایک الجھن کا باعث تھا...... تمہاری شوخیوں کو، شرارتوں کو...... محبت چاہیے تھی...... ایک سنجیدگی نہیں، میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔" وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرایا اور چند قدم پیچھے ہٹا۔

دل آویز کو محسوس ہوا کوئی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا ہے۔ نظریں سامنے جمی تھیں۔ دل آویز نے بے اختیار، غیر ارادی طور پر ساتھ کھڑے اس شخص کا ہاتھ پکڑا...... مبین نیازی نے محبت سے اسے دیکھا...... غباروں کے گچھے نے اسے وہ منظر یاد دلایا جب ان کی محبت کی ابتدا ہوئی تھی۔

اس کی نظریں ابھی تک مانی کی مسکراہٹ میں الجھی تھیں۔ یوں ہی مسکراتے ہوئے وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

دل آویز کے ہاتھ سے غباروں کی ڈور چھوٹی تھی۔ جسے مبین نیازی نے اچھل کر برق رفتاری سے دوبارہ پکڑ لیا تھا۔

دل آویز نے مسکرا کر مبین کو دیکھا۔

مانی جاتے جاتے پلٹا...... دائیں آنکھ کے کونے کو انگوٹھے سے مسلتے ہوئے وہ مسکرایا۔

"ایک جوان محبت جیت گئی......" زیر لب بڑبڑایا...... اور ہجوم میں کہیں گم ہو گیا۔

☆☆

شعلہ عزیز

کرن کرن خوشبو

رزق

☆ اللہ فراخی دیتا ہے رزق میں جسے چاہے اور نپا تلا دیتا ہے (جسے چاہے) اور مگن ہیں یہ دنیاوی زندگی میں اور نہیں ہے دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں مگر ایک حقیر فائدہ (سورۃ الرعد نمبر ۲۶)

☆ کیا نہیں دیکھتے یہ کہ اللہ کشادہ کر دیتا ہے رزق جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہے) یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں (سورۃ الروم ۳۷)

☆ کیا وہ تقسیم کرتے ہیں تیرے رب کی رحمت، جبکہ ہم نے ہی تقسیم کی ہے ان کے درمیان ان کی روزی دنیاوی زندگی میں اور بلند کیے ہیں ان میں سے بعض کے بعض پر درجے تاکہ بنالیں ان میں سے بعض، بعض کو اپنا خدمت گار اور تیرے رب کی رحمت کہیں بہتر ہے اس (مال و دولت) سے جو یہ جمع کرتے ہیں۔

گناہ سے بچنا بھی نیکی ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر کوئی شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اسے کر گزرتا ہے تو اس کے لیے دس نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور اگر وہ نیکی نہ بھی کرے تو صرف ارادے پر ہی ایک نیکی کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اسے کر گزرتا ہے تو اس پر ایک گناہ کا بدلہ لکھا جاتا ہے اور اگر ارادے کے بعد گناہ نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔"

(مسند احمد بن حنبل)

روشن ستارے

☆ گناہ کا موقع نہ ملنا بھی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

☆ زندگی وہ نہیں جو ہم سوچتے ہیں زندگی وہ ہے جو ہم جیتے ہیں۔

☆ جب انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے تو اس کی گفتگو مختصر ہو جاتی ہے۔

☆ جھوٹ بول کر جیت جانے سے سچ بول کر ہار جانا بہتر ہے۔

☆ ذاکر اور غافل کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔

☆ ذکر الٰہی سے بڑھ کر کوئی چیز خدا کے عذاب سے نجات دلانے والی نہیں۔

شبنم حنیف...... لاہور

تقدیر کیا ہے

☆ ایک نحیف الجسم شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ کر کمزور آواز میں کہنے لگا: "اے امام! مجھے تقدیر کے بارے میں بتایئے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ایک تاریک راستہ تم اس پر نہیں چل سکو گے۔"

اس نے کہا: "مجھے آپ رضی اللہ عنہ تقدیر کے بارے میں بتایئے۔"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک گہرا سمندر ہے تم اس میں نہیں گھس سکتے ہو۔

اس آدمی نے پھر کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ مجھے تقدیر کی حقیقت بتایئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا راز ہے جو تجھ سے پوشیدہ ہے لہٰذا تم اس راز کا افشا نہ کرو۔

اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ نہیں، آپ رضی اللہ عنہ مجھے تقدیر کے بارے میں ضرور بتائیں

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کرتے ہوئے فرمایا کہ اے سوال کرنے والے! یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی منشا کے مطابق پیدا کیا ہے یا تیری منشا اور مرضی کے مطابق؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ اللہ نے اپنی مرضی کے مطابق پیدا کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ نے فرمایا کہ بس پھر وہ تجھے جس کام کے لیے چاہے استعمال کرے۔

(تاریخ الخلفاء..... ص ۴۸۹)

(ماہا بشیر..... ڈنگہ)

دیس بدیس کی کہاوتیں

☆ ہر قابل شخص کے پیچھے کئی قابل اشخاص ہوتے ہیں (چینی کہاوت)

☆ جب تک مؤرخ شکاری نہیں تاریخ کی کتب میں ہیرو شیر ہی ملے گا (افریقی کہاوت)

☆ جو کیل ابھرا ہوتا ہے، ہتھوڑا اس کا مقدر ہوتا ہے، ابھرے ہوئے کیل کو ہمیشہ دبا دیا جاتا ہے (جاپانی کہاوت)

☆ پینٹر اور وکیل بہت جلد سیاہ کو سفید کر دیتے ہیں (لاطینی کہاوت)

☆ جب کوئی کبوتر یا مینا، کووں سے تعلق جوڑ لیتی ہے تو اس کے پنکھ تو سفید رہتے ہیں لیکن اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے (جرمن کہاوت)

سحر تبسم سحری..... مغل پورہ

جہاں لوگ.....

☆ ڈاکٹر کو زیادہ محترم مانیں، وہ بیمار ذہنیت کے ہیں۔

☆ جرنیل کو زیادہ محترم مانیں، وہ شدت پسند وحشی ہیں۔

☆ سب سے زیادہ استاد کو محترم مانیں، وہی حقیقی تہذیب یافتہ ہیں۔!!

(افلاطون)

صائمہ سحر..... فیصل آباد

بایزید بسطامیؒ کا چراغ

حضرت بایزید بسطامیؒ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پڑوس میں ایک آتش پرست رہتا تھا۔ اس کا ایک شیر خوار بچہ تھا۔ بچہ رات کی تاریکی میں روتا رہتا تھا۔ اس لیے کہ، آتش پرست ایک غریب شخص تھا، اور چراغ جلانے کے لیے بھی اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ ایک رات بچہ بہت رویا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اٹھے اور اپنا چراغ اس کے گھر چھوڑ آئے بچہ چپ ہو گیا۔ دوسری رات بھی حضرت بایزید نے ایسا ہی کیا اور پھر تیسری رات بھی۔ آپ کے اس سلوک کا اس آتش پرست کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ جب شیخ بایزید کی روشنی ہمارے گھر میں آ پہنچی تو اب ہمیں زیبا نہیں کہ ہم کفر کی تاریکی میں ہی بھٹکتے پھریں چلو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے (تذکرۃ الاولیاء)

اللہ کے مقبول اولیاء اخلاص کے ساتھ اپنے حسن اخلاق کے نقوش چھوڑ دیتے ہیں اور پھر نتائج اللہ پر چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

(گلشن چوہدری..... گجرات)

"میں"

میں چٹیاں فجراں بدی آں!
مینوں گھپ انھیرے لبدے نے!
مینوں دل دا محرم نئیں ملیا
مینوں یار، ہنھیرے لبدے نے!

تبسم بشیر حسین..... ڈنگہ

ایمرجنسی

خاتون ایمرجنسی نمبر پر ایمبولینس کو فون کرتی ہیں۔

آپریٹر: "یس پلیز!"

خاتون: "میرے پاؤں کی انگلی چائے کی میز سے ٹکرا گئی ہے۔" آپریٹر ہنستے ہوئے: "اور اس کے لیے آپ ایمبولینس بلانا چاہتی ہیں۔"

خاتون: "نہیں ایمبولینس تو میرے شوہر کے لیے ہے انہیں ہنسنا تو نہیں چاہیے تھا نا۔"

بچپن

ہمارے انگریزی کے استاد ہمیں کہا کرتے تھے کہ تم اپنے اندر بچپن کو کبھی مرنے نہ دینا۔ اس طرح تم بوڑھے نہیں ہوں گے۔ اگر تم اپنے بچپن کو اپنے اندر سنبھال کر نہ رکھ سکے تو پھر تمہیں بوڑھا ہونے سے کوئی نہ روک پائے گا۔ شاید ہم سب کو ضرورت ہے کہ ہم سب اپنے اندر بچپن کی وہ خوبیاں اجاگر کریں جو نفرت، حسد اور اس جیسی برائیوں سے ہوتی ہیں۔ محبت بچپن کا خاصہ ہے معصوم شرارتیں اور بونگیاں ذہنی تندرستی کے لیے بہت ضروری ہے۔

(اشفاق احمد)

سیدہ لوبا سجاد..... کہروڑپکا

ڈاڑھی موچھ

نامور ادیب اور شاعر سید اکبر حسین الہ آبادی اپنی روشن خیالی کے باوجود مشرقی تہذیب کے دلدادہ تھے اور وضع کے پابند۔

داڑھی منڈانے کا رواج ہندوستان میں عام تھا لیکن لارڈ کرزن جب ہندوستان آئے تو ان کی دیکھا دیکھی موچھ کا بھی صفایا ہونے لگا۔ پہلے پہل خان بہادر سید آل نبی وکیل آگرہ اور مسٹر مظہر الحق بیرسٹرایٹ لاء نے لارڈ کرزن کی تقلید کی پھر تو انگریزی داںوں میں عام رواج ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ہجو میں حسب ذیل قطعہ ارشاد فرمایا۔

کر دیا کرزن نے زن مردوں کو، صورت دیکھیے
آبرو چہرے کی سب فیشن بنا کر پونچھ لی
سچ یہ ہے انسان کو یورپ نے ہلکا کر دیا
ابتداء ڈاڑھی سے کی، اور انتہا میں موچھ لی

افشاں سمیع..... کراچی

گوہر نایاب

☆ جب تم کسی شہر میں چوروں کو حکمران بنتا دیکھو تو اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو اس ملک کا سسٹم کرپٹ ہے یا وہاں کی عوام بے شعور ہے (لی کوان یو)

☆ دنیا کے کسی اور موضوع پر اتنی خرافات نہیں لکھی گئیں جتنی شادی کے مسئلے پر (جارج برنارڈ شا)

☆ جنگ محبت سے بہتر ہے کیوں کہ جنگ کے آخر میں تم زندہ رہتے ہو یا مر جاتے ہو لیکن محبت کے آخر میں تم نہ مرتے ہو، نہ جیتے ہو (ہٹلر)

☆ عام لوگوں کی خواہشات اور امیدیں ہوتی ہیں، کامیاب لوگوں کے مقصد اور منصوبے ہوتے ہیں (بل گیٹس)

☆ خیالات کی جنگ میں کتابیں ہتھیاروں کا کام دیتی ہیں (البیرونی)

فضہ نور..... روہڑی

کیا تم بھی؟

شام کی دہلیز پر اس کا دیپ جلاتے ہو
اور کسی برگ آوارہ آہٹ پر
دروازے کی جانب بھاگتے ہو
کیا تم بھی؟
درد چھپانے کی کوشش کرتے کرتے
اکثر تھک جاتے ہو، اور بن کارن مسکاتے ہو
کیا تم بھی؟
نیند سے پہلے پلکوں پر ڈھیروں خواب سجاتے ہو
یا پھر بے خواب جزیروں میں
روتے روتے سو جاتے ہو
کیا تم بھی؟

فوزیہ شریٹ، ہانیہ عمران..... گجرات

بُشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

ایشال فاطمہ، کی ڈائری میں تحریر

سوہن راہی کا گیت

آنسو موتی دُکھ کا گہنا،

آنسو موتی دُکھ کا گہنا
ہم نے اس کو، اس نے ہم کو
نس دن چاہا، نس دن پہنا

کیسے پنکھ لگا کے اُڑیں ہم
اب جیون سے کیا مکریں ہم
دُھوپ چھاؤں کے اس جنگل میں
ساری عمر یاد رہنا
ہم کو ساری عمر یاد رہنا
دھرتی پر انسان پرچھائی
کوئی نہیں اس کی گہرائی
پھر بھی اس کو اس دھرتی کا
ہر اک گھاؤ ہے سہنا
ہم کو ہر اک گھاؤ ہے سہنا

سانسوں کی ڈوری میں بُن کے
سمے کی دیواروں میں چُن کے
کہیں وہ ہم کو بھول گیا ہے
اس کو جا کر کہنا
دا ہی اس کو جا کر کہنا

یاسمین فرید، کی ڈائری میں تحریر

زہرا نگاہ کی نظم

ایک اور پُرانی کہانی،

چرواہے کی البڑ بیٹی آج بہت حیران ہوئی ہے
خالی برتن ہاتھ میں تھامے واپس گھر کو لوٹ آئی ہے
کل تک اس کی گائیں دودھ کی وہ ندیاں تھیں
جن کی نہریں گاؤں گاؤں پھوٹ رہی تھیں
رات کی رات میں ایسا کیسے ہو سکتا ہے
خالی برتن خالی کیسے رہ سکتا ہے

چرواہا بولا، بیٹی! ایسا ہوتا ہے
اور ایسا پہلے بھی ہوا ہے
ہری بھری نگری کا راجہ جب بدنیت ہو جاتا ہے
کھیت سے دانہ، کنوؤں سے پانی، دودھ تھنوں
سے اُڑ جاتا ہے

نیلم بشیر، کی ڈائری میں تحریر

سلیم عثمانی کی غزل

دعویٰ تو یہاں کرتے ہیں سب دیدہ وری کا
رونا ہے مگر پھر بھی بہت کم نظری کا

قسمت کے لکھے پر کوئی شاکر نہیں دیکھا
سودا ہے ہر اک سر میں یہاں دربدری کا

دُنیا ہی کے عیبوں پہ نظر کرتے ہیں
سیکھا نہ ہُنر ہم نے کبھی خودنگری کا

جیتے ہیں نہ مرتے ہیں غمِ عشق کے مارے
کیا خوب ہے انداز تری چارہ گری کا

کیوں حرفِ دُعا سہما سا رہتا ہے لبوں پر
دھڑکا سا لگا رہتا ہے کیوں بے اثری کا

چادر سے ہیں نکلے ہوئے ہر شخص کے پاؤں
بے کام وہی آج بھی دریوزہ گری کا

منزل کا تعین ہے نہ رستوں کی خبر ہے
جاری ہے سفر اب بھی وہی بے خبری کا

ہم خود ہی کلیم اپنے ارادوں کے ہیں پتھر
شکوہ ہے زبانوں پہ مگر راہبری کا

سیّدہ لوبا سجاد، کی ڈائری میں تحریر

احمد فراز کی غزل

وہ رشتے ترک کرتا ہوں، وہ منزل چھوڑ دیتا ہوں
جہاں عزت نہیں ملتی وہ محفل چھوڑ دیتا ہوں

کناروں سے اگر میری خودی کو ٹھیس پہنچے تو
بھنور میں ڈوب جاتا ہوں وہ ساحل چھوڑ دیتا ہوں

مجھے مانگے ہوئے سائے ہمیشہ دھوپ لگتے ہیں
میں سورج کے گلے پڑتا ہوں، بادل چھوڑ دیتا ہوں

تعلق یوں نہیں رکھتا، کبھی رکھا کبھی چھوڑا
جسے میں چھوڑ دیتا ہوں، مکمل چھوڑ دیتا ہوں

قُدسیہ ثمر بیٹ، کی ڈائری میں تحریر

استاد ولی دکنی کی غزل

مل بھی جاتے ہیں تو کترا کے گزر جاتے ہیں
ہائے موسم کی طرح دوست بدل جاتے ہیں

ہم ابھی تک ہیں گرفتارِ محبت یارو
ٹھوکریں کھا کے سنا تھا کہ سنبھل جاتے ہیں

عمر بھر جن کی وفاؤں پر بھروسا کیجیے
وقت پڑنے پر وہی لوگ بدل جاتے ہیں

اس تغافل پہ یہ عالم کہ ہر اک محفل سے
وہ بھی گاتے ہوئے ولی کی غزل جاتے ہیں

صائمہ سحر، کی ڈائری میں تحریر

اعتبار ساجد کی غزل

دُکھوں کی شدتیں، زخموں کی گہرائی مجھے دے دو
مسیحا تم سہی، اذنِ مسیحائی مجھے دے دو

تم اپنی ذات میں خود انجمن ہو، تم کو کیا غم ہے؟
میں تنہا ہوں، یہ ذوقِ بزم آرائی مجھے دے دو

تم اپنے دل کے دروازے مقفل شوق سے کر لو
بس اپنی ذات سے اذنِ شناسائی مجھے دے دو

تمہارے بعد ہر منظر مجھے بے رنگ لگتا ہے
یہ آنکھیں چھین لو، یا اپنی بینائی مجھے دے دو

میں سانسوں میں سمو لوں گا تمہاری ہر امانت کو
یہ وحشت ناک سناٹے، یہ تنہائی مجھے دے دو

میری شہرت تمہارے کام آ جائے تو حاضر ہے
تمہیں دُنیا نے بخشی ہے جو رسوائی مجھے دے دو

طاہرہ خاتون، کی ڈائری میں تحریر

منیر نیازی کی غزل

اس سمت مجھ کو یار نے جانے نہیں دیا
اک اور شہرِ یار میں آنے نہیں دیا

کچھ وقت چاہتے تھے کہ سوچیں ترے لیے
تُو نے وہ وقت ہم کو زمانے نہیں دیا

منزل ہے اس مہک کی کہاں کس چمن میں ہے
اس کا پتا سفر میں ہوا نے نہیں دیا

روکا انا نے کاوشِ بے سود سے مجھے
اس بت کو اپنا حال سنانے نہیں دیا

ہے جس کے بعد عہدِ زوال آشنا منیر

گڑیا شاہ _____ کہروڑ پکا

ضبط کا عہد بھی ہے شوق کا پیمان بھی ہے
عہد و پیماں سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے
درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
اور سکوں ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

عائشہ _____ گوجرہ

آؤ مل جاؤ کہ یہ وقت نہ پاؤ گے کبھی
میں بھی ہمراہ زمانے کے بدل جاؤں گا

کرن رحمٰن _____ دبئی

ابتدا ہی میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

حنا خان _____ جہلم

جو دل دُکھا ہے تو یہ عزم بھی ملا ہے ہمیں
تمام عمر کسی کا نہ دل دکھائیں گے ہم

لائبہ _____ آزاد کشمیر

بدن کے کرب کو وہ بھی سمجھ نہ پائے گا
میں دل میں روؤں گی آنکھوں میں مسکراؤں گی

ثمینہ مرتضیٰ _____ خان پور

آخر دُعا کریں بھی تو کس مدعی کے ساتھ
کیسے زمین کی بات کہیں آسماں سے ہم

سیما کنول _____ ملتان

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا ہوا

عشرت جہاں _____ ڈی جی خان

ہوائے دشت مجھے اب تو اجنبی نہ سمجھ
کہ اب تو بھول گئے راستے بھی گھر کے مجھے
کچھ اس لیے بھی میں اس سے بچھڑ گیا محسن
وہ دُور دُور سے دیکھے ٹھہر ٹھہر کے مجھے

ندا امام _____ حاصل پور

بڑی عجیب ہے نادان دل کی خواہش یارب
عمل کچھ نہیں اور دل طلب گار ہے جنت کا

شناء شہزاد _____ کراچی

زخم جھیلے داغ بھی کھائے بہت
دل لگا کر ہم تو پچھتائے بہت

انیلا ادریس _____ راولپنڈی

وہ آ رہے ہیں وہ آتے ہیں آ رہے ہوں گے
شب فراق یہ کہہ کر گزار دی ہم نے

نمرہ، اقرا _____ کراچی

ایک پل میں جو برباد کر دیتے ہیں دل کی بستی کو فراز
وہ لوگ دیکھنے میں اکثر معصوم ہوتے ہیں

اُجالا کنول _____ راجن پور

بڑی بے چین رہتی ہے طبیعت اب میری محسن
مجھے اب قتل ہونا ہے، مگر قاتل نہیں ملتا

فرح خان _____ کراچی

تو ملا نہ کر مجھے پیار سے، مجھے عشق ہے تیرے وار سے
تیرے قہر میں، تیرے زہر میں، جو مٹھاس ہے مجھے راس ہے

کنول شاہین _____ تلہ گنگ

پت جھڑ کی دہلیز پہ بکھرے
بے چہرہ پتوں کی صورت
ہم کو ساتھ لیے پھرتی ہے
تیرے دھیان کی تیز ہوا

آسیہ جاوید _____ علی پور چھمہ

اب تو خود اپنی ضرورت بھی نہیں ہے ہم کو
وہ بھی دن تھے کہ کبھی تیری ضرورت ہم تھے

فضہ یوسف _____ کراچی

شکایتیں ساری جوڑ جوڑ کر رکھی تھیں میں نے
گلے اپنے لگا کے اس نے سارا حساب بگاڑ دیا

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

نفرت کا ثبوت

ہر شادی شدہ عورت اپنے میکے جانا چاہتی ہے، یہ اس کا بنیادی حق ہے، لیکن مجھے اس معاملے میں بھی نکتہ چینی کا سامنا رہا، ایک دفعہ میں نے کہا کہ میں چار دن کے لیے اپنی امی کی طرف جانا چاہتی ہوں، کچھ دیر سوچ کر بولے۔

"ٹھیک ہے چلی جاؤ، لیکن اگر چار دن کے لیے کہا ہے تو اپنی بات پر قائم رہنا، تیسرے دن نہ آ جانا۔"

میں جانے کی تیاری کر ہی رہی تھی کہ ایک ملازم میرے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"بی بی جی، آپ نہ جائیں۔ میں حیران رہ گئی، وجہ پوچھی تو ادھر ادھر دیکھ بے بسی سے بولا۔" آپ چلی گئیں تو صاحب جی کے لیے کھانا کون بنائے گا؟ اور اگر ان کے لیے کھانا نہ بنا تو وہ ہماری پلیٹیں صاف کر جائیں گے۔"

یہ سن کر مجھے ایک دھچکا سا لگا، کتنے دکھ کی بات تھی کہ ایک بندہ خود تو ملازمین کا کھانا کھانا گوارا لیکن اس میں سے بیوی کے لیے کچھ بھی نہ رکھے۔

(ایک خاتون کی کتاب سے کچھ اقتباسات.....
گل نوخیز اختر)

فوزیہ شربٹ، ہانیہ عمر..... گجرات

بدبو

اپنے آپ سے بدبو آنا، اپنی گندگی کا احساس ہونا بہت بڑا کرم ہے ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہمیں اپنے سے بدبو نہیں آتی، دوسروں سے آتی ہے۔ اگر آپ کو اپنے آپ سے بو آنے لگی ہے تو یہ حکیم کا کرم ہے۔

(ممتاز مفتی..... لبیک)

اقراء عزیز..... گاؤں دریا خان جلبانی

دل کا سکون

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ انسان نے انسان کی آسانی کے لیے کیسی کیسی ایجادات کی ہیں۔ ہماری زندگی کا شاید ستانوے فیصد سکھ دوسروں کی تیار کردہ ایسی ہزاروں چیزوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔ سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک سبھی کچھ جو ہمارے روزمرہ کے استعمال میں آتا ہے۔ وہ سبھی کوئی اور ہمارے لیے بنا کر گیا ہے ہم صرف چند سکے خرچ کر کے ان ایجادات کے آرام و سکون کے حق دار بن جاتے ہیں۔ شاید اس بات نے ان سکوں کے حصول کو اس قدر مشکل بنا دیا ہے۔ لیکن سکون کا حصول صرف ان سکوں سے ہی مشروط نہیں ہوتا۔ دل کا سکون کائنات کی ایک انمول کیفیت ہے اور اس بات کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کے اپنے دل کا سکون لٹ چکا ہو۔ ہم انسان بھی کتنے نادان ہوتے ہیں جب تک دل کا قرار اپنے قابو میں ہوتا ہے ہم اسے بازاروں میں لٹ جانے کے لیے پھرتے ہیں۔ ہر طرف اٹھتی نگاہ کا بس ایک ہی حاصل ایک ہی منزل ہوتی ہے۔ کوئی دلبر..... کوئی محبوب..... اور جب وہ دلبر ہم سے ہمارا چین و سکون لے اڑتا ہے تو پھر ہم اس کی دہائی دیتے پھرتے ہیں۔

(ہاشم ندیم..... خدا اور محبت)

صائمہ سحر..... فیصل آباد

مرنے کی جگہ

ویسے تو مرنے کے لیے کوئی بھی جگہ ناموزوں نہیں، لیکن پرائیویٹ اسپتال اور کلینک میں مرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مرحوم کی جائیداد جمع کتھا اور بینک بیلنس کے بٹوارے پر پسماندگان میں خون خرابا نہیں ہوتا کیوں کہ وہ سب ڈاکٹروں کے حصے میں آ جاتے ہیں۔ افسوس! شاہ جہاں کے دور میں پرائیویٹ اسپتال نہ تھے۔ وہ ان میں داخلہ لے لیتا تو قلعہ آگرہ میں اتنی طویل مدت تک اسیر رہنے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جینے سے صاف بچ نکلتا۔

(مشتاق احمد یوسفی..... زرگزشت)

ماہا بشیر حسین..... ڈنگہ

روبینہ شریف

مسکراتی کرنیں

سوا سیر

ایک مجرم کو پھانسی ہونے والی تھی کہ جج نے پوچھا۔ ''تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟''

مجرم بولا۔ ''آپ کی بیٹی سے شادی۔ ایک کروڑ روپے۔ ایک کرولا۔ ایک سیم سنگ فون۔ دو سال کا پیرس کا ہنی مون۔ پانچ چھ بچے جو آپ کو نانا کہیں پھر ان کی شادی بس۔'' اس کی بات پر جج بہت ہنسا اور بولا۔

''میری تو کوئی بیٹی نہیں، لٹکا دو اسے۔''

گلشن چوہدری...... گجرات

وجہ پریشانی

ایک لڑکا پریشان بیٹھا تھا۔

''دوست کیا ہوا؟''

لڑکا۔ ''ایک خط ملا ہے، اس میں پستول کی گولی ہے اور لکھا ہے میری بہن سے ملنا چھوڑ دو ورنہ گولی مار دوں گا۔''

دوست: ''تو تم چھوڑ دو نا۔''

لڑکا: ''یہ ہی تو مسئلہ ہے کہ کس کس کو چھوڑوں۔ اس نے بہن کا نام تو لکھا ہی نہیں۔''

ماہا حسین...... ڈنگہ

معلومات

فرینڈ: ''ایک بات بتاؤ۔''

می: ''جی پوچھو۔''

فرینڈ: ''یہ بتاؤ کن عورتوں کو پتا ہوتا ہے کہ ان کے شوہر کہاں ہیں؟''

می: ''پتا نہیں۔''

فرینڈ: ''پاگل! بیوہ عورتوں کو۔''

ہاہاہاہا......

حسنیٰ اقبال...... منڈی فیض آباد

لاعلاج

بیوی اپنی شوہر کا موبائل چیک کر رہی تھی۔ اس میں نمبر کچھ اس طرح سے محفوظ تھے۔

دل بہلانے کا علاج، خوشی کا علاج، غم کا علاج۔

بیوی نے اپنا نمبر چیک کیا تو لکھا تھا۔ ''لاعلاج۔''

ایشال فاطمہ...... کراچی

حقوق

لاہور میں راجندر سنگھ بیدی کے گھر کے آگے ایک بھینس بندھی رہتی تھی، جس پر ان کے دوستوں کو اعتراض تھا۔ ایک دن ایک دوست نے سختی سے اعتراض کیا تو انہوں نے کہا۔

''بھئی ہندو کا محبوب جانور گائے ہے اور مسلمانوں کا اونٹ ہے۔ کیا ہم سکھوں کو اپنے محبوب جانور بھینس کو پالنے کا حق نہیں ہے؟''

حمدہ واجد...... کراچی

ضرورت

ایک عمر رسیدہ عورت سے کسی نے پوچھا کہ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟

''میرے پاس ایک کتا ہے جو بھونکتا رہتا ہے۔ طوطا ہے جو قسمیں کھاتا ہے۔ چولہا ہے جو دھواں دیتا رہتا ہے اور بلی ہے جو راتوں کو غیر حاضر رہتی ہے۔ پھر مجھے شادی کی کیا ضرورت ہے۔''

فائقہ سہیل...... کراچی

الیکشن

الیکشن میں کھڑا ہونے کو اس نے بھینس بیچی ہے
سیاسی کارکن کو دودھ اب کس کا پلائے گا
چلو اس کو بھی چھوڑو، تم مجھے اتنا ہی بتلا دو
کہ اب وہ بین کس کے سامنے جا کر بجائے گا

سمیرا انورین...... گوجرانوالہ

کفایت شعاری

باپ بیٹے سے: ''کیا تمہارے سالانہ امتحان ختم ہو گئے؟''

بیٹا: ''جی، رزلٹ بھی آ گیا۔''

باپ: ''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟''

بیٹا: ''اس لیے کہ نئے کورس کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔''

لاریب انجم...... لاڑکانہ

آرزو

''کیا آپ کے بچپن کی کوئی آرزو پوری ہوئی؟''

''ہاں، جب امی میرے بال پکڑ کر کھینچتی تھیں تو میں آرزو کیا کرتا تھا کہ کاش میرے سر پر بال نہ ہوتے۔''

صدف عمران...... کراچی

وٹہ سٹہ

انٹرویو کے دوران افسر نے امیدوار کے ضبط و تحمل کا امتحان لینے کی نیت سے سوال کیا کہ اگر وہ امیدوار کی بہن سے شادی کرنا چاہے تو اس کا ردعمل کیا ہو گا؟

امیدوار نے غصے یا برہمی کا اظہار کیے بغیر افسر کو آگاہ کیا کہ کوئی ردعمل نہیں ہو گا کیونکہ اس کے خاندان میں وٹے سٹے کا رواج ہے۔

بشریٰ رفیق...... ٹنڈو آدم

مجبوری

پولیس افسر: ''تم نے اتنی چوریاں کیں مگر کسی کو اپنا ساتھی نہیں بنایا؟''

ملزم: ''آپ تو جانتے ہیں انسپکٹر صاحب! آج کل ایمان دار آدمی ملتے ہی کہاں ہیں؟''

حرا اسماعیل...... جڑانوالہ

شہرت

تین دوست کھانا کھانے کے دوران شہرت کے موضوع پر بحث کر رہے تھے۔ ایک بولا۔

''شہرت یہ ہے کہ صدر مملکت بات چیت کے لیے ایوان صدر بلائیں۔''

دوسرے نے کہا۔

''نہیں، شہرت یہ ہے کہ صدر مملکت بات چیت کے لیے ایوان صدر بلائیں اور دوران گفتگو اگر ہاٹ لائن پر ٹیلی فون کی گھنٹی بجے تو اس پر کوئی توجہ نہ دیں۔''

''تم دونوں غلطی پر ہو۔'' تیسرے نے کہا۔

''شہرت یہ ہے کہ صدر مملکت بات چیت کے لیے بلائیں اور دوران گفتگو اگر ہاٹ لائن پر ٹیلی فون کی گھنٹی بجے تو صدر اس پر توجہ دیں اور پھر...... ریسیور تمہاری طرف بڑھا کر کہیں......

''لیجیے آپ کا فون ہے۔''

غزالہ حمید...... لاہور

شکر ہے

لڑکا ماں سے......

''امی! آج میں نے دعوت میں اتنا کچھ کھایا کہ میں دیوار کے سہارے چل کر یہاں تک آیا ہوں۔''

اماں......

''اللہ کا شکر ہے کہ تم اپنے مرحوم باپ پر نہیں گئے ہو، اسے تو لوگ چارپائی پر لٹا کر لاتے تھے۔''

سمیرا بٹ...... پنڈی ☆☆

مسعود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال وجواب شائع کیے جارہے ہیں۔

ذوالقرنین

صومیہ عنایت...... پشاور

س۔ کتے، بلی اور گھوڑے میں سے زیادہ وفادار جانور کون سا ہے؟

ج۔ اتنی سی بات نہیں پتا...... تمہیں...... یا بلی سے ویسے ہی کوئی دشمنی ہے۔

منزہ اختر...... گوجرانوالہ

س۔ بھیا! سنا ہے کہ آپ پچھلے جنم میں مجنوں تھے، کیا واقعی؟

ج۔ صرف پچھلے جنم میں ہی کیوں؟

حسینہ تجمل حیدری...... پنڈدادنخان

س۔ نفرت کو محبت میں بدلنے کا طریقہ تو عنایت فرمائیں؟

ج۔ محبت صرف محبت۔

عامرہ منیر اقبال...... فیصل آباد

س۔ بھیا جی! ذرا جلدی سے روتے ہوئے کو چپ کرانے کا آسان طریقہ بتا دیجیے؟

ج۔ خوب صورت سا کوئی جھوٹ بول دیجیے۔

شبنم ملک...... کراچی

س۔ مسٹر ذوالقرنین! کوئی آپ کی تعریف میں سوال کرے تو آپ خوش ہو کر اور کوئی آپ پر تنقیدی سوال کرے تو آپ اتنا تپ کے کیوں جواب دیتے ہیں۔ امید تو نہیں ایسے بھنائے ہوئے سوال کا جواب ملے، کیوں؟

ج۔ جواب حاضر ہے، اب کیا خیال ہے۔

فرحین کوثر...... علی پور چٹھہ

س۔ اگر آئینہ ایجاد نہ ہوتا تو عورتیں میک اپ کیسے کرتیں؟

ج۔ یہ عورت سے کیا جانے والا سوال مجھ سے کیوں؟ اپنے آپ سے پوچھیں۔

نسرین قادری...... ٹھٹھہ

س۔ سنا ہے ایک لڑکی تم سے پیار کے بجائے صرف ادھار مانگ رہی ہے۔ دونوں میں سے کیا دینا آسان ہے، سوچے مت جلد جواب دیں؟

ج۔ اتنی جلدی میں تو صرف ادھار دینا۔

عامی...... گوجرانوالہ

س۔ نین! عورتوں کی حکومت آگئی ہے۔ اب مردوں کو بھی چوڑیاں پہنائی جائیں گی۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ پہننے کے لیے؟

ج۔ پہنا کون رہا ہے، پہلے یہ بتاؤ؟

مدیرہ کرن

نامے میرے نام

اقراء ممتاز...... سرگودھا

دو ماہ بعد آپ نے اس ناچیز کو تھوڑی سی جگہ دے دی۔ فضہ نور! خوشی ہوئی آپ نے ہماری کمی محسوس کی۔ اس دفعہ کی ٹائٹل گرل خاص پسند نہیں آئی "خوشیوں کے رنگ میں" سب آرٹسٹ کو پڑھا۔ اریج فاطمہ کا ایک زبردست سا انٹرویو بھی ہو جانا چاہیے۔ مایا علی اور علی عباس سے ملاقات کی۔ "مقابل ہے آئینہ" میں سحر النساء تبسم کے جوابات بس سو سو ہی تھے۔

سب سے پہلے اپنا فیورٹ ناول "لذت غم عشق" پڑھا عروش اور عدی کی کھٹی میٹھی شرارتوں سے خاصے لطف اندوز ہوئے۔ عفاف اور مبین نیازی دونوں ہی ٹکر کے ہیں۔ دل آویز کا کردار کچھ مشکل ہو رہا ہے۔ بہرحال کہانی خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

"غم ہے یا خوشی ہے تو" التمش آخر کار تم سونیا کے لیے ہاں کرتے نظر آہی گئے۔ میڈم تہمینہ تمہاری باتیں سن کر اتنا غصہ آرہا تھا دل کر رہا تھا اس کہانی سے اٹھا کر باہر پھینک دوں۔ التمش اب تم پر غرور سجے گا جب تم سب کے سامنے سونیا کو اپناؤ گے۔

"ہوائیں رخ بدل گئیں" اب ہوائیں نہیں آندھیاں رخ بدلیں گی۔ حمزہ شہرینہ کے سامنے کیسے اپنا دفاع کر پاؤ گے۔ کہانی میں ایک ٹوسٹ آیا ہے اب مزا آئے گا۔

"جادو بستی" ایمل رضا کی کہانی واقعی جادوئی تھی۔ ملیسا نے کتنی گھٹیا حرکت کی۔ کیتھی نے صحیح دوستی کا فرض نبھایا۔ بہت انٹرسٹنگ اسٹوری تھی۔ آخر کار برہا اور حمدان ایک ہو ہی گئے۔ حمدان کا پروپوزل والا سین کچھ منفرد تھا۔

"بند کواڑ" کیا فنٹاسٹک اسٹوری تھی۔ غیور سبحان نے ثابت کر دیا کہ اپنے اپنے ہوتے ہیں اور پرائے کبھی اپنے نہیں بن سکتے۔ شہریار نیازی بس تمہاری یہ ہی محبت تھی زریں سے کچھ پوچھے بغیر خود ہی ایک طرف ہو گئے۔ زریں تمہارے لیے خوشی کا مقام تھا کہ لقمان جیسا محبت کرنے والا شخص تمہارا مقدر ٹھہرا۔

"آنچل میں ستارے" اس ماہ کی نمبرون اسٹوری تھی۔ باسط کے ساتھ تو بہت اچھا ہوا۔ جو اس کو حرا نہیں ملی۔ کچھ لوگ واقعی ایسے ہوتے ہیں جنہیں دوسرے لوگوں کی خوشیاں ہضم نہیں ہوتی۔

افسانہ "تیری بیوی" گل ارباب نے بالکل صحیح لکھا ہے۔ شادی کو سال گزرا نہیں ہوتا ساسوں کو بچہ چاہیے۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے مگر آج بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو بہت گھٹیا اور منفی سوچ رکھتے ہیں۔ جاناں نے ثابت کر دیا آج کے دور میں اگر ہم اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھائیں گے تو یہ دنیا ہمیں اپنے قدموں تلے روندتی چلی جائے گی۔

اس دفعہ سارا کرن بیسٹ تھا۔ "شب نم کی سحر" اس دفعہ کی قسط بیسٹ تھی اب دیکھیے کہ اسماء کیسے مدد کرتی ہے ساجد اور عابد کی۔

ج: اقراء جی! کہانیاں پسند کرنے کا بہت شکریہ آپ کا خط جب بھی ملتا ہے ہم ضرور "نامے میرے نام" میں شامل کرتے ہیں۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

ستمبر کا شمارہ ملا۔ فہرست سے ہوتے ہوئے "شب

نم کی سحر" پر گئے۔ کہانی کچھ متاثر نہیں کر رہی...... ہر بار ایک نئی امید کے ساتھ اس کہانی کو پڑھنا شروع کرتے ہیں کہ شاید اب کی بار مزا آجائے مگر نہیں...... رخ چوہدری لگتا ہی نہیں یہ آپ کی تحریر ہے۔

"ہوائیں رخ بدل گئیں" یہ کہانی پھر بھی اچھی چل رہی ہے...... ربیکا تو درشہوار سے بھی زیادہ ڈھیٹ ثابت ہو رہی ہے۔ "غم ہے یا خوشی" ارے ماسٹر صاحب آپ کی اسٹوری تو سننے کا مزا آرہا ہے اور آپ بھی ہر بار کسی نہ کسی بہانے سے ہمیں انتظار کی سوئی پر لٹکا جاتے ہیں۔ اپنے ضروری کام بعد میں کرلیا کریں نا۔

التمش، اب اچھے لگنے لگے ہو...... محراب تو پہلے بھی ہماری چہیتی تھی آج بھی ہے۔ التمش کیا ہے بھئی...... ایک بار پھر اس زرمین چڑیل کے ہتھے چڑھ گئے ہو۔ جلدی جان چھڑواؤ اس سے، ہمیں نہیں پسند وہ خودغرض لڑکی...... زبان دراز بھی...... (اضافی خوبی) اور ویسے زرمین تمہاری اماں بھی کم نہیں ہیں۔ تم کہیں ان پر تو نہیں چلی گئی۔" (یقیناً) "لذت غم عشق" دل آویز غلطی تو تمہاری ہے۔ اور مانی غصہ بھی ٹھیک کر رہا ہے۔ مگر پھر جب تم ہر بات کے جواب میں ایک ہی دلیل رکھتی ہو تا...... تو ماننا پڑتا ہے کہ شاید محبت میں انسان اتنا ہی بے بس ہوتا ہو...... جتنا تم یا ہر دوسری کہانی کے ہیرو، ہیروئین......

آہ (اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا)

عفاف یقیناً دل آویز ہی ہے۔ جس کے عشق میں مبین نیازی "گوڈوں گٹوں" سمیت ڈوبے ہوئے ہیں۔ (اندازہ) عروش بچ کر رہنا عدی صاحب خاصے جلد باز قسم کے لگتے ہیں۔ مبین نیازی تم جو اس قسط کے آخر میں "بت" بن گئے ہو اگلی قسط کے شروع میں تم نے ہی وہ مٹھائیوں کے ٹوکرے بانٹتے پھرنا ہے...... ویسے تھوڑی سی کہانی اور ہوتی اور مبین نیازی مٹھائی بانٹ لیتے تو اچھا تھا...... اب اگر اتنی گرمی میں مٹھائی خراب ہوگئی تو؟ "جادو بستی" یار بہ ہاتم اور حمدان مجھے بھی ہتھیلی پر پھونک مار کر افشاں اڑانے کا جادو سکھا دو نا...... مجھے بھی کسی کو حیران کرنا ہے۔ (سکھاؤ گے نا؟)

اچھی کہانی اچھے اختتام کو پہنچی تو اچھا لگا۔ "بند کواڑ" زریں تم واقعی میں خوش قسمت نکلیں لقمان کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا ہے۔ اوپر سے اتنی محبت کرنے والی نندیں ہوں تو "سونے پر سہاگا" والی بات ہو۔ شہریار تمہارے ساتھ بالکل ٹھیک ہوا۔ بغیر تصدیق کے فیصلے سنانے والوں کی ساتھ بالآخر یہی کچھ ہوتا ہے۔ جلد بازی، انسان کو لے ڈوبتی ہے اور ویسے بھی جس محبت میں "یقین" نہ ہو اس محبت کو آگ لگا دینا بہتر ہوا کرتا ہے میرے خیال میں کہانی اچھی رہی۔

"آنچل میں ستارے" حرا تم واقعی میں ہیرا تھیں۔ سارے گھر کو تم نے چند ماہ میں اپنے اصل کی طرف پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ باسط صاحب اتنی جلدی فیصلے صادر نہیں کرتے اور نہ ہی بعض دفعہ آنکھوں دیکھا کانوں سنا سچا ہوتا ہے...... اور سچی بات تو یہ ہے کہ حرا کی موٹی عینک کی تمہیں زیادہ ضرورت تھی۔ تمہارا بائیک چلانے والا کام بڑا پسند آیا ہمیں۔

"نامے میرے نام" فضہ نور اتنی دیر بعد آئی ہو...... خیریت تھی نا......؟ آتی رہا کرو۔

اقرا ممتاز تم سے تو کہیں نہ کہیں ملاقات ہو ہی جاتی ہے۔ جو ہمیں خوشی دیتی ہے۔

"مقابل ہے آئینہ" سحر النساء تبسم اچھا لکھا تمہیں پڑھ کر سادہ سی مخلص سی لڑکی لگی ہو۔ جیتی رہو آباد رہو۔ شوبز کے ستاروں سے تو ذرا کم ہی ملاقات کرتی ہوں۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ پاک ہم سب پر اس ملک پر اپنا کرم فرمائے۔ (آمین)

ارے ہاں بہن کی شادی کا احوال بھیج رہی ہوں وہ ضرور لگانا ہے...... بالکل بھائی کی شادی کے احوال کی طرح بڑی خوشی ہوگی...... شکریہ

ج: فائزہ! آپ کو بہن کی شادی کی بہت بہت مبارک باد، کہانیوں کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ جادو سیکھنے کے لیے تو آپ کو پھر کسی جادوگر سے رابطہ کرنا پڑے گا۔

فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران، آمنہ رمیس۔ گجرات

ستمبر کا کرن بہت لیٹ ملا۔ سرورق معصوم سی ماڈل پیاری لگی۔ اک سرسری نظر سے مستقل سلسلوں کو دیکھا اور سب سے پہلے "غم ہے یا خوشی" کو پڑھا۔ اپنا امیج برابر رکھے ہوئے ہے یہ تحریر۔ شورے کا سمندر پہلی بار دیکھا ہے۔ وہ بھی التمش کی پلیٹ میں۔ لگتا ہے التمش کی محبت کی ناؤ کنارے لگنے ہی والی ہے۔

زرمین کی بھی تو یہ زیادتی ہے۔ محبت اسٹینڈرڈ دیکھ کر کب کی جاتی ہے۔ یہ ہے محبت تو نہ ہوئی سودے بازی ہوگئی۔ خیر ہمیں تو التمش کے ساتھ پھل پیری ہی قبول ہے۔

"شب نم کی سحر" لگتا ہے دونوں جنریشن کو ساتھ ساتھ چلا رہی ہیں۔ اتنا بڑا خاندان ہے کہ سمجھ میں نہیں آرہا کون کسی کا کیا لگتا ہے ویسے تحریر میں نوابی مزاج اچھا لگا۔ وقت تو ہوئی ہمیں بھی نوابی ہنسی ہنسنے میں ساتھ تو دینا تھا نا۔

"ہوائیں رخ بدل گئیں" مجھے نہیں لگتا خزینہ اپنا بچہ سارہ کو دے گی تیمور کو خزینہ کو اپنے اعتماد میں لینا چاہیے تھا وہ تو پہلے ہی گوڈے گوڈے اس کے عشق میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے تو مان ہی جانا تھا۔ حمزہ کی محبت کی پتنگ کبھی شہرینہ کی طرف اور کبھی ربیکا کی طرف کچھ تو رحم کریں۔ "جادو بستی" ونڈرفل۔ کیا تحریر تھی بورشے کی یاد دلا گئی۔ مزا آیا ہے۔ اتنی منفرد تحریر پڑھ کر۔ کسی ریسرچ کے بغیر تو کوئی رائٹر کسی موضوع پہ اتنا عمدہ نہیں لکھ سکتا۔

"بند کواڑ" یہ تحریر بھی دل کو چھو گئی۔ حیرت ہے ایک چودہ سال کے بچے نے اتنا عرصہ دل میں بغض رکھا۔ میں تو شہریار کو ہی دھوکے باز سمجھتی رہی بے چاری زریں اپنوں کے ہاتھوں دھوکا کھا گئی۔ زریں قسمت کی اچھی نکلی جو لقمان جیسا بندہ نصیب میں آگیا۔ زریں کے سارے خسارے کا مداوا لقمان کی صورت مل گیا۔

"لذت غم عشق" تحریر بھی پرفیکٹ رہی عدی اور عروش کی نٹ کھٹ لڑائی اچھی لگ رہی ہے اور پلیز دل آویز اور مانی کو بھی سامنے لائیں۔ ان دونوں ہستیوں کا تعلق کس سے ہے عفاف فیملی یا مبین نیازی سے، تھیلے والی بلی باہر لے ہی آئیں۔ اب...... اب اور کتنا سسپنس رکھنا ہے۔ اور ہاں اب دونوں کپلز میں ایویں ایویں کا کوئی شوکت چیمہ نہ لے آنا پلیز اچھی ہی اینڈنگ کیجیے گا۔

"آنچل میں ستارے" حرا منصور حقیقت میں چمکتا ستارہ تھی۔ ہر کسی کو پیار و خلوص کی جادو چھڑی سے اپنا بناتی رہی۔ پوری تحریر میں کوئی پانچ، چھ بار تو کری۔ شاید ذیشان کو الہام ہو جاتا تھا۔ ؟ نے والی ہیں خیر ناٹ بیڈ یہ حسین لڑکھڑا انہیں مزے کی لگیں۔

کہانی کا مرکزی خیال اچھا تھا کہ حالات کیسے بھی ہوں ہمت نہیں ہارنی چاہیے دل بھلے ٹوٹ جائے شوا لیے کیا جائے ہم سا ہو تو سامنے آئے۔

افسانے سب ہی اچھے لگے۔ "تیسری بیوی" توبہ ہے انسان کیوں بھول گیا ہے ظلم کی انتہا کو پہنچ جائے، ٹھکانا تو اس کا زیر زمین ہی ہے پھر پتا نہیں کیوں فرعون بنا پھرتا ہے انٹرویو اچھے لگے۔ ماہا علی، دانش تیمور، علی عباس ہر دوسرے تیسرے ڈرامے میں اور اچھے لگ رہے ہیں۔ "مقابل ہے آئینہ" سحر النساء کی باتیں اچھی لگیں۔ مستقل سلسلے اچھے تھے۔ شاعری کم تھی پر اچھی تھی۔

ج: فوزیہ جی! آپ کا بھرپور اور جامع تبصرہ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ کہانیوں کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔

تبسم بشیر حسین...... ڈنگہ

ٹائٹل پیارا تھا۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے پڑھا۔ "حمد و نعت" کے بعد انٹرویوز کی باری آئی۔ مایا علی سے مل کر اچھا لگا۔ پلیز پلیز آپی شاہین رشید سے کہیے کہ نبیل علی اور مہوش حیات کا تفصیلی انٹرویو لیں۔ میری بھی سننے میں علی عباس کی سنی

کرن کتاب

کرن کا دستر خوان

"مقابل ہے آئینہ" میں سحر النساء سے مل کر اچھا لگا۔ ناول "شب نم کی سحر" یہ قسط تھوڑی جان دار رہی۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت آپا نے یہ قسط بیسٹ لکھی پر وہی رونا کہ صفحات کم تھے۔ مکمل ناول "جادو بستی" از ایمل رضا بھئی کمال کر دیا آپ نے میرا بھی دل کیا کہ میں بھی لکھوں ویسے مجھ میں صلاحیت ہے۔ ویری گڈ ایمل باجی۔ "بند کواڑ" منعم ملک نے بھی اچھی کاوش پیش کی ویری ویل۔

"لذت غم عشق" کا مکمل ہونے پر تبصرہ۔ "آنچل میں ستارے" سحر ملک کا ناولٹ بھی زبردست رہا۔ افسانوں میں سب نے ایک سے بڑھ کر ایک لکھا عنبرین ولی بشریٰ ماہا اور ماہ وش نے زبردست لکھا۔ مستقل سلسلے تو کرن کی جان ہیں "نامے میرے نام" میں ثنا شہزاد، فوزیہ ثمر اور صائمہ سحر کی غیر حاضری اچھی نہیں لگی۔ اگلے ماہ آپ سب کے تبصروں کا انتظار رہے گا اور آپی ایک بات بتا دیں اگر میں اپنی تحریریں بھیجوں تو کتنے دن بعد فون کر کے ان کا معلوم کر لوں؟

ج: تبسم بشیر آپ ایک ماہ بعد اپنی تحریر کا معلوم کر سکتی ہیں۔ کہانیوں کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔

ماہا بشیر حسین.....ڈنگہ

آپ کا محبت بھرا جواب پڑھ کر ساری سستی کو فارغ کیا اور بیٹھ گئے خط لکھنے۔ ٹائٹل سو سو تھا۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" لگتا ہے کہ اب چند ہی اقساط بچی ہیں؟ "جادو بستی" ایمل رضا زبردست رہا۔ آنچل میں ستارے سحر ملک کا ناولٹ بھی پیارا تھا۔ بشریٰ ماہا کا افسانہ "جھوٹی" سب پر بازی لے گیا ان سے گزارش ہے کہ ناول لکھیں "بھولا جو فرض تھا" "گرہ" اور "تیسری بیوی" بھی اچھی تحریریں تھیں۔ مقابل ہے آئینہ میں سحر النساء سے مل کر اچھا لگا۔ ماورا حسین کے انٹرویو کی درخواست ہے باقی ابھی پڑھا نہیں پر خط لکھنا تھا اس لیے جتنا پڑھا لکھ دیا ہے۔ اللہ کرن کو مزید ترقی دے۔ (آمین)

ج: ماہا جی! "نامے میرے نام" کی محفل میں شرکت کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ کی درخواست شاہین رشید تک پہنچا دی گئی ہے۔

اقراء سرور راجڑ.....ڈی جی خان

اس بار کرن وقت پر مل گیا۔ تبصرہ حاضر ہے سب سے پہلے بات ہو جائے "شب نم کی سحر" اس ناول نے اور اس کے ڈھیر سارے کرداروں نے دماغ کو چکرا کر رکھ دیا ہے ثمینہ کتنی پیاری لگتی تھی اب اتنی بڑی ہو گئی کہ ان کے بچوں کا لو چل رہا ہے اس ناول میں اتنے زیادہ کردار اور اتنی جلدی بڑے ہو رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا ناول کا اصل ہیرو کون ہے اور ناول کا اصل مقصد کیا ہے۔

"ہوائیں رخ بدل گئیں" اس بار کی قسط تھوڑی دلچسپ لگی۔ "لذت غم عشق" سسپنس سے بھرا۔ دل آویز، دل کو پیاری لگی۔ راز کھلتے جا رہے ہیں بہت اچھا۔ ایمل رضا تو ہماری لو کوئین ہے ان کو بہت دل سے اور پیار سے پڑھتے ہیں "جادو بستی" نے دل پر جادو سا کر دیا آہا "غم ہے یا خوشی ہے تو" سونیا اور التمش کی شادی نہیں ہو سکتی۔ "آنچل میں ستارے" سحر ملک نے سحر کر دیا۔ عنبرین ولی کا افسانہ نمبر ون رہا۔ علی عباس سے ملنے کی خواہش تھی آپ نے پوری کر دی شکریہ۔ سحر النساء تبسم نام پیارا۔ آئینہ کا مقابلہ بھی خوب کیا۔ آخر میں فرمائش کہ اقرا ارحسن، وسیم بادامی، ماریہ میمن اور ندا یاسر کا انٹرویو لیں۔ مجھے یقین ہے کرن میں ردی کی ٹوکری نہیں۔

ج: اقرا سرور آپ نے "نامے میرے نام" کی محفل میں پہلی بار شرکت کی ہے خوش آمدید۔ کہانیوں پر تبصرہ کرنے کا بے حد شکریہ۔ امید ہے آپ آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی۔ آپ کی فرمائش شاہین رشید تک پہنچا دی گئی ہے۔

☆☆

کچن اور آپ

چھڈو جی! آپ کی بات سے کیا اتفاق کرنا ہے بلکہ مجھے تو اختلاف ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں "ان" جیسی مخلوق سے محروم رکھا ہوا ہے اس لیے اس بارے میں نو کمنٹس۔ تسی اگلی گل کرو جی۔

کچن سے متعلق فوزیہ ثمر بٹ کے دلچسپ جوابات

س: کیا آپ سمجھتی ہیں کھانے کے لیے جیا جاتا ہے یا جینے کے لیے کھایا جاتا ہے۔

ج: ہمارے گھر میں دونوں فارمولے لاگو ہیں۔ مطلب کھانا ہم نے تین ٹائم ہی ہے۔ چاہے تھوڑا کھانا ہے۔ ابھی ناشتے سے فارغ نہیں ہوتے کہ میں ہر ایک سے پوچھنا شروع ہو جاتی ہوں آج کیا پکانا ہے۔ بتاؤ ہمارے ہاں دوپہر کو ہی سالن بنایا جاتا ہے جو رات اور اگلی صبح کام آتا ہے۔

س: گھر کے کام کاج خصوصاً کچن میں آپ کی دلچسپی کس حد تک ہے یا پڑھنے کا شوق آپ کو ان بکھیڑوں سے دور رکھتا ہے۔

ج: جی مجھے تو پکانے کا بہت شوق ہے (وہ والا پکانے کا نہیں بھئی) جو سر میں پکایا جاتا ہے وہ۔ مجھے خود کے ہاتھ کی پکی ہوئی ہر ڈش پسند ہے اور دوسرے بھی دل و جان سے پسند کرتے ہیں۔

جب میں نویں جماعت میں تھی تب کچن سنبھال لیا تھا۔ اس ٹائم امی جی بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ یہ نہیں کہ سارا انتظام میرے ہاتھ میں امی جی نے دے دیا تھا۔ خیر اسکولنگ تو بس دسویں جماعت تک ہی رہی۔ مگر یہ گھریلو کام تاحیات رہ گئے میرے ساتھ۔

س: ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ کھانا مزے دار پکے کبھی کبھی نتائج برعکس بھی ہوتے ہیں ایسے میں کھانے والے کے کیا تبصرے ہوتے ہیں۔

ج: شروع میں ڈانٹ پڑتی تھی۔ مگر اب پرفیکٹ ہر چیز بنتی ہے۔ شاہد آفریدی کی طرح ہر بار چوکے چھکے تو نہیں لگا سکتا ناں انسان۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ خوب بھوننے بھنانے کے باوجود سالن میں بدمزا بن جاتا ہے۔ اور پھر زرلٹ آپ کے اندازے کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ سخت بھوک لگی ہو اور ایسی ڈش سامنے آجائے تو فیوز تو اڑتے ہی ہیں ناں ٹیڑھے میڑھے منہ بنا کر کھانا کھا ہی لیا جاتا ہے۔

اب رزق کی بے حرمتی تو نہیں کرنا ناں۔ ابھی حال ہی میں عید کے دوسرے دن بریانی کے چاول

تھوڑے لوز ہو گئے تھے ویسے بنی اچھی تھی۔

میری دوست صفیہ سمریز نے آنا تھا بس جلدی جلدی میں چاول تھوڑے زیادہ پک گئے۔

س: کون سی رائٹر کو پڑھتے ہوئے کھانا دھواں ہوا اس سے متعلق کوئی یادگار واقعہ۔

ج: خیر کھانا دھواں تو نہیں ہوا۔ کیونکہ ہمارا گھر اس طرح ہے کہ کچن بھی ساتھ ہی بنا ہوا ہے۔ تو چولہے کے پاس ہی ہوتے ہیں اس لیے جلانے کا اندیشہ کم ہے ہاں ایک بار یہ ہوا کہ چھوٹی کھچڑی بنا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ شعاع بھی پڑھ رہی تھی۔ تو کھچڑی بھونی اور پھر گلاس بھر کے پانی کا ڈال دیا۔ وہ تو ایسے لگا دریا میں ڈڈو تیر رہے ہیں۔ پھر کیا تھا تیز آنچ پر کھچڑی کو بھونا پانی سارا خشک کیا۔

س: عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کے دل میں اترنے کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے آپ اس خیال سے کہاں تک اتفاق کرتی ہیں۔

ج: جھڈو جی: آپ کی بات سے کیا اتفاق کرنا ہے بلکہ مجھے تو اختلاف ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں "ان" جیسی مخلوق سے محروم رکھا ہوا ہے۔ اس لیے اس بارے میں نو کمنٹس۔ تو تسی اگلی گل کرو جی۔

س: لوگ آپ سے زیادہ تر کس چیز کی فرمائش کرتے ہیں آپ ہمیں اس ڈش کی ترکیب بتائیں۔

ج: ویسے تو میرے بہنوئی رئیس میر صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ میری ہمشیرہ صاحبہ مجھ سے اکثر بریانی، حلیم، قورمہ اور رشین سلاد کی فرمائش کرتے ہیں محنت میری، باقی سامان ان کا۔

خیر سردیوں میں سوجی کا حلوہ، بیسن کا حلوہ بنا کر رکھتی ہوں جو جب بھوک لگے نکالا اور کھالیا۔ ہانیہ کو حلوہ پسند ہے اور حریم کو بیسن کی ڈلیاں وہ شوق سے بھی کھاتی ہے۔ میٹھی گری کی ٹکیاں بناتی ہوں پر اس میں محنت بہت ہے کدوکش کر کے بازو میں درد ہو جاتا ہے۔ خیر، چیز مزے کی بن جائے تو محنت وصول ہو جاتی ہے مجھے بازاری چیزیں پسند ہیں۔

سوجی کا حلوہ

سوجی .....ایک کلو
چینی .....دو کپ
نمک .....ایک چٹکی
زردہ کا رنگ .....ایک چٹکی
ناریل .....کدوکش کیا ہوا
بادام پستہ .....حسب ضرور

ترکیب: چینی کا شیرہ بنا لیں پھر ایک الگ پین میں سوجی کو بھون لیں اچھی طرح جب ہلکی براؤن ہونا شروع ہو جائے تب شیرہ ڈال دیں اور ساتھ ساتھ چمچہ ہلاتے جائیں جب تھوڑا گاڑھا پن آنے لگے تب باقی کے لوازمات بھی ڈال دیں۔ سردیوں کی شاموں میں گرم گرم حلوہ چاندی کے ورق سے سجا کر کھائیں اور سردی کو بھگائیں۔

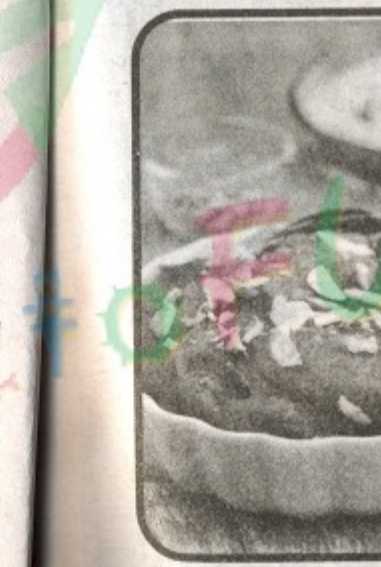

س: پہلی ڈش کون سی بنائی اور گھر والوں کے کیا تبصرے تھے اس ڈش پر۔

ج: پہلی ڈش تو یاد نہیں۔ ہاں امی جی بتاتی ہیں شروع شروع میں تم نے جب سالن بنانا سیکھا تھا۔ تب ایک بار بھنڈیوں میں جگ بھر پانی کا ڈال دیا اور امی جی کہتی ہیں میں نے دیکھا نہیں اور تم نے جب سب کو ٹرے بنا کر دی تو کٹوریوں میں بھنڈیاں ڈبکیاں لگا رہی تھیں۔

شاید اس زمانے میں امی جی نے معاف شاف کر دیا ہو کہ میری بیٹی نئی نئی سیکھ رہی ہے۔ خیر اب تو سب پتا ہے۔

س: کون سی ڈش کو دیکھ کر آپ کے ابو بھائی یا شوہر کو غصہ آ جاتا ہے اور پھر ان کا ردعمل ہوتا ہے۔

ج: پہلی بار تو یہ کہ ہمارے گھر میں کھانا ہمیشہ ایک دوسرے کی مرضی پوچھ کر بنتا ہے۔ جیسے ہمارے گھر میں سبزیاں بہت کم بنتی ہیں، صرف امی جی کے لیے جس میں بھنڈیاں ہیں جو مجھے پسند ہے۔ اور پالک گوشت یہ عمران بھائی باقی ہمارے گھر میں چکن کے آئٹم، یا دالوں کے آئٹم ہوتے ہیں چاولوں کے ساتھ۔ کبھی کابلی پلاؤ، مطلب چنوں کا پلاؤ جس میں ہم لوگ میوہ بھی ڈالتے ہیں سلاد اور رائتہ کے ساتھ۔ کڑھی چاول پسند ہے ابھی مجھے کل آنٹی بشریٰ نے کال کی کہ کڑھی تو نہیں بناؤ۔ دل کر آیا ہے بنا کر بھیجو۔ عمران کو سالن پسند نہ آئے تو کھانا چھوڑ دیتا ہے اس لیے کوشش ہوتی ہے کہ کھانے کے ٹائم کوئی بدمزگی نہ ہو۔ سب کچھ اچھا پکا کے رکھو۔ بیگن چاول جو کہ میں مزے کے بناتی ہوں املی کا پانی ڈال کے جو امی میں اور بھائی کی زوجہ محترمہ شوق سے کھاتے ہیں۔

ہانیہ کو فٹ بال والی دال (مسور) چاول پسند ہے۔ وہ فرمائش کر کے پکواتی ہے۔

س: گھر والوں کی پسند کی کوئی ایسی ڈش جو آپ کو ناگوار گزرتی ہے۔

ج: دیکھے جی ہمارے گھر میں افراد ہی کتنے ہیں۔ اور جو ہے ان کی پسند کے مطابق ہی کھانا بنتا ہے۔ مجھے کچن کے کسی کام سے الجھن نہیں ہوتی ہے مجھے ہر کام سے لگاؤ ہے ہاں جب طبیعت ٹھیک نہ ہو اور مجھے کھڑے ہو کر کام کرنا پڑے تب ساری دنیا اور دنیا کے کام زہر لگتے ہیں۔ کام سے میں نہیں گھبراتی جب اور جس جس ٹائم کہو جو مرضی کھانا ہو بنا کر دے دوں گی۔

س: ایسے کون سے آپ کے رشتے دار یا ہزبینڈ کے دوست احباب ہیں جن کی خاطر تواضع کے لیے کچن میں جانا ناگوار لگتا ہے۔

ج: جی رشتے دار تو باعث رحمت ہوتے ہیں کوئی اطلاع دے کر آئے یا بغیر اطلاع کے میزبانی مہمان کا حق ہے اور یہ حق ادا کرتے میں نہیں گھبراتی جو گھر میں پکا ہو وہی پیش کر دیتے ہیں اور جو بتا کر آئے تب اسپیشل ڈش بنا لیتی ہوں۔ عمران نے جب اپنے دوستوں کو کوئی دعوت دینی ہوتی ہے یا تو ہوٹل یا پھر گھر سے کچھ بنوا کر لے جاتا ہے۔ اکثر بریانی ہی ہوتی ہے۔ یا چکن کے نگٹس۔

س: آپ کے خاندان کی کوئی اسپیشل ڈش کیا ہے۔

خاندان کا تو مجھے پتا نہیں لیکن میری امی جی کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہوتا تھا۔ وہ ہماری دادو کہتی تھیں جس عورت کی نیت ٹھیک ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں لذت ہوتی ہے۔

مجھے یاد ہے جب ہم بہت چھوٹے تھے تب ہمارے ابو جی کی کزن امی جی سے فرمائش کر کے کڑھی پکوایا کرتی تھیں اس زمانے میں کڑھی بھی کسی کسی کو بنانا آتی تھی اور سرسوں کے تیل میں بھرے بینگن مسالے والے امی جی بناتی تھیں۔

☆☆

اس ماہ کا پھل

انگور

☆ مصر کے اہرام سے انگور کے بیج ملے ہیں۔
☆ خون کے فساد کو روکتا ہے اور یرقان کی شکایت دور کرتا ہے۔
☆ بڑا انگور اکثر بیل پر ہی پک کر خشک ہوجاتا ہے، اسے منقیٰ کہا جاتا ہے۔

انگور کے خواص اور افادیت

انگور کی افادیت

انگور دل و دماغ، جگر و معدہ اور گردوں کو تقویت دیتا ہے۔ اس میں کیلشیم، پوٹاشیم اور فاسفورس کی بڑی مقدار موجود ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں وٹامن اے، بی اور ڈی شامل ہوتے ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق اس میں حیاتین سی اور ای کی موجودگی بھی پائی گئی ہے۔ پکا ہوا انگور جلد ہضم ہوتا ہے اور عمدہ و صالح خون بناتا ہے۔

انگور بہت پرانا پھل ہے۔ مصر اور چین کے لوگ اسے آج بھی مقدس پھل قرار دیتے ہیں۔ وہ اس کے بہت سے فوائد سے روشناس ہیں۔ مصر کے اہرام سے انگور کے بیج ملے ہیں۔ یہ اہرام ہزاروں سال پہلے تعمیر کیے گئے تھے۔ تاریخ کے پہلے زمانے سے ہی انسان انگور کھاتا جانتا تھا۔ اس کے رس سے سرکہ بھی کشید کیا جاتا ہے۔ بعض ملکوں میں اس کے رس سے شکر بنائی جاتی ہے۔ اس شکر سے کئی ادویات تیار کی جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں اس کا استعمال کھانوں، مٹھائیوں اور گولیوں میں ہوتا ہے۔ مائیں اپنے اسکول جانے والے بچوں کو کشمش اور بادام کھلاتی ہیں، اس سے بچوں کو پڑھائی میں تھکان نہیں ہوتی اور سبق بھی اچھی طرح یاد ہوتا ہے۔

انگوروں کا رس اور شہد ایک ایک تولہ لے کر ملائیں، اسے چند گھنٹے پڑا رہنے دیں، پھر اسے ایک چمچہ پی لیں۔ باقاعدہ استعمال سے چند ہی دنوں میں کھانسی کی شکایت دور ہوجائے گی۔

انگور کا رس خواتین کے لیے خاص طور پر زمانہ حمل میں بہت اعلا ثابت ہوتا ہے۔

انگور کے رس آدھ کلو میں ایک پاؤ مسمّر ڈال کر پینا دائمی قبض کے لیے عمدہ ہے۔ یاد رکھیے اس کے بعد پانی نہیں پینا چاہیے، کیونکہ قے ہوجاتی ہے۔

مثانے کی جملہ تکالیف کے لیے اگر روزانہ

دوپہر کے وقت ایک پاؤ تازہ انگور کھائیں جائیں تو بہت مفید رہتا ہے۔

افزائش صحت کے لیے یہ نسخہ لاجواب ہے۔ انگوروں کے موسم میں کمزور افراد روزانہ دن میں ایک بار تازہ انگور کھائیں اور رات کو سونے سے قبل ایک گلاس دودھ میں ایک چمچہ شہد خالص کا حل کر کے پیا کریں۔

ایسی خواتین جنہیں لیکوریا کی شکایت لاحق ہو، انہیں چاہیے کہ وہ روزانہ ایک پاؤ انگور کے رس میں شہد ملا کر پیا کریں۔ اس سے دس سے پندرہ دن میں لیکوریا کی شکایت دور ہوجائے گی۔

نکسیر کو بند کرنے کے لیے میٹھے انگوروں کا رس نکال کر انہیں بطور سعوط ناک میں کھنچوائیں، اس سے نکسیر فوری طور پر بند ہوجاتی ہے۔

درد دل میں انگور کا استعمال بڑے کام کی چیز ہے۔ اگر مریض بلا ناغہ انگور استعمال کرتا رہے تو یہ بیماری کافور ہوجائے گی۔

گردے اور مثانے کی پتھری کو زائل کرنے کے لیے انگور کا رس ڈھائی تولہ سے پانچ تولہ تینوں وقت پینا مجرب ہے۔ اس سے چند دن میں ہی پتھری موقوف ہوجائے گی اور پیشاب کے راستے خارج ہوجائے گی۔

بچے کے دانت نکالنے کے زمانے میں اسے روزانہ دو مرتبہ ایک چھوٹا چمچہ انگور کا رس پلانا مفید ہے۔

دس تولے کشمش، بیس تولے پانی میں پیس کر پکائیں۔ جب یہ چٹنی کی طرح گاڑھی ہوجائے تو اسے اتار کر محفوظ کرلیں۔ بوقت ضرورت سوتے وقت دو تولے چاٹ لیں، خشک کھانسی میں لاجواب ہے۔

اگر پیشاب قطرہ قطرہ آئے تو تین دانے منقیٰ کے بیج نکال کر ان میں ایک ایک سیاہ مرچ ڈال دیں۔ رات کو سوتے وقت کھالیں دس سے پندرہ دن میں تکلیف دور ہوجائے گی اور خون کا درجہ حرارت اعتدال پر آجائے گی۔

گلے میں ورم ہو تو انگور کا رس نکال کر اس کے غرارے کریں دو تین بار دن میں اس طرح کرنے سے ورم دور ہوجائے گی۔

چھوٹے بچوں کے منہ میں اگر چھالے ہوجائیں تو انہیں انگور کا رس صبح و شام ایک ایک چمچہ پلائیں۔ چھالے گم ہوجائیں گے۔

جسم میں بدبو رچ جائے اور جانے کا نام نہ لے تو اس کا نسخہ کو آزمائیں۔ عرق انگور دو تولہ، عرق گلاب تین تولہ میں شامل کر کے اچھی طرح حل کریں، اس کی متواتر ایک ماہ تک جسم پر مالش کریں، بدبو کا خاتمہ ہوجائے گا۔

گرمی کا سر درد اور گرمی سے ہونے والے آشوب چشم کے لیے انگور کے پتے بہت فائدہ مند ہیں، ان پتوں کو پانی میں پیس کر ان کا لیپ کرنے سے مرض دور ہوتا ہے۔

انگور کی کونپلوں کا عرق نکال کر ان کا شربت بنا لیجیے۔ اسے آپ صفراوی بخار، خفقان اور متلی کی حالت میں استعمال کریں، نہایت سودمند ہے۔

چار تولہ انگور کا رس یا کشمش عمدہ سبز لے کر دو تولے ایلوویرا کے ساتھ کھرل کریں، پانی میں اس کا لیپ تیار کر کے روزانہ سر پر لگائیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں گنجا پن ختم ہوجائے گا اور سر پر بال اُگنا شروع ہوجائیں گے۔

کھانسی میں عمدہ اور صاف منقیٰ توے پر بھون لیں اور اسے گرم گرم کھالیا جائے تو کھانسی میں فوری طور پر فائدہ ہوتا ہے۔

انگور کے خشک پتے درد گردہ کو تسکین دیتے ہیں۔ دو تولہ خشک پتے لے کر انہیں پانی میں اچھی طرح پیس لیں۔ اس کے بعد انہیں چھان کر کسی شیشے کے گلاس میں ڈال دیں، لاہوری نمک ایک ماشہ اس میں ڈال کر پئیں۔

☆☆

اس ماہ کا مہمان

سمیرا حسن

☆ مجھے ایسا کوئی لگاؤ نہیں کہ ہر وقت "کچن" میں ہی گھسی رہوں۔
☆ میرے ہاتھ کی پکی ہوئی چیزیں جو سب سے زیادہ پسند کی جاتی ہیں وہ "کباب" اور "بریانی" ہے۔
☆ مجھے بننا سنورنا اچھا لگتا ہے اس لیے گھر میں میک اپ کیے رہتی ہوں۔

فلم اور ٹی وی کی معروف فنکارہ

"آل ان ون" "فنکارہ سمیرا حسن" اس ماہ ہمارے "کرن کا دسترخوان" کی مہمان ہیں۔ شوبز کے ہر شعبے میں ان کی پرفارمنس بہترین ہوتی ہے۔ ذرا معلوم کریں کہ اپنے گھر کے کچن میں ان کی پرفارمنس کیسی ہے؟

س: "کیا حال ہیں جناب کے؟"

ج: "اللہ کا شکر ہے۔"

س: "آج تمہارا امتحان ہو جائے..... یہ بتاؤ کہ کچن میں خوشی خوشی جاتی ہو یا مجبوراً؟"

ج: "مجھے ایسا کوئی لگاؤ نہیں کہ ہر وقت "کچن" میں ہی گھسی رہوں..... لیکن جب بھی جاتی ہوں، شوق سے جاتی ہوں۔ خوشی سے جاتی ہوں، اپنی مرضی سے جاتی ہوں اور جب اس طرح کچن میں جایا جائے تو پھر چیزیں بہت مزے کی بنتی ہیں۔"

س: "اچھا گڈ..... کیا کیا مزے کا بنا لیتی ہیں؟"

ج: "اللہ کا شکر ہے کہ سب کچھ ہی مزے کا بنا لیتی ہوں اور میرے قریبی رشتے دار، میرے دوست احباب جنہوں نے بھی میرے ہاتھ کے پکے کھانے کھائے ہیں وہ سب ہی یہ کہتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے..... لیکن پھر بھی میرے ہاتھ کی پکی ہوئی چیزیں جو سب سے زیادہ پسند کی جاتی ہیں وہ "شامی کباب" اور "بریانی" ہے مگر میرا خیال ہے کہ میں سب کچھ ہی بہت اچھا پکا لیتی ہوں۔"

س: "عموماً جب ٹی وی پر ہم کوکنگ شو دیکھتے

ہیں تو لڑکیاں بن سنور کے، بال کھلے چھوڑ کے کھانا پکانے میں مصروف ہوتی ہیں۔ کیا تم بھی اہتمام کے ساتھ جاتی ہو؟"

ج: ہنستے ہوئے..... "اگر تو صرف چائے بنانی ہو تو جس طرح ٹی وی میں دکھاتے ہیں کہ بن سنور کے اور لش پش ہو کے کام کر رہی ہیں تو واقعی میں بھی ایسے ہی جاتی ہوں..... لیکن اگر پراپر کھانا پکانا ہو تو پھر ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن کر اور بال باندھ کر جاتی ہوں۔ مگر یہ سچ ہے کہ مجھے بننا سنورنا اچھا لگتا ہے اس لیے میں گھر میں بھی میک اپ کیے رہتی ہوں۔ مجھے اچھا لگتا ہے اور مجھے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنا بھی اچھا لگتا ہے۔ یہ اجڑا چہرہ اور برے حال کے ساتھ رہنا مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ میرے بال پراپر طریقے سے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور چہرے پر میک اور فریش ہوگا۔ گھر میں، میں زیادہ تر ویسٹرن ٹائپ کے کپڑے پہنتی ہوں اور کچن میں بال باندھ کر اس لیے جاتی ہوں کہ گرمی لگتی ہے کھلے بالوں کے ساتھ۔"

س: "اکثر اوقات خواتین دو چار دن کا کھانا پکا کر فریز کر لیتی ہیں۔ کیا آپ بھی ایسا ہی کرتی ہیں؟"

ج: "نہیں، میں ایسا نہیں کرتی بلکہ ہمارے یہاں روزانہ کی بنیاد پر کھانا تازہ ہی بنتا ہے۔ کبھی دو چار ہانڈیاں پکا کر (کھانے) فریز نہیں کیے، سوائے شامی کباب کے۔ مجھے تو ہمیشہ تازہ کھانے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

س: "کھانا پکانے کے دوران ہاتھ کے ہاتھ صفائی کرتی ہو یا سب کچھ میڈ کے سپرد کہ آئے گی تو صفائی کرے گی؟"

ج: "میڈ اور ماسی کے ہونے کے باوجود کچن کی صفائی خود بھی کرنی پڑتی ہے..... اور جب میں کھانا پکاتی ہوں تو ہاتھ کے ہاتھ چیزیں سمیٹتی رہتی

ہوں اور اس لیے کچن اتنا گندا نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہوتا کبھی بھی کہ کھانا بنا کے سارا کچھ ماسی کے لیے چھوڑ دوں کہ آئے گی تو صفائی کرے گی۔ ساتھ ساتھ صفائی کرنا مجھے خود بھی اچھا لگتا ہے، ویسے بھی جس طرح آپ خود اپنے کچن کی دیکھ بھال کر سکتی ہیں، میڈ اور ماسیاں نہیں کر سکتیں، اگر ان سے بھی کام کروائیں تو سر پر خود کھڑا ہونا پڑتا ہے۔"

س: "بازار کے مسالے استعمال کرتی ہیں یا اپنے گھر کے؟"

ج: "آج کے دور میں تو بازار کے مسالے بہت بڑی نعمت ہیں اور اب تو بڑی بڑی کمپنیز کے مسالے آ گئے ہیں جن کا ٹیسٹ بھی بہت اچھا ہوتا ہے اور لوگوں نے اب ان مسالوں کو استعمال کرنا شروع کیا ہے جبکہ میں تو بہت پہلے سے کر رہی ہوں۔ تو مجھے تو یہ مسالے اچھے لگتے ہیں ان سے کھانوں کا ذائقہ بہت اچھا ہو جاتا ہے۔ میں دیگر لوگوں کی طرح بالکل یہ نہیں کہوں گی کہ میں گھر کے مسالے استعمال کرتی ہوں، ہاں بازار کے مسالوں کے ساتھ ساتھ اپنی ریسپی بھی استعمال کرتی ہوں۔"

س: ”اچانک مہمان آجائیں تو کیا گھر میں ایسی چیزیں ہوتی ہیں کہ آؤ بھگت کی جاسکے؟“

ج: ”آج کل کے دور میں اور خاص طور پر شوبز کے لوگوں کے گھروں میں بغیر بتائے کوئی مہمان نہیں آتا۔ کمیونیکیشن کا دور ہے تو لوگ اس کا فائدہ اٹھا کر بتا کر آتے ہیں کہ ہم نے آپ کے گھر آنا ہے، تو میرے گھر بھی جو مہمان آتے ہیں وہ کال کر کے ہی آتے ہیں۔ تو پھر میں اہتمام کر لیتی ہوں مگر پھر بھی کوئی اچانک مہمان آجائے تو شامی کباب تو ہر وقت ریڈی ہوتے ہی ہیں اور شامی کباب کا یہ فائدہ ہے کہ چائے کے ساتھ بھی کام آجاتے ہیں اور کھانے کے ساتھ بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ تو یہ میں ضرور فریز کر کے رکھتی ہوں۔ باقی پھر ریڈی میٹ زندہ باد۔“

س: ”کچن سجا سجایا خالی خالی اچھا لگتا ہے؟“

ج: ”مجھے کچن میں پھیلی ہوئی چیزیں بالکل بھی اچھی نہیں لگتیں۔ مشینیں بھی کیبنٹ کے اندر ہوتی ہیں، تو مجھے خالی اور صاف ستھرا کچن رکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میری سجاوٹ یہ ہے کہ کچن میں، میں نے گل دانوں کے اندر خوب صورت پھول سجائے ہوئے ہیں اور میرے تو واش روم میں بھی گل دانوں میں پھول سجے ہوئے ہیں اور میری ماسی اکثر کہتی ہے کہ باجی آپ کے گھر میں تو ہر طرف پھول ہی پھول ہیں..... تو خوب صورت پھولوں سے سجا میرا کچن ہوتا ہے۔ صاف ستھرا ہوتا ہے اور ضرورت کی ساری مشینری الماریوں میں ہوتی ہیں، باہر ہی رکھی ہوں تو پھر کیبنٹ بنوانے کا کیا فائدہ۔“

س: ”کچن میں پہلی انٹری کب دی تھی، کس عمر میں اور کیا بنایا تھا پہلی بار؟“

ج: ”کچن میں پہلی انٹری تو اسکول کے زمانے میں دی تھی۔ جب نیا نیا شوق ہوتا ہے کچھ کرنے کا اور پہلی بار تو عموماً چائے ہی بنوائی جاتی ہے تو میں نے بھی چائے ہی بنائی تھی اور میرے ہاتھ کی چائے سب کو بہت پسند آئی تھی اور باقاعدہ جب کچن سنبھالا تو میرا خیال ہے کہ اس وقت میں میٹرک میں تھی یا میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی اور شوق میں سب چیزیں امی سے سیکھتی تھی اور مجھے یاد ہے کہ ایک بار شب برأت میں امی چنے کی دال کا حلوہ بنا رہی تھیں، تو میں نے امی سے پوچھ پوچھ کے وہ حلوہ بنایا تھا اور سب کو بہت اچھا لگا تھا اور ہاں جب میں نے روٹیاں بنانا سیکھیں تو بڑی گول گول روٹی بناتی تھی، جو کہ بہت پتلی، نرم اور مزے دار ہوتی تھیں..... عموماً لڑکیوں سے روٹی تو بنتی ہی نہیں ہے۔ عجیب سے نقش و نگار والی روٹیاں بنا دیتی ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میری روٹی کبھی ٹیڑھی میڑھی نہیں ہوئی..... میرے ہاتھ کی روٹیاں میرے ایک ماموں کو تو بہت ہی پسند تھیں اور مجھ پر کبھی کچن کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی۔ جو بنایا شوق شوق میں بنایا اس لیے چیزیں ذائقہ دار بنتی ہیں۔“

س: ”کھانا پکانے کے دوران کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟“

ج: ”سب سے پہلے جن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے، وہ صفائی ستھرائی کا خیال ہے اور میں بہت زیادہ خیال رکھتی ہوں کیونکہ اگر گندگی ہوگی تو پھر کیڑے مکوڑے بھی ہوں گے۔ میں حیران ہوتی ہوں اس بات پر جب لوگ کھانا پکانے کے لیے دو سے تین گھنٹے کچن میں لگا دیتے ہیں، جب کہ کھانا تو آدھے ایک گھنٹے میں بڑے آرام کے ساتھ پک جاتا ہے اور کھانا پکنے کے لیے چڑھانے کے بعد آپ اپنے کام میں مصروف ہو جائیں، ضروری نہیں کہ کچن میں ہی وقت گزار دیں تو بس بال باندھ کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن کر جائیں اور صفائی کا بہت خیال رکھیں۔

.....☆☆.....

بیوٹی باکس

ملتانی مٹی ایک ایسی قدرتی نعمت ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے اسے بالخصوص خواتین کے لیے ہی تخلیق کیا ہے۔ تقریباً ہر قسم کے فیشل ماسک کا اساس Clay ہی ہوتا ہے۔

ملتانی مٹی، بہترین قدرتی ماسک

کہا جاتا ہے کہ انسانی چہرے کے کئی رخ ہوتے ہیں یا اس بات کو کچھ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم اپنے چہرے پر ماسک لگائے پھرتے ہیں تاکہ اپنی شخصیت کو چھپا سکیں اور یہ ماسک اترنے پر بعض اوقات بڑی کھوکھلی شخصیت سامنے آتی ہے مگر آج ہم جس ماسک کی بات کر رہے ہیں وہ میک اپ ماسک ہے جس کے اترنے پر ایک دل کش اور پرکشش چہرہ نظر آتا ہے۔ مختلف پھلوں اور سبزیوں کے ماسک نہ صرف خوب صورتی اور چمک کو بڑھاتے بلکہ جلد کے اندرونی حسن کو بھی ابھارتے ہیں۔

بچوں کی جلد بے انتہا نرم و نازک ہوتی ہے کیونکہ ان کی جلد کی اوپری ڈیمک تہ 80 فیصد پانی پر مشتمل ہوتی ہے۔ جلد کی اوپری تہ اس بیش قیمت پانی کو جذب کرتی ہے لہٰذا بچوں کی جلد ہمیشہ نرم اور شفاف دکھائی دیتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ کھنچی ہوئی اور دبیز بھی ہوتی ہے۔ آپ بھی بچوں کی طرح اپنی جلد میں کھنچاؤ، چمک اور شادابی پیدا کرنے کے لیے ماسک کا باقاعدہ استعمال کریں۔

چہرے پر ماسک سے پہلے چہرے کی صفائی ضروری ہے جسے کلینزنگ بھی کہتے ہیں۔ کلینزنگ کا مقصد چہرے کے مساموں میں موجود رگڑ یا ریت کے باریک باریک ذرات دور کرنا ہوتا ہے۔ واضح

رہے کہ یہ گرد ایک طرف مساموں کو بند کر کے پسینے کے اخراج کو روکنے کا سبب بنتی ہے اور دوسری طرف چہرے کی جلد پر نظر نہ آنے والی خراشیں ڈالتی ہے جس سے جلد کی Elasticity متاثر ہوتی ہے۔ چہرے کی صفائی کے بعد کسی بھی کلینزنگ لوشن سے انگلیوں کی مدد سے تھوڑا سا مساج ضروری ہے تاکہ جلد ملائم ہوجائے اور ماسک میں موجود صحت مند اشیاء چہرے کی جلد میں احسن طریقے سے جذب ہوسکیں۔

ملتانی مٹی ایک ایسی قدرتی نعمت ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے اسے بالخصوص خواتین کے لیے ہی تخلیق کیا ہے۔ تقریباً ہر قسم کے فیشل ماسک کا اساس Clay ہی ہوتا ہے۔ جس میں دوسری اشیاء مختلف مقداروں میں شامل کر کے ایک اچھا موزوں اور نیچرل ماسک تیار کیا جاسکتا ہے مثلاً مختلف اشکال میں گھیکوار (Aloevera) روغن بادام، عرق گلاب، شہد، انڈے کی سفیدی، دودھ، لیموں کا عرق، کینو کے چھلکوں کا پاؤڈر اور بیسن وغیرہ۔ جلد کو ٹائٹ رکھنے کے معاملے میں کوئی بھی شے ملتانی مٹی کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو تناؤ ملتانی مٹی سے حاصل ہوتا ہے، وہ کسی اور شے کے استعمال سے نہیں ہوسکتا۔

ملتانی مٹی چکنی جلد والی خواتین کے لیے آئیڈیل ماسک کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ چکنی جلد والی خواتین کو ایسی خشک اشیاء جن میں تیل جذب کرنے کی صلاحیت زیادہ ہو استعمال کرنی چاہئیں اور ملتانی مٹی میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ جلد میں سے اضافی چکنائی کو بھی جذب کرلیتی ہے۔ گرمیوں میں چکنی جلد کی حامل خواتین ملتانی مٹی میں عرق گلاب اور لیموں کا عرق یا کھیرے کا عرق شامل کر کے بطور ماسک ہفتے میں دوبار استعمال کریں اس ماسک سے چہرے کی فالتو چکنائی کم ہوگی جو مہاسوں کا سبب بنتی ہے۔

ڈھیلی جلد کی حامل خواتین ملتانی مٹی میں شہد ایک چائے کا چمچہ اور دہی ایک چائے کا چمچہ ان سب کو ملا کر چہرے پر آنکھیں چھوڑ کر لگائیں جب خشک ہوجائے تو نیم گرم پانی سے ماسک دھو ڈالیں اور بعد میں اسکن ٹانک لگائیں۔ یہ چہرے کی جلد کو مستحکم کرنے کا بہترین ماسک ہے۔

جھریوں والی جلد کے لیے بھی اس کی مدد سے بہترین ماسک تیار کیا جاسکتا ہے۔

ملتانی مٹی سفوف کی شکل میں ایک چمچہ، شہد ایک چمچہ اور پیاز کا عرق ایک چمچہ لے کر پیسٹ بنائیں اور لگائیں، اس سے جھریوں کو مختم کیا جاسکتا ہے اور چہرہ شاداب رہتا ہے۔ گرمی دانے ہونے کی صورت میں ملتانی مٹی کو پانی میں گھول کر متاثرہ حصے میں لگانے سے آرام ملتا ہے۔ ملتانی مٹی کو اگر صندل اور مختلف پھلوں یا سبزیوں کے جوس کے ساتھ استعمال کیا جائے تو بہترین فیس پیک تیار ہوتا ہے۔ یہ ہر طرح کی جلد کے لیے موزوں ہے۔ ملتانی مٹی سفوف (پاؤڈر) کی شکل میں سو گرام، صندل وڈ باریک سفوف کی شکل میں پچاس گرام اور موسمی یا کینو کے خشک چھلکوں کا بے حد باریک سفوف پچاس گرام ان سب کو ملا کر یکجان کرلیں۔ اب اسے ہوا

بند ڈبے میں محفوظ کرلیں چاہیں تو کسی پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال کر فریج میں بھی محفوظ کرسکتی ہیں۔ اسے دیئے گئے چارٹ کے مطابق ہفتے میں ایک یا دو بار استعمال کریں۔

استعمال سے پہلے کلینزنگ کریم یا گرم پانی میں تولیہ بھگو کر چہرے کو صاف کرلیں۔ آنکھوں اور اردگرد کی جگہ کو چھوڑ کر ماسک کا لیپ کرلیں اور پندرہ بیس منٹ بعد خشک ہونے پر ٹھنڈے پانی میں کپڑا بھگو کر آہستگی سے چہرہ صاف کرلیں۔ صفائی کا عمل نیچے سے اوپر کی طرف ہونا چاہیے، یہ ماسک جلد کے اندرونی حصے تک پہنچ کر جلد کو پھر تروتازہ اور خوب صورت بنا دیتا ہے۔ چہرے سے مردہ خلیات کو اتار دیتا ہے اور چہرے کی رنگت نکھارتا ہے۔ مساموں کے اندر تک اتر کر جلد کی صفائی کرتا ہے جس سے جلد صحت مند ہوجاتی ہے اور جلد پر دوران خون تیز ہوجاتا ہے اور چہرہ پرکشش بن جاتا ہے۔

رنگ گورا کرنے کے لیے اور رنگت کو صاف

ستھرا کرنے کے لیے پکی ملتانی مٹی کا پانی میں پیسٹ بنا کر چہرے پر لگائیں۔ جب سوکھ جائے تو دوسرا کوٹ کریں اسی طرح چار کوٹ کریں۔ ایک ہفتے تک بلاناغہ کریں، دوسرے ہفتے سے یہ ماسک ہفتے میں دوبار کریں۔ رنگت صاف ہوجانے کے بعد بھی یہ ماسک ہفتے میں ایک بار ضرور کریں۔ چارٹ مندرجہ ذیل ہے۔

☆☆

ملتانی مٹی کے ماسک کا چارٹ!

جلد کی قسم:۔ ملتانی مٹی، صندل وڈ، کینو کے خشک چھلکوں کا سفوف۔

خشک:۔ کچا دودھ، چند قطرے زیتون کا تیل، ملتانی مٹی، صندل وڈ کینو کے خشک چھلکوں کا سفوف۔

خشک سے نارمل:۔ گلاب کا عرق، کچا دودھ، ملتانی مٹی، صندل وڈ کینو کے خشک چھلکوں کا سفوف۔

نارمل سے چکنی:۔ گاجر یا کھیرے کا جوس، لیموں کا عرق، ملتانی مٹی، صندل وڈ کینو کے خشک چھلکوں کا سفوف۔

چکنی:۔ ایلوویرا جوس یا لیموں کا عرق، انڈے کی سفیدی، ملتانی مٹی، صندل وڈ، کینو کے خشک چھلکوں کا سفوف۔

مہاسوں والی چکنی جلد:۔ لیموں کا عرق، کچا دودھ، عرق گلاب، ملتانی مٹی، صندل وڈ، کینو کے خشک چھلکوں کا سفوف۔

پختہ جلد (جھریاں):۔ انڈے کی سفیدی، پھٹکری پاؤڈر، روغن بادام یا زیتون، عرق گلاب، ملتانی مٹی، صندل وڈ، کینو کے خشک چھلکوں کا سفوف۔

ایک ڈھیلا ملتانی مٹی کا لیں اور اسے کوٹ کر ایک برتن میں بھرلیں، جب یہ پوری طرح سے نرم ہوجائے تو ناریل کے گرم تیل میں ڈال دیں اور پھر اس سے بالوں کو مل کر دھو ڈالیں۔ گرمیوں کے موسم میں تو آپ اپنے بالوں کو ملتانی مٹی سے ہی دھوئیے۔ یہ دماغ اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے بال بہت اچھی طرح سے صاف ہوجاتے ہیں۔

چنے کی دال، کریلا

اشیاء:

کریلے	ایک کلو	دال چنا ابلی ہوئی	آدھا کلو
سونف، کلونجی	ایک ایک چائے کا چمچہ	ادرک لہسن پسا ہوا	آدھا کھانے کا چمچہ
مرچ، نمک	حسب ذائقہ	املی یا کھٹائی	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

- پیاز موٹی موٹ کاٹ لیں۔
- کریلے چھیل کر ان میں نمک لگا کر رکھ دیں۔ جب ان کا پانی نکل جائے تو پانی سے خوب دھو لیجیے۔
- اب سب مسالا دال میں شامل کریں، مع کلونجی اور سونف کے اور کریلے کے اندر دال مع مسالا بھر کر دھاگے سے باندھ دیں اور دیگچی میں پانی ڈال کر گلنے دیں۔
- جب کریلے گل جائیں تو گھی میں تل لیجیے۔

چکن وِد چلی

اشیاء:

مرغی کی ٹانگیں	چھ عدد	سفید سرکہ	دو چائے کے چمچے
سویا ساس	آدھا چائے کا چمچہ	نمک	حسب ذائقہ
کارن فلار	دو چمچے	کوکنگ آئل	ایک چمچہ
انڈا	ایک عدد	سرکہ	دو چمچے
سویا ساس	تین چمچے	چینی	ڈیڑھ چمچہ
کارن فلار	ایک چائے کا چمچہ	پانی	ایک کھانے کا چمچہ
گاجر	ایک عدد	کھیرا	ایک عدد
آلو	ایک عدد	دھنیا	ایک گٹھی
سرخ ثابت مرچ	چار عدد	پسا ہوا لہسن	ایک چائے کا چمچہ
پسا ہوا ادرک	دو چائے کے چمچے	کوکنگ آئل	تین چمچے

ترکیب:۔

- مرغ کا گوشت ہڈیوں سے الگ کر کے دو انچ کے ٹکڑے کاٹ لیں اور سرکہ، سویا ساس، نمک ایک چائے کا چمچہ، کارن فلار، کوکنگ آئل اور انڈا ملا کر رکھ دیں۔
- تمام سبزیوں کو ایک انچ کے چوکور ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ دھنیا بھی باریک کاٹ لیں۔
- ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے سرخ مرچ تل لیں۔ جب سیاہی مائل ہو جائیں تو نکال لیں۔
- اب ایک چمچہ تیل اور ڈال کر ادرک لہسن اور گاجر ڈال کر دو منٹ تک پکائیں پھر چکن ڈال کر گلنے تک پکائیں۔
- اب آلو ڈال کر گلا لیں، آخر میں کھیرا ڈالیں۔
- پھر سرکہ، سویا ساس، چینی، کارن فلار ڈال کر اچھی طرح حل کر لیں، آخر میں دھنیا ڈال کر گرم گرم سرو کریں۔

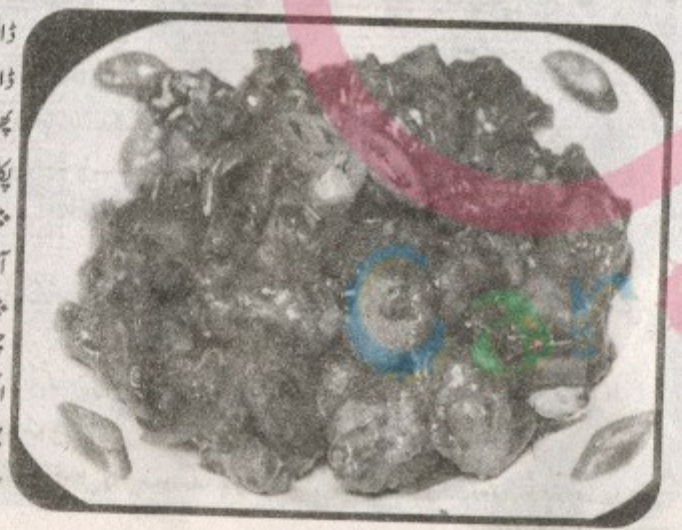

راجستھانی گوشت

اشیاء:

بکرے کا گوشت	ایک کلو	دہی	ایک کپ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ	بادام (پسے ہوئے)	آدھا کپ
ناریل پسا ہوا	چوتھائی کپ	تیل	ایک کپ
بادام پیسٹ	چار کھانے کے چمچے	نمک	حسب ذائقہ
ادرک (باریک کاٹ لیں)	چار چائے کا چمچہ	لیموں کا رس	دو چائے کے چمچے
کیوڑہ	ایک چائے کا چمچہ	ہری مرچیں (باریک کاٹ لیں)	چھ عدد
ہری الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ	کریم	چوتھا کپ

ترکیب:۔

- گوشت کو نمک اور پانی کے ساتھ ابال لیں، دہی میں کالی مرچ، پسے ہوئے بادام اور ناریل ڈال کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔
- تیل گرم کر کے گوشت فرائی کریں پھر اس میں دہی کا مکسچر، ادرک، نمک اور دو کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔
- جب ابال آ جائے تو بادام کا پیسٹ ڈالیں اور چند منٹ پکا کر اتار لیں۔
- آخر میں الائچی پاؤڈر، کریم، لیموں کا رس، کیوڑہ اور ہری مرچیں ڈال کر آدھے گھنٹے تک دھیمی آنچ پر دم دے دیں۔

اناس کا میٹھا

اشیاء:

اناس	ایک ٹن	پھیکی جیلاٹن	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	ایک تہائی کپ	انڈے	چار عدد
لیموں کا رس	تین چمچے	ملک کریم	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ		

ترکیب:۔

- انڈوں کی سفیدی اور زردی کو الگ الگ کر لیں۔ سفیدی کو بڑے پیالے میں رکھ دیں۔ زردی کو اناس کے رس میں ڈال کر پھینٹیں۔
- اس کے بعد اسے سوس پین میں ڈال کر ہلکی آنچ پر رکھیں۔ آدھی چینی اور پھیکی جیلاٹن ڈال کر چمچہ چلائیں۔ جب کسٹرڈ کی شکل میں تیار ہو جائے، اتار کر لیموں کا رس ڈالیں اور ٹھنڈا کر لیں۔
- سفیدی کو ایگ بیٹر سے اتنا پھینٹیں کہ جھاگ بن جائے۔
- اس کے بعد چینی ڈال کر اور پھینٹیں۔ کریم کو نکال کر الگ پھینٹ لیں اور گاڑھی کر لیں۔
- پھر تینوں یعنی کسٹرڈ، سفیدی اور کریم کو لکڑی کے بڑے اور چمچ سے اس طرح ڈش میں ڈالیں کہ ہر تہ پر اناس کے ٹکڑے ہوں، ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

(پھیکی جیلاٹن اگر نہ ملے تو اس کی جگہ چائنا گراس بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ ''یا گراگر'' کے نام سے بھی دستیاب ہے)۔

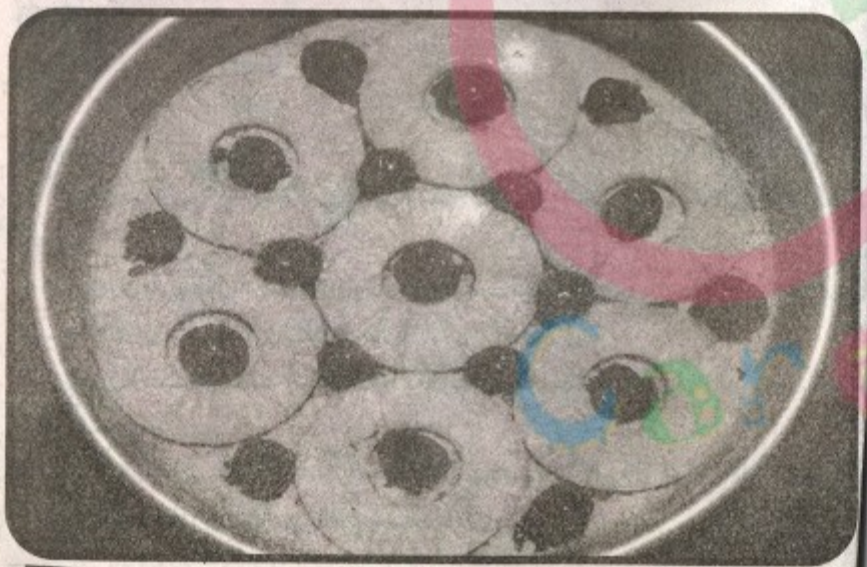

فرائی مچھلی

اشیاء:

پاپلیٹ مچھلی	آدھا سیر	نمک	حسب ذائقہ
مکھن	آدھا پاؤ	کالی مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب:

+ مچھلی کو صاف کرلیں۔ لیکن اس کے ٹکڑے نہ کریں پھر ایک دیگچی میں پانی ڈال کر اس میں نمک ڈال کر ابلنے کے لیے رکھ دیں۔
+ جب پانی ابل جائے تو مچھلی اس میں ڈال دیں اور ایک ابال آنے کے بعد چولہا بند کردیں۔ دو تین منٹ کے بعد پانی میں سے مچھلی نکالیں اور ایک تیز چھری سے اس کی کھال آہستہ آہستہ علیحدہ کردیں۔
+ پھر چھری کی نوک سے کانٹے سے احتیاط سے علیحدہ کرلیں کہ مچھلی کے ٹکڑے نہ ہونے پائیں بلکہ سیدھے سیدھے ایک جیسے چار ٹکڑے بن جائیں۔
+ اب ان ٹکڑوں کو فرائنگ پین میں مکھن ڈال کر ذرا دیر کے لیے چھوڑ دیں اور سفید مچھلی ہی واپس نکال لیں۔ سرخ نہ ہونے دیں، اوپر سے کالی مرچ چھڑک دیں اور کیچپ کے ساتھ نوش کریں۔

بہو چھوٹی ہو یا بڑی
دونوں سے ہے گھر مکمل
TAPAL
Family Mixture
مکمل چائے۔ مکمل گھر